جاء الحق وزهق الباطل

ان الباطل كان زهوقاً

انا اعتدنا للكافرين سلاسل واغلالاً وسعيراً

بحمد اللہ کہ ایں کحل الجواہر ٭ شد از کوہ صواب و صدق ظاہر

متاب از سرمۂ دگر روشنی چشمے باید ٭ کہ عاقل از دل و جان دوست دارد چشم بینا را

سرمہ چشم آریہ

فیہ شفاء للناس

از تالیفات مرزا غلام احمد صاحب مؤلف براہین احمدیہ دربارہ

ردّ اصول وید و اثبات حقیت اصول قرآن شریف بمعہ انعام پانسو روپیہ

اُس ہندو یا آریہ کے لئے جو اس رسالہ کا رد لکھ کر دکھلا دے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اشتہار واجبُ الاظہار

یہ رسالہ کحل الجواہر سُرمہ چشم آریہ نہایت صفائی سے چھپکر ایکروپئیہ بارہ آنہ اسکی قیمت عام لوگوں کیلئے قرار پائی ہے اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کچھ بطور امداد دیں اُن کیلئے موجب ثواب ہے کیونکہ سراج منیر اور براہین کیلئے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہوگا اور اس کے بعد سراج منیر انشاء اللہ القدیر چھپیگا پھر اسکے بعد پنجم حصّہ کتاب براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا جو بعض لوگ توقف طبع کتاب براھین سے مضطرب ہو رہے ہیں انکو معلوم نہیں کہ اِس زمانہ توقف میں کیا کیا کارروائیاں بطور تمہید کتاب کے لئے عمل میں آئی ہیں ۲۲ ہزار کے قریب اشتہار تقسیم کیا گیا اور صدہا جگہ ایشیا و یورپ و امریکہ میں خطوط دعوتِ اسلام اردو و انگریزی میں چھپوا کر اور رجسٹری کرا کر بھیجے گئے جن کا تذکرہ انشاء اللہ پنجم حصّہ میں آئیگا وانما الاعمال بالنیّات - بااین ہمہ اگر بعض صاحب اس توقف سے ناراض ہوں تو ہم ان کو فسخ بیع کی اجازت دیتے ہیں وہ ہم کو اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں تو ہم بدیں شرط کہ جس وقت ہم کو اُن کی قیمت مرسلہ میسّر آوے اس وقت باخذ کتاب واپس کر دینگے بلکہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایسے صاحبوں کی ایک فہرست طیار کیجائے اور ایک ہی دفعہ سب کا فیصلہ کیا جائے اور یہ بھی ہم اپنے گذشتہ اشتہار میں لکھ چکے ہیں اور اب بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہاماتِ الٰہیّہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جزُ تک ضرور پہنچے بلکہ جس طور سے خدائے تعالیٰ مناسب سمجھیگا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اسکو انجام دیگا کہ یہ سب کام اُسی کے ہاتھ میں اور اُسی کے امر سے ہے - واجب تھا ظاہر کیا گیا - وَالسَّلَام عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی -

المشتہر

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان
ضلع گورداسپور پنجاب

سرمۂ چشم آریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْم

اے دلبر و دستان و دلدار — واے جانِ جہان و نورِ انوار
لرزاں ز تجلّیت دل وجاں — حیران ز رخت قلوب وابصار
در ذاتِ تو جز تحیّرے نیست — ہنگامِ نظر نصیب افکار
در غیبی و قدرتت ہویدا — پنہانی و کارِ تو نمودار
دوری و قریب تر ز جاں ہم — نوری و نہاں تر از شبِ تار
آں کیست کہ فطنتہائے تو یافت — وآں کو کہ شود محیطِ اسرار
کردی دو جہاں عیاں ز قدرت — بے مادہ و بے نیاز انصار

واین طرفہ کہ ہیچ کم نہ گردد — باآنکہ عطائے تست بسیار
حسن تو غنی کند ز ہر حسن — مہر تو بخود کشد ز ہر یار
حسن نمکینت ار نہ بودے — از حسن نہ بودے ہیچ آثار
شوخی ز تو یافت روئے خوبان — رنگ از تو گرفت گل بہ گلزار
سیمین ذقنان کہ سیب دارند — آمد ز ہمان بلند اشجار
ایں ہر دو ازان دیار آیند — گیسوئے بتان و مشکِ تاتار
از بہرِ نمائشِ جمالت — بینم ہمہ چیز آئینہ دار
ہر برگ صحیفۂ ہدایت — ہر جوہر و عرض شمع بردار
ہر نفس بتو رہے نماید — ہر جان بد بد صلائے ایں کار
ہر ذرہ فشاند از تو نورے — ہر قطرہ براند از تو انہار
ہر سوز عجائبِ تو شورے — ہر جا ز غرائب تو اذکار
از یادِ تو نورہا بہ بینم — در حلقۂ عاشقانِ خون بار
آنکس کہ بہ بند عشقت افتاد — دیگر نہ شنید پندِ اغیار
اے مونسِ جان چہ دلستانی — کز خود بربودیم بہ یکبار
از یادِ تو ایں دلے بغم غرق — دارد گہرے نہاں صدف دار
چشم و سرِ ما فدائے رویت — جان و دلِ ما بتو گرفتار
عشقِ تو بہ نقد جان خریدیم — تا دم نہ زند دگر خریدار
غیر از تو کہ سر زدے ز جیبم — در برجِ دلم نماند دیار
عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند — کردیم و دمے جز از تو دشوار

ہزار ہزار شکر اُس قادرِ مطلق کا جس نے انسان کی رُوح اور ہر یک مخلوق اور ہر ذرّہ کو محض اپنے ارادہ کی طاقت سے پَیدا کرکے وہ استعدادیں اور قوتیں

اور خاصیتیں اُن میں رکھیں جن پر غور کرنے سے ایک عجیب عالم عظمت اور قدرت الٰہی کا نظر آتا ہے اور جن کے دیکھنے اور سوچنے سے معرفت الٰہی کا کامل دروازہ کھلتا ہے۔ اُسی قادرِ توانا کی مدح اور حمد میں محو رہنا چاہیئے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی ایک چیز بھی موجود نہیں ہوئی وہی ایک ذات عجیب الحکمت وعظیم القدرت ہے جس کے فقط حکمی طاقت سے جو کچھ وجود رکھتا ہے پیدا ہو گیا۔ ہر ایک ذرہ انت ربّی انت ربّی کی آواز سے زبان کشا ہے۔ ہر ایک جان انت مالکی انت مالکی کی شہادت سے نغمہ سرا ہے۔ وہی حکیم مطلق ہے جس نے انسانی رُوحوں کو ایک ایسا پُر منفعت جسم بخشا کہ جو اِس جہان میں کمالات حاصل کرنے اور اُس جہان میں اُن کا پُورا پُورا حظ اُٹھانے کے لئے بڑا بھارا یار و مددگار ہے۔ رُوح اور جسم دونوں مل کر اُس کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں۔ اور ظاہری باطنی دونوں قوّتیں اُس کی شہادت دے رہی ہیں۔ وہی مُحسن حقیقی ہے جس نے وفاداری سے ایمان لانے والوں کو ہمیشہ کی رُستگاری کی خوشخبری دی اور اپنے صادق عارفوں اور سچے محبّوں کے لئے اُس جنّتِ دائمی کا وعدہ دیا جو بدرجۂ اکمل و اتم مظہر العجائب ہے جس کی نہریں اسی دُنیوی حیات میں جوش مارنا شروع کرتی ہیں۔ جس کے درخت اِسی جگہ کی آبپاشی سے نشوونما پاتے جاتے ہیں۔ اُسکی قدرت وحکمت ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے اور اُس کی حفاظت جو ہر یک چیز کے شامل حال ہے اُسکی عام خالقیت پر گواہ ہے۔ اُس کی حکیمانہ طاقتیں بے انتہا ہیں کون ہے جو اُنکی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی قادرانہ حکمتیں عمیق در عمیق ہیں۔ کون ہے جو اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ ہریک چیز کے اندر اُسکے وجود کی گواہی چھپی ہوئی ہے۔ ہریک مصنوع اُس صانع کامل کی راہ دکھلا رہا ہے۔ موجود بوجود حقیقی وہی ایک ربّ العٰلمین ہے اور باقی سب اُس سے پیدا اور اُسکے سہارے سے قائم

اور اُس کی قدرتوں کے نقشِ قدم ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا　　بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہوگیا　　کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اُس میں جمالِ یار کا
اُس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے　　مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا
ہے عجب جلوہ تری قُدرت کا پیارے ہر طرف　　جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں　　ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
تُو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک　　اس سے ہے شورِ محبّت عاشقانِ زار کا
کیا عجب تُو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص　　کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا
تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں　　کس سے کھُل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی　　ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اُس تری گلزار کا
چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے　　ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب　　ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغ تیز　　جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں　　تا مگر درماں ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا　　جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر　　خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

بعد اس کے اور بعد صلوٰۃ و سلام بر نبی کریم خیر الانام محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین اور اُس کی آل و اصحاب مطہرین و مہذبین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین یہ عاجز مؤلف کتاب **براھین احمدیہ** خدمت میں طالبین حق کے گذارش کرتا ہے کہ مارچ ۱۸۸۶ء کے مہینے میں جب کہ یہ عاجز بمقام ہوشیارپور مقیم تھا۔ لالہ مُرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر سے جو آریہ سماج ہوشیارپور کے

ایک اعلیٰ درجہ کے رُکن اور مدار المہام ہیں مباحثہ مذہبی کا اتفاق ہُوا۔ وجہ اِس کی یہ ہوئی کہ ماسٹر صاحب موصوف نے خود آکر درخواست کی کہ تعلیم اسلام پر میرے چند سوالات ہیں اور چاہتا ہوں کہ پیش کروں۔ چُونکہ یہ عاجز ایک زمانہ دراز کی تحقیق اور تدقیق کے رُو سے خوب جانتا ہے کہ عقائد حقہ اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اور جس کسی بات کو کوئی کوتہ اندیش مخالف اعتراض کی صورت میں دیکھتا ہے وہ درحقیقت ایک بھاری درجہ کی صداقت اور ایک عالی مرتبہ کی حکمت ہوتی ہے جو اس کی نظر بیمار سے چھپی رہتی ہے اسلئے باوجود شدّت کم فرصتی مَیں نے مناسب سمجھا کہ ماسٹر صاحب کو اُن کے اعتراضات کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے مدد دُوں اور بطور نمونہ ان کو دکھلاؤں کہ وید اور **قرآن شریف** میں سے کونسی کتاب اللہ تعالےٰ کی عظمت اور قدرت اور شوکت اور شان کے مطابق ہے اور کس کتاب پر سچے اور واقعی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ سو اس غرض سے ماسٹر صاحب کو کہا گیا کہ اگر آپ کو مذہبی بحث کا کچھ شوق ہے تو ہمیں بسروچشم منظور ہے لیکن مناسب ہے کہ دونوں فریق کے اصول کی حقیقت کھولنے کی غرض سے ہر دو فریق کی طرف سے سوالات پیش ہوں۔ تا کوئی شخص جو ان سوالات وجوابات کو پڑھے اس کو دونوں مذہبوں کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے موقعہ مل سکے۔ چنانچہ بمنظوری جانبین اسی التزام سے بحث شروع ہوئی۔ اوّل گیاراں مارچ ۱۸۸۶ء کی رات میں اس عاجز کے مکان فرودگاہ پر ماسٹر صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض شق القمر کے بارہ میں پیش ہُوا اور پھر چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے دن میں اس عاجز کی طرف سے آریہ صاحبوں کے اس اصول پر اعتراض پیش ہُوا کہ پرمیشر نے کوئی رُوح پیدا نہیں کی اور نہ وہ کسی طرح کو خواہ کوئی کیسا ہی راستباز اور وفادار اور سچا پرستار ہو۔ ہمیشہ کے لئے جنم مرن

کے عذاب سے نجات بخشیگا۔ ان دونوں بحثوں کے وقت یہ بات طے ہو چکی تھی کہ جواب الجواب کے جواب تک بحث ختم ہو۔ اُس سے پہلے نہ ہو۔ لیکن ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب نے شرائط قرار یافتہ کو کچھ ملحوظ نہ رکھا۔ پہلے جلسہ میں جو گیاراں مارچ ۱۸۸۶ء کو بوقت شب ہُوا تھا اُن کی طرف سے یہ ناانصافی ہوئی کہ جب جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا جس کی تحریر کے لئے وہ آپ ہی فرما چکے تھے۔ تو ماسٹر صاحب نے رات بڑی چلے جانے کا عذر پیش کیا۔ ہر چند اس عاجز اور اکثر حاضرین نے سمجھایا کہ اے ماسٹر صاحب ابھی رات کچھ ایسی بڑی نہیں گئی۔ ہم سب پوری رات کا برابر اثر ہے مگر اقرار کے برخلاف کرنا اچھی بات نہیں جواب ضرور تحریر ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ کچھ بھی ملتفت نہ ہوتے آخر بمواجہ تمام حاضرین کہا گیا کہ یہ جواب تحریر ہونے سے رہ نہیں سکتا۔ اگر آپ اس وقت اس کو ٹالنا چاہتے ہیں تو بالضرور اپنے طور پر رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے طوعًا و کرہًا بطور خود لکھا جانا تسلیم کیا پر اسی جلسہ میں وہ تحریر ہو کر پیش ہونا اُن کو بہت ناگوار معلوم ہُوا۔ جس کی وجہ سے وہ بلا توقف اُٹھ کر چلے گئے بات یہ تھی کہ ماسٹر صاحب کو یہ فکر پڑی کہ اگر اسی وقت جواب الجواب کا جواب پیش ہُوا تو خدا جانے مجھے کیا کیا ندامتیں اُٹھانی پڑینگی غرض یہ جلسہ تو اس طور پر ختم ہُوا اور اسکے تمام واقعات جو اس مضمون میں مندرج ہیں اُن کی شہادت حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں دے سکتے ہیں ٭ اب دوسرا جلسہ جو چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء

٭ **حاشیہ** حاضرین جلسہ بحث گیاراں مارچ کے نام یہ ہیں۔ میاں شترو گھن صاحب پسر کلاں راجہ رودرسین صاحب والی ریاست سوکیت حال وارد ہوشیارپور۔ میاں شترنجی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔ میاں جنجی جی صاحب پسر خورد تر راجہ صاحب۔ بابو

میں دن کے وقت شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور کے مکان پر ہوا اُس کی بھی کیفیت سُنیئے۔ اوّل حسب قرار داد اس عاجز کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدائے تعالےٰ کی خالقیت سے انکار کرنا اور پھر اُسی کے التزام سے جاودانی نجات سے مُنکر رہنا جو آریہ سماج والوں کا اُصول ہے اس سے خدائے تعالیٰ کی توحید و رحمت دونوں دُور ہوتی ہیں۔ جب یہ اعتراض جلسہ عام میں سُنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت کو ماسٹر صاحب ہی کا جی جانتا ہوگا اور نیز وہ سب لوگ جو فہیم اور زیرک حاضر جلسہ تھے معلوم کر گئے ہونگے۔ ماسٹر صاحب کو اس وقت کچھ بھی سوجھتا نہیں تھا کہ اس کا کیا جواب دیں۔ سو ناچار حیلہ جوئی کی غرض سے گھنٹہ سوا گھنٹہ کے عرصہ تک یہی عُذر پیش کرتے رہے کہ یہ سوال ایک نہیں ہے بلکہ دو ہیں تو اس کے جواب میں عرض کر دیا گیا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدائے تعالےٰ کی خالقیت سے انکار کرنا اور مُکتی میعادی اُسی خراب اُصول کا ایک بد اثر ہے جو اُس سے الگ نہیں ہوسکتا۔ اِس جہت سے دونوں ٹکڑے سوال کے حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی خالقیت سے منکر ہوگا اُس کے لئے ممکن نہیں کہ ہمیشہ کی نجات کا اقرار کر سکے۔ سوانکارِ خالقیت

بقیہ حاشیہ موتی رام صاحب نقل نویس۔ لالہ رام لچھمن صاحب ہیڈ ماسٹر لودھیانہ۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر ہوشیار پور۔ اِس جگہ مکرر لکھا جاتا ہے کہ میاں شتر وگہن صاحب نے کئی بار ماسٹر صاحب کی خدمت میں التجا کی کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے۔ ہمیں کسی نوع سے تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سُننے کا شوق ہے ایسا ہی کئی ہندو صاحبوں نے یہ منشاء ظاہر کیا مگر ماسٹر صاحب نے کچھ ایسی مصلحت سوچی کہ کسی کی بات کو نہ مانا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ مؤلف

اور انکارِ نجات جاودانی باہم لازم ملزوم ہے اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتا ہے۔ سو درحقیقت جو شخص یہ بات ثابت کرنا چاہے کہ خدائے تعالیٰ کے رب العٰلمین اور خالق نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں اُس کو یہ ثابت کرنا بھی لازم آجائیگا کہ خدائے تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جنم مرن کے عذاب میں مُبتلا رہنا اور کبھی دائمی نجات نہ پانا یہ بھی کچھ مضائقہ کی بات نہیں۔ غرض بعد بہت سے سمجھانے کے پھر ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا اور تین گھنٹہ تک بہت سے وقت اور غم و غصّہ کے بعد ایک ٹکڑہ سوال کا جواب قلمبند کر کے سُنایا اور دوسرے ٹکڑہ کی بابت جو مکتی کے بارہ میں تھا یہ جواب دیا کہ اِسکا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھکر بھیجدیں گے۔ چنانچہ اِس طرف سے ایسا جواب لینے سے انکار ہوا اور عرض کر دیا گیا کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے اسی جلسہ میں حاضرین کے رُوبرو تحریر کریں۔ اگر گھر میں بیٹھکر لکھنا تھا تو پھر اس جلسہ بحث کی ضرورت ہی کیا تھی مگر ماسٹر صاحب نے نہ مانا اور کیونکر مانتے اُنکی تو اُس وقت حالت ہی اور ہو رہی تھی۔ اب قصہ کوتاہ یہ کہ جب کسی طور سے ماسٹر صاحب نے لکھنا منظور نہ کیا تو ناچار پھر یہ کہا گیا کہ جس قدر آپ نے لکھا ہے وُہی ہم کو دیں تا اُس کا ہم جواب الجواب لکھیں تو اِس کے جواب میں اُنہوں نے بیان کیا کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے اب ہم بیٹھ نہیں سکتے۔ ناچار جب وہ جانے کے لئے مستعد ہوئے تو اُن کو کہا گیا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا کہ جو کچھ باہم عہد ہو چکا تھا اُس کو توڑ دیا نہ آپ پورا جواب لکھا اور نہ ہمیں اب جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ خیر بدرجۂ ناچاری یہ جواب الجواب بھی بطورِ خود تحریر کر کے رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائیگا چنانچہ یہ بات سُنتے ہی ماسٹر صاحب معہ اپنے رفیقوں کے اُٹھ کر چلے گئے اور حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں بخوبی معلوم کر گئے کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام کارروائی گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔

+ اب ہم قبل اس کے کہ ماسٹر صاحب کا پہلا سوال جو شق القمر کے بارہ میں ہے

+ حاشیہ نام حاضرین جلسہ جو ماسٹر صاحب کی بیجا کارروائی کے گواہ ہیں شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور۔ مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل ہوشیار پور۔ ڈاکٹر مصطفٰے علی صاحب بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوشیار پور۔ میاں عبداللہ صاحب حکیم۔ میاں شہاب الدین صاحب دفعدار۔ لالہ نراین داس صاحب وکیل۔ پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل۔ لالہ رام لچھمن صاحب ہیڈ ماسٹر لودہیانہ۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر۔ لالہ گنیش داس صاحب وکیل۔ لالہ سیتا رام صاحب مہاجن۔ میاں شتروگہن صاحب پسر کلاں راجہ صاحب سوکیت۔ میاں شترن جی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔ منشی گلاب سنگھ صاحب سررشتہ دار۔ مولوی غلام رسول صاحب مدرس۔ مولوی فتح الدین صاحب مدرس۔ ان تمام حاضرین کے روبرو لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر نے ہر ایک بات میں ناانصافی کی۔ اس عاجز نے اپنا اعتراض ایک گھنٹہ کے قریب سنادیا تھا مگر انہوں نے تین گھنٹہ تک وقت لیا اور پھر بھی اعتراض کا ایک ٹکڑہ چھوڑ گئے اصلی منشا انکا یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی طرح دن گذر جائے اور اس بلا سے نجات پائیں مگر دن انکا دشمن ابھی تیسرے حصہ کے قریب سر پر کھڑا تھا اور یہ واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کا یہ عذر کہ اب ہماری سماج کا وقت آگیا ہے بالکل عبث اور کچا بہانہ تھا۔ اوّل تو ماسٹر صاحب نے پہلے کوئی ایسی شرط نہیں کی تھی کہ جب سماج کا وقت ہوگا تو بحث کو درمیان چھوڑ کر چلے جائیں گے ماسوا اسکے یہ تو دین کا کام تھا اور جن لوگوں نے سماج میں حاضر ہونا تھا وہ تو سب موجود تھے بلکہ بہت سے ہندو اور مسلمان اپنا اپنا کام چھوڑ کر اسی غرض سے حاضر تھے اور تمام صحن مکان کا حاضرین سے بھرا ہوا تھا سو اگر ماسٹر صاحب کی نیت میں فرق نہ ہوتا تو اسی جلسہ عظیمہ کو جو صدہا آدمیوں

تحریر کریں صفائی بیان کے لئے ایک مقدمہ لکھتے ہیں یہ مقدمہ درحقیقت اُسی مضمون کا

بقیہ حاشیہ کا مجمع تھا سماج سمجھا ہوتا علت غائی سماجوں کی لکچر وغیرہ ہی ہُوا کرتی تھی سو وُہ تو اُس جگہ ایسی میسر تھی کہ جو سماج میں کبھی میسر نہیں آئی ہوگی۔ ماسوا اِس کے جب ماسٹر صاحب نے بہت سا حصہ وقت کا صرف باتوں میں ہی ضائع کر کے پھر بہت سی سستی اور آہستگی سے جواب لکھنا شروع کیا تو اُسی وقت ہم سمجھ گئے تھے کہ آپکی نیت میں خیر نہیں ہے اِسی خیال سے اُنکو کہا گیا کہ بہتر یُوں ہے کہ جو جو ورق آپ لکھتے جائیں وہ مجھے دیتے جائیں تا میں اُسکا جواب الجواب بھی لکھتا جاؤں اِس انتظام سے دونوں فریق جلد تر فراغت کرلیں گے مگر اُنکا تو مطلب ہی اور تھا وہ کیونکر ایسے انصاف کی باتوں کو قبول کرتے سو اُنہوں نے انکار کیا اور لالہ رام لچھمن صاحب اُنکے رفیق نے مجھے کہا کہ میں آپکی غرض کو سمجھ گیا لیکن ماسٹر صاحب ایسا کرنا نہیں چاہتے چنانچہ وُہی بات ہوئی اور اخیر پر ناتمام کام چھوڑ کر سماج کا عذر پیش ہوگیا اگر کوئی دنیا کا مقدمہ یا کام ہوتا تو ماسٹر صاحب ہزار دفعہ سماج کے وقت کو چھوڑ دیتے پر سچ تو یہ ہے کہ سماج کا عذر تو ایک بہانہ ہی تھا اصل موجب تو وہ گھبراہٹ تھی جو اعتراض کی عظمت اور بزرگی کیوجہ سے ماسٹر صاحب کے دل پر ایک عجیب کام کر رہی تھی اسی باعث سے پہلے ماسٹر صاحب نے باتوں میں وقت کھویا اور اعتراض کو سُنتے ہوئے ایسے گھبرائے اور کچھ ایسے مبہوت سے ہوگئے کہ چہرہ پر پریشانی کے آثار ظاہر تھے اور ناکارہ عذرات پیش کر کے یہ چاہا کہ بغیر تحریر جواب اُٹھ کر چلے جائیں اسی وجہ سے لوگ تحریر جواب سے نااُمید ہو کر متفرق ہوگئے اور بعض یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے کہ اب کیا بیٹھیں اب تو بحث ختم ہوگئی آخر ماسٹر صاحب نے طوعاً و کرہاً حاضرین کی شرم سے کچھ لکھا جس کا آدھا حصہ تو ماسٹر صاحب کے کاغذ پر اور آدھا اُن کے دل میں ہی رہا بہر حال وُہ اپنے جواب کو اِسی جان کندن میں چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے ماسٹر صاحب کو اُٹھتے وقت میں نے یہ بھی

ایک حصّہ ہے جس کو ہم نے جلسۂ بحث گیارہویں مارچ ۱۸۸۶ء میں ماسٹر صاحب کے جواب الجواب کے رد میں لکھنا چاہا تھا مگر بوجہ عہد شکنی ماسٹر صاحب اور چلے جانے اُنکے اور برخاست ہوجانے جلسۂ بحث کے لکھ نہ سکے ناچار حسب وعدہ اب لکھنا پڑا۔ سو کچھ اُس میں سے اِس جگہ اور کچھ جیسا کہ مناسب محل و ترتیب ہو گا بعد میں لکھیں گے وما توفیقی الّا باللّٰہ ھو نعم المولٰی ونعم النصیر۔

مُقدّمہ

ماسٹر صاحب نے اسلام کے عقیدہ پر شق القمر کا اعتراض پیش کیا ہے اور اِس اعتراض سے انکا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آج کل کے نوتعلیم یافتہ لوگ انگریزی فلسفہ کے پھیلنے کی وجہ سے اُن عجائبات سماوی وارضی کو قانونِ قدرت کے برخلاف سمجھتے ہیں جن پر اُنکی عقل محیط نہیں ہوسکتی اور جن کو انہوں نے نہ بچشم خود دیکھا اور نہ اپنے فلسفہ کی کتابوں میں اُسکا اثر یا نشان پایا اِس لئے ماسٹر صاحب نے یہ اعتراض پیش کر دیا تا فلسفی طبع لوگ جنکے دل و دماغ پر خیالات فلسفہ غالب آرہے ہیں۔ خواہ نخواہ شق القمر کے محال ہونے میں اُنکے ساتھ ہاں کے ساتھ ہاں ملائیں اور گو اُنکی بات کیسی ہی ادھوری اور بودی ہو۔ مگر پنچایت کے اتفاق سے کچھ آب ورنگ لے آوے یہ

بقیہ حاشیہ کہا کہ اگر آپ اِسوقت کسی نوع سے ٹھہرنا مصلحت نہیں سمجھتے تو میں دو روز اور اِسجگہ ہوں اور اپنا دن رات اِسی خدمت میں صرف کرسکتا ہوں لیکن اُنہوں نے جواب دیا کہ فرصت نہیں۔ اخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب جو کچھ گھر پر جاکر لکھیں گے ہمیں کچھ اطلاع نہیں اسلئے ہم اُسکی نسبت کچھ تحریر کرنے سے معذور ہیں۔ منہ

اوّل ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ اہلِ اسلام کی نظر میں ایسا امر نہیں ہے کہ جو مدارِ ثبوتِ اسلام اور دلیلِ اعظم حقانیت کلام اللہ کا ٹھہرایا گیا ہو بلکہ ہزارہا شواہد اندرونی و بیرونی دصدہا معجزات و نشانوں میں سے یہ بھی ایک قدرتی نشان ہے جو تاریخی طور پر کافی ثبوت اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کا ذکر آئندہ عنقریب آئیگا۔ سو اگر تمام کُھلے کُھلے ثبوتوں سے چشم پوشی کر کے فرض بھی کرلیں کہ یہ معجزہ ثابت نہیں ہے اور آیت کے اُس طور پر معنے قرار دیں جس طور پر حال کے عیسائی و نیچری یا دُوسرے منکرین خوارق کرتے ہیں تو اِس صورت میں بھی اگر کچھ حرج ہے تو شاید ایسا ہے کہ جیسے بیس کروڑ روپیہ کی جائداد میں سے ایک پیسے کا نقصان ہو جائے۔ پس اِس تقریر سے ظاہر ہے کہ اگر بفرض محال اہلِ اسلام تاریخی طور پر اِس معجزہ کو ثابت نہ کرسکیں تو اِس عدم ثبوت کا اسلام پر کوئی بد اثر نہیں پہنچ سکتا ✝ سچ تو یہ ہے کہ کلامِ الٰہی نے مسلمانوں کو دوسرے معجزات سے بکلّی بے نیاز کر دیا ہے وہ نہ صرف اعجاز بلکہ اپنی برکات و تنویرات کے رُو سے اعجازِ

✝ **حاشیہ** معجزات اور خوارق قرآنی چار قسم پر ہیں۔ (۱) معجزاتِ عقلیہ (۲) معجزاتِ علمیہ (۳) معجزاتِ برکاتِ روحانیہ (۴) معجزات تصرّفاتِ خارجیہ۔ نمبر اوّل دو و تین کے معجزات خواص ذاتیہ قرآنِ شریف میں سے ہیں اور نہایت عالیشان اور بدیہی الثبوت ہیں جن کو ہر یک زمانہ میں ہر یک شخص تازہ بتازہ طور پر چشم دید ماجرا کی طرح دریافت کرسکتا ہے لیکن نمبر چار کے معجزات یعنے تصرّفاتِ خارجیہ یہ بیرونی خوارق ہیں جن کو قرآنِ شریف سے کچھ ذاتی تعلّق نہیں انہیں میں سے معجزہ شق القمر بھی ہے۔ اصل خوبی اور حُسن و جمال قرآن شریف کا پہلے تینوں قسم کے معجزات سے وابستہ ہے بلکہ ہر ایک کلامِ الٰہی کا یہی نشانِ اعظم ہے کہ یہ تینوں قسم کے معجزات کسی قدر اُس میں پائے جائیں اور قرآن شریف میں تو یہ ہر سہ قسم کے اعجاز اعلیٰ و اکمل و اتم طور پر پائے جاتے ہیں اور انہیں کو قرآنِ شریف اپنی بے مثل و مانند ہونے کے اثبات میں بار بار پیش کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ قُل

آذین بھی ہے۔ فی الحقیقت قرآن شریف اپنی ذات میں ایسی صفات کمالیہ رکھتا ہے جو اُسکو خارجیہ معجزات کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ خارجیہ معجزات کے ہونے سے اُس میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی اور نہ ہونے سے کوئی نقص عائد حال نہیں ہوتا۔ اس کا بازارِ حسن معجزات خارجیہ کے زیور سے رونق پذیر نہیں بلکہ وہ اپنی ذات میں آپ ہی ہزارہا معجزاتِ عجیبہ و غریبہ کا جامع ہے جنکو ہر یک زمانہ کے لوگ دیکھ سکتے ہیں نہ یہ کہ صرف گذشتہ کا حوالہ دیا جائے۔ وہ ایسا ملیح الحسن محبوب ہے کہ ہر یک چیز اُس سے ملکر آرائش پکڑتی ہے اور وہ اپنی آرائش میں کسی کی آمیزش کا محتاج نہیں۔

ہمہ خوبانِ عالم را بزیور ہا بیارایند تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیور ہا بیارائی

پھر ماسوا اس کے سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ شق القمر کے معجزہ پر حملہ کرتے ہیں اُنکے پاس صرف یہی ایک ہتھیار ہے اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا کہ شق القمر قوانینِ قدرتیہ کے برخلاف ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اوّل ہم اُنکے قانونِ قدرت کی کچھ تفتیش کرکے پھر وہ ثبوت تاریخی پیش کریں جو اس واقعہ کی صحت پر

بقیہ حاشیہ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا[1]۔ یعنی ان منکرین کو کہدے کہ اگر تمام جن وانس یعنے تمام مخلوقات اس بات پر متفق ہو جائے کہ اِس قرآن کی کوئی مثل بنانی چاہے تو وہ ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہوں گے کہ ایسی ہی کتاب انہیں ظاہری باطنی خوبیوں کی جامع بنا سکیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں اور پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ[2]۔ یعنے اس کتاب (قرآن شریف) سے کوئی دینی حقیقت باہر نہیں رہی بلکہ یہ جمیع حقائق و معارف دینیہ پر مشتمل ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[3]۔ یعنی ہم نے یہ کتاب (قرآن شریف) تمام علوم ضروریہ پر مشتمل نازل فرمائی ہے اور پھر فرماتا ہے يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ[4]۔ یعنی یہ قرآن شریف وہ پاک اوراق ہیں جن میں

[1] بنی اسرائیل: ۸۹ [2] الانعام: ۳۹ [3] النحل: ۹۰ [4] البیّنۃ: ۳،۴

دلالت کرتے ہیں سو جاننا چاہیئے کہ نیچر کے ماننے والے یعنی قانونِ قدرت کے پَیرو کہلانے والے اس خیال پر زور دیتے ہیں کہ یہ بات بدیہی ہے کہ جہانتک انسان اپنی عقلی قوتوں سے جانچ سکتا ہے وہ بجز قُدرت اور قانونِ قدرت کے کچھ نہیں یعنی مصنوعات و موجوداتِ مشہودہ موجودہ پر نظر کرنے سے چاروں طرف یہی نظر آتا ہے کہ ہر یک چیز مادی یا غیر مادی جو ہم میں اور ہمارے اردگرد یا فوق و تحت میں موجود ہے وہ اپنے وجود اور قیام اور ترتب آثار میں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وابستہ ہے جو ہمیشہ اُسکی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اس سے جُدا نہیں ہوتا۔ قُدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا بغیر غلطی کے اُسی طرح ہوتا ہے اور اُسی طرح پر ہوگا پس وُہی سچ ہے اور اُصول بھی وُہی سچے ہیں جو اُس کے مطابق ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ بلاشُبہ یہ سب سچ مگر کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قُدرتِ الٰہی کے طریقے اور اُسکے قانون اُسی حدتک ہیں جو ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں اس سے زیادہ نہیں؟ جس حالت میں الٰہی قدرتوں کو غیر محدود ماننا ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے جو اُسی سے نظامِ کارخانہ

بقیہ حاشیہ تمام آسمانی کتابوں کا مغز اور لُبِّ لباب بھرا ہوا ہے اور پھر فرماتا ہے وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ..... فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ[۵۱]

یعنے اے مُنکرین اگر تم اُس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے کچھ شک میں ہو یعنے اگر تم اُس کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے اور ایسا کلام بنانا انسانی طاقت کے اندر خیال کرتے ہو تو تم بھی ایک سورت جو انہیں ظاہری باطنی کمالات پر مشتمل ہو بنا کر پیش کرو۔ اور اگر تم نہ بنا سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز بنا نہیں سکو گے تو اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر (بُت) اور آدمی ہیں یعنی بُت اور مشرک اور نافرمان لوگ ہی اُس آگ کے بھڑکنے کا موجب ہو رہے ہیں اگر دُنیا میں بُت پرستی و شرک و بے ایمانی و نافرمانی نہ ہوتی تو وُہ آگ بھی افروختہ نہ ہوتی تو گویا اُس کا ایندھن یہی چیزیں ہیں جو علّتِ موجبہ

[۵۱] البقرہ : ۲۴ و ۲۵

الوہیت وابستہ اور اُسی سے ترقیاتِ علمیہ کا ہمیشہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر کس قدر غلطی کی بات ہے کہ ہم یہ ناکارہ حجت پیش کریں کہ جو امر ہماری سمجھ اور مشاہدہ سے باہر ہے وہ قانونِ قدرت سے بھی باہر ہے بلکہ جس حالت میں ہم اپنے مونہہ سے اقرار کر چکے کہ قوانینِ قدرتیہ غیر متناہی اور غیر محدود ہیں تو پھر ہمارا یہ اصول ہونا چاہیئے کہ ہر یک نئی بات جو ظہور میں آوے پہلے ہی اپنی عقل سے بالا تر دیکھ کر اسکو رد نہ کریں بلکہ خوب متوجہ ہو کر اسکے ثبوت یا عدمِ ثبوت کا حال جانچ لیں۔ اگر وہ ثابت ہو تو قانونِ قدرت کی فہرست میں اُس کو بھی داخل کر لیں اور اگر وہ ثابت نہ ہو تو صرف اتنا کہدیں کہ ثابت نہیں مگر اس بات کے کہنے کے ہم ہرگز مجاز نہیں ہونگے کہ وہ امر قانونِ قدرت سے باہر ہے بلکہ قانونِ قدرت سے باہر کسی چیز کو سمجھنے کے لئے ہمارے لئے ضرور ہے کہ ہم ایک دائرہ کی طرح خدائے تعالیٰ کے تمام قوانینِ ازلی و ابدی پر محیط ہو جائیں اور بخوبی ہمارا فکر اس بات پر احاطہ تام کرلے کہ خدائے تعالیٰ نے روزِ اوّل سے آجتک کیا کیا قدرتیں ظاہر کیں اور آئندہ اپنے ابدی زمانہ

بقیہ حاشیہ اُسکے از خشیت ہونے کی ہیں اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [1] یعنے یہ قرآن جو تم پر اُتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوفِ الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلامِ الٰہی کی عظمت معلوم کرنیکے لئے غور اور فکر کریں۔ یہ تو قرآن شریف میں اُن اعجازی کمالات کا ذکر ہے جو خود اُس کے نفسِ نفیس میں پائے جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ تصرفاتِ خارجیہ کے اعجاز بھی قرآنِ شریف میں بکثرت درج ہیں اور اس قسم کے معجزات جمالِ قرآنی کیلئے بطور اُس زیور کے ہیں جو خوبوں کو پہنایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفس خوبصورتی زیور کے محتاج نہیں گو اُس سے حسن کی آب و تاب کسی قدر اور بڑھ جاتی ہے۔ اِس جگہ واضح رہے کہ تصرفاتِ خارجیہ کے معجزات قرآنِ شریف میں کئی نوع پر

[1] الحشر: ۲۲

میں کیا کیا قدرتیں ظاہر کریگا۔ کیا وہ جدید در جدید قدرتوں کے ظاہر کرنے پر قادر ہوگا۔ یا کوہلو کے بیل کی طرح انہیں چند قدرتوں میں مُقیّد اور محصُور رہیگا جن کو ہم دیکھ چکے ہیں اور جن پر ہمارا بخوبی احاطہ ہے اور اگر انہیں میں مُقیّد اور محصُور رہیگا تو باوجود اُسکے غیر محدود الوہیّت اور قدرت اور طاقت کے یہ مُقیّد اور محصُور رہنا کس وجہ سے ہوگا کیا وہ آپ ہی وسیع قدرتوں کے دکھلانے سے عاجز آ جائیگا یا کسی دوسرے قاسر نے اس پر جبر کیا ہوگا یا اسکی خدائی کو انہیں چند قسم کی قدرتوں سے قوّت پہنچتی ہے اور دوسری قدرتوں کے ظاہر کرنے سے اُس پر زوال آتا ہے بہرحال اگر ہم خدائے تعالےٰ کی قدرتوں کو غیر محدُود مانتے ہیں تو یہ جنون اور دیوانگی ہے کہ اُسکی قدرتوں پر احاطہ کرنے کی اُمید رکھیں کیونکہ اگر وہ ہمارے مشاہدہ کے پیمانہ میں محدود ہو سکیں تو پھر غیر محدُود اور غیر متناہی کیونکر رہیں اور اس صورت میں نہ صرف یہ نقص پیش آتا ہے کہ ہمارا فانی اور ناقص تجربہ خُدائے ازلی و ابدی کی تمام قدرتوں کا حد بست کرنے والا ہوگا۔ بلکہ ایک بڑا بھاری نقص یہ بھی ہے کہ اُسکی

بقیہ حاشیہ مُندرج ہیں۔ ایک نوع تو یہی کہ جو دُعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدائے تعالیٰ نے آسمان پر اپنا قادرانہ تصرّف دکھلایا اور چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ دوسرے وُہ تصرف جو خدائے تعالیٰ نے جناب ممدوح کی دُعا سے زمین پر کیا اور ایک سخت قحط سات برس تک ڈالا۔ یہانتک کہ لوگوں نے ہڈیوں کو پیس کر کھایا۔ تیسرے وُہ تصرف اعجازی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرِ کفار سے محفوظ رکھنے کے لئے بروز ہجرت کیا گیا یعنے جبکہ کفار مکہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنیکا ارادہ کیا تو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اُس پاک نبی کو اس بد ارادہ کی خبر دے دی اور مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا اور پھر بفتح و نصرت واپس آنے کی بشارت دی بدھ کا روز اور دوپہر کا وقت اور سختی گرمی کے دن تھے جب یہ ابتلا منجانب اللہ ظاہر ہوا اُس مصیبت کی حالت میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناگہانی طور پر اپنے

قدرتوں کے محدود ہونے سے وہ خود بھی محدود ہو جائیگا اور پھر یہ کہنا پڑیگا کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کی حقیقت اور کنہ ہے ہم نے سب معلوم کر لی ہے اور اُس کے گہراؤ اور تہ تک ہم پہنچ گئے ہیں اور اِس کلمہ میں جس قدر کفر اور بے ادبی اور بے ایمانی بھری ہوئی ہے وہ ظاہر ہے حاجتِ بیان نہیں سوا ایک محدود زمانہ کے محدود در محدود تجارب کو پُورا پُورا قانونِ قدرت خیال کر لینا اور اسپر غیر متناہی سلسلۂ قُدرت کو ختم کر دینا اور آئندہ کے لئے اسرار کھلنے سے نا اُمید ہو جانا اُن پست نظروں کا نتیجہ ہے جنہوں نے خدائے ذوالجلال کو جیسا کہ چاہیئے شناخت نہیں کیا اور جو اپنی فطرت میں نہایت منقبض واقعہ ہوتے ہیں یہانتک کہ ایک کنوئیں کی مینڈک ہو کر یہ خیال کر رہے ہیں کہ گویا ایک سمندر ناپیدا کنار

بقیہ حاشیہ قدیمی شہر کو چھوڑنے لگے اور مخالفین نے مار ڈالنے کی نیت سے چاروں طرف سے اُس مبارک گھر کو گھیر لیا۔ تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبّت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا۔ جانبازی کے طور پر آں حضرت کے بستر پر باشارہ نبوی اس غرض سے مُونہہ چھپا کر لیٹ رہا کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں اور اُسی کو رسُول اللہ سمجھ کر قتل کرنے کیلئے ٹھہرے رہیں

کس بہرِ کسے سر ندہد جاں نفشاند ✤ عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُس وفادار اور جان نثار عزیز کو اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تو آخر تفتیش کے بعد اُن نالائق بدباطن لوگوں نے تعاقب کیا اور چاہا کہ راہ میں کسی جگہ پا کر قتل کر ڈالیں اُس وقت اور اُس مصیبت کے سفر میں بجز ایک باا خلاص اور یکرنگ اور دلی دوست کے اور کوئی انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھا۔ ہاں ہر وقت اور نیز اس پُرخطر سفر میں وہ مولیٰ کریم ساتھ تھا جس نے اپنے اُس کامل وفادار بندہ کو ایک عظیم الشان اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا تھا سو اُس نے اپنے اُس پیارے بندہ کو محفوظ رکھنے کیلئے بڑے بڑے عجائب تصرّف اُس راہ میں دکھلائے

پر اُنکو عبور ہو گیا ہے تمام خوشیاں عارفوں کی اور تمام راحتیں غمزدوں کی اسی میں ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کا کنارہ لایُدرک ہے میں یہ نہیں کہتا کہ بے تحقیق اور بے ثبوت عقلی یا آزمائشی یا تاریخی کسی نئی بات کو مان لو کیونکہ اس عادت سے بہت سے رطب و یابس کا ذخیرہ اکٹھا ہو جائیگا بلکہ میں

بقیہ حاشیہ جو اجمالی طور پر قرآن شریف میں درج ہیں منجملہ اُنکے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاتے وقت کسی مخالف نے نہیں دیکھا حالانکہ صبح کا وقت تھا اور تمام مخالفین آنحضرت کے گھر کا محاصرہ کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ سورۂ یٰسین میں اس کا ذکر کیا ہے اُن سب اشقیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا اور آنحضرت اُنکے سروں پر خاک ڈالکر چلے گئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی معصوم کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ امر خارق عادت دکھلایا کہ باوجودیکہ مخالفین اُس غار تک پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے رفیق کے مخفی تھے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ایک کبوتر کا جوڑا بھیجدیا جس نے اُسی رات غار کے دروازہ پر آشیانہ بنا دیا اور انڈے بھی دے دیئے اور اسی طرح اذنِ الٰہی سے عنکبوت نے اُس غار پر اپنا گھر بنا دیا جس سے مخالف لوگ دھوکا میں پڑکر ناکام واپس چلے گئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ ایک مخالف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پکڑنے کے لئے مدینہ کی راہ پر گھوڑا دوڑائے چلا جاتا تھا جب وہ اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو جناب ممدوح کی بددعا سے اسکے گھوڑے کے چاروں سُم زمین میں دھنس گئے اور وہ گر پڑا اور پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگ کر اور عفو تقصیر کرا کر واپس لوٹ آیا چوتھی وہ تصرفِ اعجازی کہ جب دشمنوں نے اپنی ناکامی سے منفعل ہو کر لشکر کثیر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کی تا مسلمانوں کو جو ابھی تھوڑے سے رہ گئے تھے نابود کر دیں اور دینِ اسلام کا نام و نشان مٹا دیں تب اللہ جل شانہٗ نے جناب موصوف کے ایک مٹھی کنکریوں کے چلانے سے مقامِ بدر میں دشمنوں میں ایک تہلکہ ڈالدیا اور اُنکے لشکر کو شکست فاش ہوئی

یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال کی تعظیم کر کے اُسکے نئے کاموں کی نسبت (جو تمہاری محدود نظروں میں نئے دکھائی دیتے ہیں) بیجا ضد مت کرو کیونکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں خدائے تعالےٰ کی عجائب قدرتوں اور دقائق حکمتوں اور پیچ در پیچ اسراروں کے ابھی تک انسان نے بکلّی حد بست نہیں کی

بقیہ حاشیہ اور خدائے تعالیٰ نے اُن چند کنکریوں سے مخالفین کے بڑے بڑے سرداروں کو سراسیمہ اور اندھا اور پریشان کر کے وہیں رکھا اور اُنکی لاشیں اُنہیں مقامات میں گرائیں جنکے پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ نشان تبلا رکھے تھے۔ ایسا ہی اور کئی عجیب طور کے تائیدات و تصرفاتِ الٰہیّہ کا (جو خارق عادت ہیں) قرآن شریف میں ذکر ہے جنکا ماحصل یہ ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مسکینی اور غریبی اور یتیمی اور تنہائی اور بیکسی کی حالت میں مبعوث کر کے پھر ایک نہایت قلیل عرصہ میں جو تیس برس سے بھی کم تھا ایک عالم پر فتحیاب کیا اور شہنشاہِ قسطنطنیہ و بادشاہانِ دیارِ شام و مصر و ممالک مابین دجلہ و فرات وغیرہ پر غلبہ بخشا اور اُس تھوڑے ہی عرصہ میں فتوحات کو جزیرہ نما عرب سے لیکر دریائے جیحون تک پھیلایا اور اُن ممالک کے اسلام قبول کرنیکی بطور پیشگوئی قرآن شریف میں خبر دی اُس حالتِ بے سامانی اور پھر ایسی عجیب غریب فتحوں پر نظر ڈالکر بڑے بڑے دانشمند اور فاضل انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے کہ جس جلدی سے اسلامی سلطنت اور اسلام دُنیا میں پھیلا ہے اسکی نظیر صفحۂ تواریخ دنیا میں کسی جگہ نہیں پائی جاتی اور ظاہر ہے کہ جس امر کی کوئی نظیر نہ پائی جائے اُسی کو دوسرے لفظوں میں خارقِ عادت بھی کہتے ہیں۔ غرض قرآن شریف میں تصرفاتِ خارجیہ کا ذکر بھی بطور خارق عادت بہت جگہ آیا ہے بلکہ ذرا نظر کھول کر دیکھو تو اس پاک کلام کا ہر یک مقام تائیداتِ الٰہیّہ کا نقارہ بجا رہا ہے اور ایک تصویر کھینچکر دکھلا رہا ہے کہ کیونکر اسلام اپنی اوّل حالت میں ایک خورد تر بیج کی طرح دنیا میں بویا گیا اور پھر وہ تھوڑے ہی عرصہ میں جو خارقِ عادت ہے کیسا بزرگ و عظیم القدر

اور نہ آگے کو اُسکی لیاقت و طاقت ایسی نظر آتی ہے کہ اُس مالک الملک کے وراء الوراء بھیدوں کے ایک چھوٹے سے زینۂ زمین کی طرح پیمائش کرسکے یا کسی ایک چیز کے جمیع خواص پر احاطہ کرنیکا دم مار سکے مجھے ان صاف باطن لوگوں کے آگے منطقی دلائل کی حاجت نہیں جو اپنے اُس پیارے

بقیہ حاشیہ ہوکر اکثر حصّہ دُنیا میں پھیل گیا اور ہر یک موقعہ پر کیا کیا عجیب تائیداتِ الٰہیہ اُسکی حمایت میں ظہور میں آتی رہیں۔ اب ہم بیرونی معجزات کا بیان (جو اعجازی تصرفات ہیں) اسی قدر کافی سمجھکر ان معجزات کی تشریح کچھ زیادہ کرنا چاہتے ہیں جو قرآن شریف کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور اُس کی بطنی اور نفسی خاصیتیں ہیں کیونکہ اِس قسم کے معجزات بباعث دائمی شہود اور وجود کے قوی الاثر ہیں جن کو ہر ایک طالب صادق اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور ہر یک منصف کی نظر میں بالضرورت قابلِ یقین ٹھہر سکتے ہیں۔ سو اوّل جاننا چاہیئے کہ معجزہ عاداتِ الٰہیہ میں سے ایک ایسی عادت یا یُوں کہو کہ اُس قادرِ مطلق کے افعال میں سے ایک ایسا فعل ہے جسکو اضافی طور پر خارق عادت کہنا چاہیئے پس امر خارق عادت کی حقیقت صرف اِس قدر ہے کہ جو پاک نفس لوگ عام طریق و طرزِ انسانی سے ترقی کرکے اور معمولی عادات کو پھاڑ کر قربِ الٰہی کے میدانوں میں آگے قدم رکھتے ہیں تو خدائے تعالیٰ حسبِ حالت اُنکے ایک ایسا عجیب معاملہ اُن سے کرتا ہے کہ وہ عام حالاتِ انسانی پر خیال کرنے کے بعد ایک امر خارقِ عادت دکھائی دیتا ہے اور جس قدر انسان اپنی بشریت کے وطن کو چھوڑ کر اور اپنے نفس کے حجابوں کو پھاڑ کر عرصاتِ عشق و محبت میں دُور تر چلا جاتا ہے اُسی قدر یہ خوارق نہایت صاف اور شفاف اور روشن و تابان ظہور میں آتے ہیں۔ جب تزکیہ نفسِ انسانی کمالِ تام کی حالت پر پہنچتا ہے اور اس کا دل غیر اللہ سے بالکل خالی ہوجاتا ہے اور محبتِ الٰہی سے بھر جاتا ہے تو اس کے تمام اقوال و افعال و اعمال و حرکات و سکنات و عبادات

مالک سے دلی محبت رکھتے ہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خود اُنکو وُہی اُنکی سچی محبت بہ طریقِ ادب سکھا دے گی کہ ذاتِ جامع الکمالات حضرتِ احدیّت کے علم کے ساتھ اپنے محدود علم کو برابر جاننا اور اُس کی ازلی ابدی قدرتوں کو اپنے مشاہدات یا معلومات سے زیادہ نہ سمجھنا بہت بڑا

بقیہ حاشیہ معاملات و اخلاق جو انتہائی درجہ پر اُس سے صادر ہوتے ہیں وہ سب خارقِ عادت ہی ہو جاتے ہیں سو بمقابل اُس کے ایسا ہی معاملہ باریتعالیٰ کا بھی اُس مبدّل تام سے بطور خارقِ عادت ہی ہوتا ہے سو چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبدّل تام اور سیّد المبدّلین اور امام المطہّرین تھے جن کو قادرِ مُطلق نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا اِس لئے تمام سراپا وجود اُنکے کا حقیقت میں معجزہ ہی تھا اور ضرور تھا کہ ایسے عالیشان نبی پر جو کلام نازل ہوا تھا وُہ بباعثِ تبدّلِ تام اُسکے غایت درجہ کا خارق عادت ہوتا جس سے تمام اوّلین آخرین کی نظریں خیرہ رہ جاتیں کیونکہ اگرچہ کلام الٰہی فی ذاتہٖ کلامِ انسانی سے ایسا ہی ممیز ہے جیسا خدا انسان سے تمیزِ تام رکھتا ہے لیکن باوجود اِس کے فیضانِ وحی حسبِ استعداد و حالتِ صفوت و اخلاقِ فاضلہ و ملکاتِ صالحہ وحی یاب ہُوا کرتا ہے اور اسی کی طرف ایک روحانی اشارہ ہے جو قرآنِ شریف میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ پاک کلام بہت سے فرشتوں کی حفاظت کے ساتھ اُترا ہے سو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی ہیں مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق و ذوق سے بھری ہوئی وارداتیں اور دردِ دل اور جوشِ محبت اور صدق و صفا و تبتّل و وفا و توکل و رضاو نیستی و فنا اور شورش ہائے عشق مولیٰ ایک قسم کے فرشتے ہی ہیں۔ جو قادرِ مُطلق نے اپنے اُس محبوب افضل الرُسل کے وجود میں اکمل و اتم طور پر پیدا کئے تھے اور پھر اُسی کے اتباع سے ہریک مومن کامل کے دل میں بھی باذنہٖ تعالےٰ پیدا ہو جاتے ہیں اور اگرچہ عام مومنوں میں بھی جو ابھی حالتِ کمالیہ تک نہیں پہنچے اُنکا

اور نالائق خیال ہے جو ادب اور تعظیم اور عجز اور عبودیت کی حقیقت سے نہایت دُور پڑا ہوا ہے لیکن مَیں اُن خشک فلسفیوں کو جو عشقِ الٰہی اور اُسکی بزرگ ذات کی قدر شناسی سے غافل ہیں۔ جہانتک مجھے طاقت عقلی دی گئی ہے بدلائلِ شافیہ راہ راست کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ

بقیہ حاشیہ تخم پایا جاتا ہے لیکن وُہ تخم اُس چھپی ہُوئی آگ کی طرح ہے جو افروختہ آگ کا کام نہیں دے سکتی جیسے ظاہر ہے کہ انڈا مُرغ کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور نہ بیج درخت کا حکم رکھتا ہے اور اگرچہ ہریک زمین کے نیچے پانی ہے لیکن بجز بہت سی جان کنی اور محنت اور مُدت تک زمین کھودنے کے وُہ پانی نکل نہیں سکتا اسی طرح آتش شوقِ الٰہی جب تک اپنے کمال اشتعال کی حالت میں نہ آئے تب تک اُس کے فوائد مُترتّب نہیں ہوسکتے لیکن جب وہ کامل طور پر افروختہ ہوجاتی ہے اور چاروں طرف سے بھڑک اٹھتی ہے تب وُہ دخل شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے فرشتوں کا کام دیتی ہے اور ملائیک حفاظت میں شمار کی جاتی ہے۔ پاک اعمال اور پاک حالتیں اور پاک وارداتیں اور پاک جوش اور پاک درد اور پاک حزن اور پاک اخلاقی ظہور جب اپنے اشتعال اور کمال کی حالت میں ہوں تو اُن نیک اور ہوشیار چوکیداروں کی طرح ہیں جو اپنے مالک کے محل کے دروازوں پر چاروں طرف دن رات پہرہ کے لئے کھڑے رہتے ہیں سو ہرچند اُس محل کے سارے دروازے کُھلے ہیں (یعنی ہرایک قسم کی قوتیں اور استعدادیں) مگر بباعثِ تقیّدِ محافظین بجز سرد ہوا اور محبوب چیزوں کے کوئی نابکار چیز اندر نہیں جاسکتی اور اگر کُتّا یا چور اندر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو پکڑا جاتا ہے اور مار کھاتا ہے لیکن وہ محل جس کے دروازے تو کُھلے ہیں مگر دروازوں پر کوئی نیک و ہوشیار چوکیدار نہیں گو اُس میں ٹھنڈی ہوا اور اچھی اچھی چیزیں بھی داخل ہوتی ہیں مگر ایسے گھر کو اکثر چور لگے رہتے ہیں اور کُتّے اُس کی چیزوں کو پلید کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ

میں دیکھتا ہوں کہ اُنکی رُوحانی زندگی بہت ہی کمزور ہوگئی ہے اور اُنکی بیجا آزادی اور ضعفِ ایمان نے بہت ہی بُرا اثر اُنکے ارادتِ باطنی اور اُنکی دینی اولوالعزمی اور اُنکی اندرونی حالت پر ڈالا ہے اور عجیب طور پر اُنہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا دیا ہے مذہب وہ چیز ہے جسکی برکات کی اصل جڑھ ایمان و اعتبار ہے جن

بقیہ حاشیہ گھر خرابی کی حالت میں رہتا ہے پس جس جگہ صفوت و عصمت و تبتّل و محبت کامل و تمام حزن و درد و شوق و خوف ہے اُس جگہ انوارِ وحی کے کامل تجلیات بغیر آمیزش کسی نوع کی ظلمت کے وارد ہوتے رہتے ہیں اور آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں اور جس جگہ یہ مرتبہ کمالِ تام کا نہیں اُس جگہ وحی بھی اُس عالی مرتبہ سے متنزل ہوتی ہے۔ غرض وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشقِ الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیا سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفا تھے اس لئے خدائے جلّ شانہٗ نے اُنکو عطرِ کمالاتِ خاصّہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اوّلین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اُسی لائق ٹھہرا کہ اُس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اوّلین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے جو اُسکی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اُس میں درج نہ ہو۔ کوئی فکر ایسے برہانِ عقلی پیش نہیں کر سکتا جو پہلے ہی سے اُس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر کسی دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی اور

اعتقاد حسنِ ظن واطاعت واتباع مخبرِ صادق وکلامِ الٰہی ہے لیکن وہ لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ سے مذہب کی حقیقت کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں سو انہیں لازم ہے کہ تعصب اور خودپسندی کے شور وغوغا سے اپنے تئیں الگ کرکے سیدھی نظر اور سیدھے خیال سے اس سوال پر غور کریں کہ ایمان کیا شئے ہے اور اُس پر

بقیہ حاشیہ پُربرکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفاتِ کمالیہ حق تعالےٰ کا ایک نہایت مصفّا آئینہ ہے جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک سالک کو مدارجِ عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔

اور جیسا کہ ہم عنوان اس حاشیہ پر لکھ چکے ہیں معرفت حقانی کے عطا کرنے کے لئے تین دروازے قرآن شریف میں کھُلے ہوئے ہیں ایک عقلی یعنے خدائے تعالیٰ کی ہستی اور خالقیّت اور اُسکی توحید اور قدرت اور رحم اور قیومی اور مجازات وغیرہ صفات کی شناخت کے لئے جہاں تک علومِ عقلیہ کا تعلق ہے استدلالی طریق کو کامل طور پر استعمال کیا ہے اور اس استدلال کے ضمن میں صناعت منطق وعلمِ بلاغت وفصاحت وعلوم طبعی وطبابت وہیئت وہندسہ ودقائق فلسفیہ وطریقِ جدل ومناظرہ وغیرہ تمام علوم کو نہایت لطیف وموزون طور پر بیان کیا ہے جس سے اکثر دقیق مسائل کا پیچ کھلتا ہے۔ پس یہ طرز بیان جو فوق العادت ہے از قسمِ اعجازِ عقلی ہے کیونکہ بڑے بڑے فیلسوف جنہوں نے منطق کو ایجاد کیا اور فلاسفی کے قواعد مرتب کئے اور بہت کچھ طبعی اور ہیئت میں کوشش ومغززنی کی وہ بباعث نقصانِ عقل اپنے اُن علوم سے اپنے دین کو مدد نہیں دے سکے اور نہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرسکے اور نہ اوروں کو فائدہ دینی پہنچا سکے بلکہ اکثر ان کے دہریہ اور ملحد اور ضعیف الایمان رہے اور جو بعض اُن میں سے کسی قدر خدائے تعالیٰ پر ایمان لائے اُنہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا کر اور خبیث کو طیّب کے ساتھ مخلوط

ثواب مُترتّب ہونے کی کیوں اُمید کیجاتی ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ایمان اُس اقرارِ لسانی و تصدیقِ قلبی سے مُراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقویٰ اور دُوراندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنّی کی بنیاد پر یعنے بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اُس طرف غلبہ اور رُجحان پا کر بغیر انتظارِ کامل اور قطعی اور

بقیہ حاشیہ کرکے راہِ راست کو چھوڑ دیا۔ پس یہ الٰہی عقل از قبیل خارقِ عادت ہے جسکے استدلال میں کوئی غلطی نہیں اور جس نے علوم مذکورہ سے ایک ایسی شائستہ خدمت لی ہے جو کبھی کسی انسان نے نہیں لی اور اسکے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ دلائل وجود باری عزّ اسمہٗ اور اُسکی توحید و خالقیت وغیرہ صفاتِ کمالیہ کے اثبات میں بیان قرآنِ شریف کا ایسا محیط و حاوی ہے جس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں کہ کوئی انسان کوئی جدید برہان پیش کر سکے اگر کسی کو شک ہو تو وہ چند دلائل عقلی متعلق اثباتِ ہستی باری عزّ اسمہٗ یا اُسکی توحید یا اُسکی خالقیت یا کسی دوسری الٰہی صفت کے متعلق بطور امتحان پیش کرتے تا بالمقابل قرآنِ شریف میں سے وہی دلائل یا اُن سے بڑھ کر اُسکو دکھلائے جائیں جسکے دکھلانے کے ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں غرض یہ دعویٰ اور یہ تعریفِ قرآنی لاف و گزاف نہیں بلکہ حقیقت میں حق ہے اور کوئی شخص عقائدِ حقّہ کے اثبات میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتا جس کے پیش کرنے سے قرآنِ شریف غافل رہا ہو۔ قرآنِ شریف بآوازِ بلند بیسیوں جگہ اپنے احاطۂ تامہ کا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ بعض آیات اُن میں سے ہم اس حاشیہ میں درج بھی کر چکے ہیں۔ سو اگر کوئی طالبِ حق آزمائش کا شائق ہو تو ہم اُسکی تسلّی کامل کرنے کے لئے مستعد اور تیار اور ذمہ دار ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس پُر غفلت اور لاپروائی اور بے قدری کے زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں جو صدق دلی سے طالبِ حق ہو کر اس خاصیّتِ عظمیٰ و معجزہ کبریٰ کی آزمائش چاہیں بلکہ وہ اِسی میں اپنی سُرخروئی سمجھ لیتے ہیں کہ بات کو

واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت وتسلیم ظاہر کی جائے لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اُس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین بھی کہتے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت

بقیہ حاشیہ سنتے ہی انکار کردیں لیکن ظاہر ہے کہ صرف اس بات کے کہنے سے کہ ہم نہیں مانتے یا ہم اسکو خلاف عقل یا خلاف قانون قدرت سمجھتے ہیں امر متنازعہ فیہ انفصال نہیں پاتا اور صداقت پسندوں کا یہ طریق ہرگز نہیں۔ ایک شخص کو ایک امر متنازعہ فیہ کے اثبات کیلئے میدان میں کھڑے دیکھ کر اور آواز پر آواز مارتے سُنکر پھر اُسکی طرف رُخ نہ کریں۔ اُسے آزما کر نہ دیکھ لیں اور دُور بیٹھے یونہی کہتے رہیں کہ اسکی یہ باتیں جھوٹ اور بے اصل ہیں کیا یہ شیوہ کسی واقعی راست باز کا ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ دوسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں نہایت وسیع طور پر کھلا ہوا ہے دقائق علمیہ ہیں جنکو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیئے وہ علوم کئی قسم کے ہیں اوّل علم معارف دین یعنے جس قدر معارف عالیہ دین اور اُس کی پاک صداقتیں ہیں اور جس قدر نکات ولطائف علم الٰہی ہیں جن کی اس دنیا میں تکمیل نفس کے لئے ضرورت ہے ایسا ہی جس قدر نفس امارہ کی بیماریاں اور اُسکے جذبات اور اُسکی دوری یا دائمی آفات ہیں یا جو کچھ اُنکا علاج اور اصلاح کی تدبیریں ہیں اور جس قدر تزکیہ وتصفیہ نفس کے طریق ہیں اور جس قدر اخلاق فاضلہ کے انتہائی ظہور کی علامات وخواص ولوازم ہیں یہ سب کچھ باستیفائے تام فرقان مجید میں بھرا ہوا ہے اور کوئی شخص ایسی صداقت یا ایسا نکتہ الٰہیہ یا ایسا طریق وصول الی اللہ یا کوئی ایسا نادر یا پاک طور مجاہدہ وپرستش الٰہی کا نکال نہیں سکتا جو اُس پاک کلام میں درج نہ ہو۔ دوسرے علم خواص روح وعلم نفس ہے جو ایسے احاطہ تام سے اُس

کے طور پر انوارِ ہدایت کھولے اور اپنے آلاء و نعماء سے آشنا کرے اور لدُنّی طور پر عقل اور علم عطا فرما دے اور ساتھ اُس کے ابوابِ کشف اور الہام بھی مُنکشف کر کے عجائباتِ اُلوہیّت کا سیر کرا دے اور اپنے محبوبانہ حُسن و جمال پر اطلاع بخشے تو اِس مرتبہ کا نام عرفان ہے جس کو دوسرے

بقیہ حاشیہ کلام معجز نظام میں اندراج پایا ہے کہ جس سے غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ بجز قادرِ مطلق کے یہ کسی کا کام نہیں تیسرے علم مبدء و معاد و دیگر امورِ غیبیہ جو عالم الغیب کے کلام کا ایک لازمی خاصہ ہے جس سے دلوں کو تسلّی و تشفّی ملتی ہے اور غیب دانی خدائے قادر مطلق کی مشہودی طور پر ثابت و متحقق ہوتی ہے یہ علم اِس تفصیل اور کثرت سے قرآن شریف میں پایا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر علاوہ اسکے قرآن شریف نے تائید دین میں اور اور علوم سے بھی اعجازی طور پر خدمت لی ہے اور منطق اور طبعی اور فلسفہ اور ہیئت اور علم نفس اور طبابت اور علم ہندسہ اور علم بلاغت و فصاحت وغیرہ علوم کے مسائل سے علم دین کا سمجھانا اور ذہن نشین کرنا یا اُس کا تفہیم درجہ بدرجہ آسان کر دینا یا اُسپر کوئی برہان قائم کرنا یا اُس سے کسی نادان کا اعتراض اٹھانا مدنظر رکھا ہے غرض طفیلی طور پر یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارقِ عادت قرآنِ شریف میں اس عجیب طرز سے بھرے ہوئے ہیں جن سے ہر یک درجہ کا ذہن فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگرچہ دِلی جوش اس عاجز کا اس بات کی طرف دامنِ دل کھینچ رہا ہے کہ ان سب علوم میں سے دو دو تین تین مسائل علمی قرآن شریف میں درج ہیں نمونہ کے طور پر اسجگہ لکھے جائیں اور کچھ براہین عقلیہ بھی جو اُس پاک کلام میں اثباتِ اصولِ دین کیلئے اندراج پائے ہیں تحریر ہوں لیکن چونکہ یہ سب بیانات طوالت طلب ہیں اور رسالہ ہذا بوجہ قلیل الحجم ہونے کے انکی برداشت نہیں کر سکتا اور کتاب براہین احمدیہ خود ان سب باتوں کی متکفّل ہے اِس لئے خوفِ اطناب سے ترک کر دیا گیا۔ طالبینِ حق انشاء اللہ تعالیٰ براہینِ احمدیہ میں اِن

لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور جب ان تمام مراتب کی شدّتِ اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے باذنہٖ تعالےٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اُسکی لذّت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اُن کے

بقیہ حاشیہ سب مقاصد کو پالیں گے مگر اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ یہ علوم کسبی طور پر بھی لوگ حاصل کرتے ہیں لیکن ایک اُمّی محض جو سخت تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں ایک جنگلی مُلک میں پیدا ہوا جس نے مکتب میں ایک حرف نہ پڑھا اور فلاسفہ سے کبھی مخالطت نہ ہوئی اور منطق اور طبعی اور ہیئت اور علمِ نفس وغیرہ کا اپنی پُرجہالت مُلک میں نام بھی نہ سُنا اُس سے یہ چشمہ فیض کامل اور صحیح طور پر جوش مارنا ایسا کہ کوئی فلسفی اُس پر سبقت نہ لے جاسکے یہ بداہتِ عقل خارقِ عادت ہے۔ جو شخص بالکل اَن پڑھ ہو کر ایسے بے مثل طور پر حقائق عالیہ فلسفہ وطبعی وہیئت وعلم خواص رُوح ومعارفِ دین بغیر کسی کے سکھائے اور پڑھائے کے بیان کرے تو اُسکے معجزہ ہونے میں کسی دانا اور منصف مزاج کو تامّل نہیں ہو سکتا۔ تیسرا دروازہ معرفتِ الٰہی کا جو قرآنِ شریف میں اللہ جلّ شانہ نے اپنی عنایتِ خاص سے کھول رکھا ہے برکاتِ رُوحانیہ ہیں جس کو اعجازِ تاثیری کہنا چاہیئے یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زاد بوم ایک محدود جزیرہ نُما مُلک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے مُلکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔ اس مُلک کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بےخبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بُت پرستی ودیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے

دل پر بکلّی احاطہ کرکے ہر یک ظلمت و قبض و تنگی کو درمیان سے اُٹھا دیں یہانتک کہ بوجہ کمالِ رابطۂ عشق و محبت و بباعث انتہائی جوشِ صدق و صفا کی بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذّت و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور

بقیہ حاشیہ طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور چوری اور قزاقی اور خون ریزی اور دُختر کُشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا۔ غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہور ہے کہ کوئی متعصّب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کرسکتا اور پھر یہ امر بھی ہر یک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہوگئے اور کیونکر تاثیراتِ کلامِ الٰہی اور صحبتِ نبی معصومؐ نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں اُن کے دلوں کو یکلخت ایسا مبدّل کردیا۔ کہ وُہ جہالت کے بعد معارفِ دینی سے مالا مال ہوگئے اور محبتِ دُنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزّتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جلّ شانہٗ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے اُنکی پہلی حالت اور اُس نئی زندگی کے جو بعد اسلام اُنہیں نصیب ہوئے قرآنِ شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت بے اختیار چشم پُرآب ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیا چیز تھی جو اُنکو اتنی جلدی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کرلے گئے وُہ دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ وُہ نبی معصومؐ اپنی قوّتِ قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادرِ مطلق حیّ قیّوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب

نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں اور اُس پر مترتب ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے وُہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پالیتا ہے لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر یک صداقت کے قبول کرنے سے اوّل قطعی اور یقینی

بقیہ حاشیہ تاثیریں تھیں کہ جو ایک گروہ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکالکر نور کی طرف لے آئیں بلاشبہ یہ قرآنی تاثیریں خارق عادت ہیں کیونکہ کوئی دنیا میں بطور نظیر نہیں بتلا سکتا کہ کبھی کسی کتاب نے ایسی تاثیر کی کون اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ کسی کتاب نے ایسی عجیب تبدیل و اصلاح کی جیسی قرآن شریف نے کی وید تو خود تہیدست ہے اور ایک شخص بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ جو کبھی اور کسی زمانہ میں بذریعہ تاثیرات وید کمالات باطنی تک پہنچا ہو اور اسقدر تو وید کے پَیرو خود اقرار کرتے ہیں کہ صرف وید کے چار رشی کمال تک پہنچے ہیں وبس مگر چار کا کامل ہونا بھی بے ثبوت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وید کے ماننے والوں کو کبھی اس قدر بھی نصیب نہیں ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو واحد لاشریک مان کر مبدء جمیع فیوض کا سمجھیں اور اُسی کے کامل القدرت ہاتھ کو ہر یک وجود کا موجد قرار دیں اور اُسکے بھائی بند نہ بن بیٹھیں اگر کوئی شخص اس بات کو بُرا مانیں تو اُسی کی گردن پر ہے کہ تاثیراتِ طیبہ وید کو ثابت کرکے دکھلا دے اور اُن الزاموں کو اُسکے سر پر سے اٹھا دیے جن سے ہندوؤں کے پرمیشر کی کچھ بھی عزت باقی نہ رہی ہمیں وید سے کوئی بے وجہ عناد نہیں مگر ہم سچ سچ کہتے ہیں اور ہم اپنے خدائے قادرِ مطلق کو گواہ رکھ کر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا اور کسی خدا ترس کا دلی انصاف اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتا کہ جس کامل ذات کے برکت وجود سے ذرہ ذرہ قائم ہے اور جو تمام دنیا کا مالک کہلاتا ہے اُسکی بادشاہی صرف دُوسروں کے سہارے سے چلی آتی ہے نہ اپنی قدرت خاصہ سے اور تمام رُوحیں اور اجسام یونہی اتفاق اور قسمت سے اُسکو مل گئے ہیں نہ آپ پیدا کرلیے اور اُسکی خدائی اتفاقی ہے نہ حقیقی۔ اب وید سے مُونہہ پھیر کر قرآن شریف کی طرف دیکھنا چاہیئے کیسی پاک تاثیریں رکھتا ہے

اور نہایت وانشگاف ثبوت مانگتا ہے اُس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اِس لائق ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اُس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اِسی طرح پر جاری ہے اور یہ اِس فن علم الٰہی کا نہایت باریک نکتہ ہے جس پر سعادت مندوں کو

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱ اکمول مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکاتِ الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولیٰ کریم سے ہو جاتا ہے خدائے تعالیٰ کے انوار اور الہام اُن کے دلوں پر اُترتے ہیں اور معارف اور نکات اُن کے مُونہہ سے نکلتے ہیں ایک قوی توکّل اُنکو عطا ہوتی ہے اور ایک محکم یقین اُن کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبّت الٰہی جو لذّتِ وصال سے پرورش یاب ہے اُنکے دلوں میں رکھی جاتی ہے اگر اُنکے وجودوں کو ہاون مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دیکر نچوڑا جائے تو اُن کا عرق بجز حُبّ الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دُنیا اُن سے ناواقف اور وہ دنیا سے دُور تر و بلند تر ہیں خدا کے معاملات اُن سے خارقِ عادت ہیں اُنہیں پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے اُنہیں پر کُھلا ہے کہ ایک ہے جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سنتا ہے۔ جب وہ پکارتے ہیں تو وہ اُنہیں جواب دیتا ہے جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ اُن کی طرف دَوڑتا ہے وہ باپوں سے زیادہ اُن سے پیار کرتا ہے اور اُن کی در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و روحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں اور وہ ہر یک میدان میں اُن کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اُس کے اور وہ اُن کا ہے یہ باتیں بلا ثبوت نہیں اور ہم عنقریب رسالہ سراج منیر میں انشاء اللہ القدیر ایک کُھلا کُھلا ثبوت اس کا دکھلائیں گے۔ لیکن ہم اِس جگہ یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ کسی دوسرے دین میں یہ برکتیں ہرگز نہیں۔ وید نے اگر آریوں کے دلوں پر کچھ اثر ڈالا ہے تو وہ صرف گالیاں اور دُشنام دہی ہے تمام مقدسوں کو فریبی کہنا سب پاک

ل سہو کاتب ہے صحیح "چاہتے ہیں"۔ شمس

غور کرنی چاہیئے کہ ہمیشہ ثواب اور فیضان سماوی ایمان پر ہی مترتب ہوتا ہے۔ اِس راہ کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان دین قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اُس بے نیاز مطلق اور اُس کی قدرت اور اُسکے وعدہ وعید اور اُسکے اخبار و اسرار کے ماننے میں لیتے لیتے انکاروں سے مجتنب رہے۔ کیونکہ ایمانی صورت کے قائم رکھنے کیلئے (جسپر تمام ثواب وابستہ ہے) ضرور تھا کہ خدائے تعالیٰ اُمورِ ایمانیہ کو ایسا منکشف نہ کرتا کہ وہ دوسرے بدیہیات کی طرح ہر یک عام اور خاص کی نظر میں مسلّم الوجود ہوجاتی۔ یہ تو سچ ہے کہ انسان مکلّف بوجہ عقل ہے نامعقول باتوں کو مان نہیں سکتا اور نہ درحالت انکار قابلِ الزام ٹھہرتا ہے لیکن خدا تمہیں ہدایت کرے تم خوب سوچ لو کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی نامعقول بات پر (جو عند العقل اُس کی قدرت اور طاقت سے بعید ہے) ایمان لانے کے لئے تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اور ہمارے کسی لفظ سے یہ نہیں نکلتا کہ تم کسی ایسی بات پر ایمان لاؤ۔ جو فی الحقیقت دُور بین نظروں میں نامعقول ہے بلکہ ہماری تقریر کا مدعا اور لُبِّ لباب یہ ہے کہ ایمانی اُمور ایسے ہونے چاہیئے کہ جو من وجہٍ ظاہر اور من وجہٍ مخفی ہوں۔ اور امکانی طور پر عقل اُن کا وجود باور تو کرسکے۔ مگر دوسرے مشہودات

بقیہ حاشیہ نبیوں کا نام مکّار رکھنا دنیا کے برگزیدوں کو بجز اپنے تین یا چار وید کے رشیوں نامعلوم الوجود کو جھوٹا اور دغاباز اور ٹھگ قرار دینا انہیں لوگوں کا کام ہے کیا اِن لوگوں کے مُونہہ سے بجز بدظنیوں اور بدزبانیوں کے کبھی کچھ معارف الٰہی کے نکات بھی نکلے ہیں۔ کیا بجز گندی باتوں اور نابکار خیالات یا تحقیر اور توہین اور ٹھٹھے اور ہنسی اور پُرشرارت اور بدبودار لفظوں کے کبھی کوئی دقیق بھید معرفت الٰہی کا بھی اِن کی زبان سے سُنا گیا ہے۔ کیا ان برتنوں سے کبھی کوئی صفادلی کا قطرہ بھی مترشح ہوا ہے یا انہوں نے باطنی پاکیزگی میں کچھ ترقی کی ہے ہرگز نہیں سو جو کچھ وید کا اثر ہے سو ظاہر ہے حاجتِ بیان نہیں۔ منہ

و مرئیات بدیہہ کی طرح ہاتھ پکڑ کر دکھلا نہ سکے یعنے انسان اور گدھے وغیرہ محسوس چیزوں کی طرح اُن کا وجود نہ ہو جنکو ٹٹول کر معلوم کر سکیں یا بچشم خود دیکھ سکیں یا دکھا سکیں یا اشکال ہندسے اور اعمالِ حسابی کی طرح ایسے منکشف نہ ہوں جن میں دس دس برس کے بچے بھی اختلاف نہ کر سکیں۔ غرض وہ کیفیت ان میں محفوظ ہو جو ایمان کا مفہوم قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے اور پھر با ایں ہمہ بالغ نظروں اور حقیقت شناسوں کی نگاہوں میں نامعقول اور بعید از عقل بھی نہ ہوں۔

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید ٭ نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

اب خلاصہ و ماحصل اس تقریر کا یہ ہے کہ کسی مذہب کے قبول کرنے سے غرض یہ ہے کہ وہ طریق اختیار کیا جائے جس سے خدائے غنی مطلق جو مخلوق اور مخلوق کی عبادت سے بکلی بے نیاز ہے راضی ہو جائے اور اُسکے فیوضِ رحمت اُترنے شروع ہو جائیں جن سے اندرونی آلائشیں دُور ہو کر صحن سینہ یقین اور معرفت سے پُر ہو جائے۔ سو یہ تدبیر اپنی فکر سے پیدا کرنا انسان کا کام نہیں تھا۔ اِس لئے اللہ جل شانہ نے اپنے وجود اور اپنے عجائباتِ قدرت خالقیت یعنے ارواح و اجسام و ملائک و دوزخ و بہشت و بعث و حشر و رسالت و دیگر تمام اسرار مبدء و معاد کو یکساں طور پر پردۂ غیب میں رکھکر اور کچھ کچھ قیاسی یا امکانی طور پر عقل کو اُس کوچہ میں گذر بھی دیکر غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ چھپا کر بندوں کو اُن سب باتوں پر ایمان لانے کے لئے مامور کیا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ جب بندہ باوجود کشمکش مخالفانہ خیالات کے خدائے تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لائیگا اور سب عجائباتِ اُخروی و وجود دوزخ و بہشت و ملائک وغیرہ کو اُسکی قدرت میں سمجھ کر دیکھنے سے پہلے ہی قبول کر لیگا تو یہ قبول کرنا اُسکے حق میں صدق شمار کیا جائے گا کیونکہ ہنوز یہ چیزیں در پردۂ غیب ہیں اور مرئی اور مشہود طور پر نمایاں اور ظاہر نہیں ہیں سو یہ صدق خدائے تعالیٰ کی توجہ رحمت کیلئے ایک موجب ہو جائیگا کیونکہ خدائے تعالےٰ بوجہ اپنی استغنا ذاتی کے انہیں لوگوں پر توجہ رحمت کرتا ہے جنکا صدق ظاہر ہوتا ہے یُوں تو انسان کی

فطرتی عادت ہے، کہ جو چیز کھلے کھلے طور پر مُضر یا مفید ہو اس سے بہ نفرت بھاگتا یا اسکے لینے کو بصد رغبت دوڑتا ہے یعنی جیسی صورت ہو لیکن وہ اپنی اِس عادت سے کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا اگر کوئی شخص بجلی سے ڈر کر اپنے کوٹھے میں چھپ جائے یا شیر سے خوف کھا کر اپنے شہر کی طرف بھاگے تو وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے بجلی یا شیر مَیں نے تم سے خوف کیا تم مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ سو ظاہر ہے کہ جو ڈرنا یا اُمید کرنا ضروری طور پر لازم آتا ہے وہ کسی تحسین یا آفرین کا موجب نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی وجہ سے لازم ہے کہ جو شخص خدائے تعالےٰ اور اسکے عجائبات آخر کو مان کر رضامندی الٰہی کا خواہشمند ہے وُہ اِن سب چیزوں کے ماننے میں بیجا اڑوں سے پرہیز کرے اور جہانتک ممکن ہو مطالبہ دلائل میں نرمی اختیار کرکے فقط اتنا کرے کہ ایک راہ کو دُوسری راہوں پر ترجیح دیکھ لے اور ایسے یقینی ثبوت کے لئے کہ جیسے چار کا نصف دو ہے اپنی نابالغ عقل کو آوارہ اور سرگردان نہ ہونے دے بلکہ تمام تر سعادت تو اس میں ہے کہ غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کرے۔ اور ظاہری حواس کی خواہ نخواہ شہادت طلب کرنے سے اور فلسفہ کے طول طویل اور لا طائل جھگڑوں سے حتی الوسع اپنے تئیں بچاوے کیونکہ اگر خدا کو دیکھ کر ہی یا انتہائی تحقیقات سے ہی قبول کرنا ہے اور جزا سزا کو تجربہ کر کے ہی ماننا ہے تو پھر ایسے ماننے میں کونسی خاص فضیلت یا صدق پایا جاتا ہے اس طرح پر کون ہے جو قبول نہیں کرتا۔ دنیا میں ایسی طبیعت کا کوئی بھی آدمی نہیں کہ اگر اُسکو پُورا پُورا ثبوت خدا کی ہستی یا عالمِ مجازات یا عجائباتِ قدرت کامل جائے تو پھر وہ منکر ہی رہے۔ مثلاً اگر خدائے تعالیٰ ہریک انسان کو نظر آجائے اور سب کو اپنی خدائی قدرتیں دکھلا دے یا اگر مثلاً ایسا ہو کہ دس بیس ہزار آدمی ہر یک قوم اور ہریک مُلک کی قبروں سے اُٹھ کر اپنی اپنی قوم اور قبیلہ میں آجائیں اور اپنے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو خدا اور اسکی سزا و جزا کی ساری حقیقت سنا دیں تو پھر ممکن نہیں کہ پھر بھی کوئی شخص کافر اور بے دین رہ جائے۔ اب اسجگہ بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس حالت میں خدائے تعالیٰ اُن باتوں کے کرنے پر قادر تھا اور اس پختہ ثبوت سے کُفر اور بیدینی کی جڑھ کاٹے جاتے تھے تو پھر اُس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ اگر وہ ایسا کرتا تو پھر حق اور

باطل کا بکمال صفائی فیصلہ ہو جاتا اور فلسفہ کی نکمی اور بودی اور ظنی اور وہمی دلائل کی کچھ حاجت نہ رہتی تو اس کا جواب یہی ہے کہ جو اوپر گذر چکا یعنے بے شبہ خدائے تعالیٰ ایسا کر سکتا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسا جلوۂ دیدار دکھا سکتا تھا کہ ایک ہی تجلّی سے سب گردنیں جھک جائیں اور ایک ہی دفعہ تمام دنیا کی دینی نزاعوں کا تصفیہ ہو جاتا لیکن ایسا کرنے میں وہ بات جس سے ثواب ملتا ہے اور صادقوں کو مراتب عالیہ اور قرب اور وجاہت عطا کیجاتی ہے وہ باقی نہ رہتی یعنی ایمان بالغیب جس کی وجہ سے درجات اُخروی ملتے ہیں وہ اپنی صورت میں محفوظ نہ رہتا۔ سو یہ بڑے بھاری درجہ کی صداقت ہے جو سوال مذکورہ بالا پر غور کرنے سے ہریک اعلیٰ و ادنیٰ کو سمجھ آسکتی ہے۔ غرض ایمان پر ثواب اور اجر ملنے کا یہی بھید ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لایا جاتا ہے وہ اگرچہ غور اور نظر کرنے سے صحیح اور راست ہیں۔ لیکن اُن کا ثبوت ایسا کھلا کھلا ثبوت نہیں ہے جیسے اور مشہودات اور محسوسات کا ہوا کرتا ہے بلکہ ایمان بالغیب کی حد میں ہیں سو صادق آدمی جب خدا اور اُسکی سزا و جزا وغیرہ اُمورِ غیبیہ پر ایمان لاتا ہے تو اس ایمان میں بوجہ انواع اقسام کے اوہام اور نفسِ امّارہ کی چار طرفہ کشاکش کی سخت آزمائش میں پڑتا ہے۔ آخر چونکہ وہ صادق ہوتا ہے اس لئے سب راہیں چھوڑ کر اور سب خیالات پر غالب آکر اُسی ربِّ رحیم کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور اس صدق کی برکت سے کہ وہ اپنے علم سے زیادہ رجوع اور اپنی واقفیت سے زیادہ وفا اور اپنے تجربہ سے زیادہ استحکام اختیار کرتا ہے۔ جنابِ الٰہی میں قبول کیا جاتا ہے۔ اور پھر اسی صدق و صفا کی برکت سے عرفانی آنکھیں اسکو عنایت ہوتی ہیں اور ربّانی لذّت اور محبت اس کو عطا کی جاتی ہے یہانتک کہ وہ اُس مرتبہ تک جا پہنچتا ہے جہانتک انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں مگر یہ سب کچھ کامل طور پر پیچھے سے ملتا ہے پہلے نہیں۔ یہ تو معرفت صحیحہ تک پہنچنے کے لئے سنّت اللہ یا یُوں کہو کہ قانونِ قدرت ہے لیکن اس زمانہ کے خشک فلسفیوں نے اِس صداقت پر ایک ذرہ اطلاع نہیں پائی ٭ اور وہ بالکل اس بات سے بےخبر ہیں کہ کیونکر انسان

٭ حاشیہ۔ جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ اور عالم مجازات اور دیگر اُمور مبدء اور معاد کے ماننے میں

ایمان کے مُحکم اور اُستوار زینہ سے عرفان کے بلند مینار تک پہنچتا ہے اور اسی بیخبری کی وجہ سے اُن میں اپنے قدم اوّل میں ہی تعجیل اور جلدی بھری ہوئی ہے اور نہایت شتاب کاری سے علم دین کو ایک ادنیٰ سا کام اور ایک ناکارہ ہنر سمجھ کر یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ مذہب کے تمام اُصول و فروع کو اپنی ابتدائی حالت میں ہی بغیر انتظار دوسرے حالات مُترقبہ کمالات فطرت کے اس طرح پر دریافت کرلیں جیسے کوئی ہندسہ یا حساب کا مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے اور اگر کوئی دقیقہ دینی اِس حد کے انکشاف تک نہ پہنچ سکے تو اُس کی نسبت صاف حکم صادر کردیں کہ یہ سراسر باطل اور پیرایۂ صداقت سے خالی ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں یہ ایمانی حکمت کا طریق نہیں ہے

بقیہ حاشیہ فلسفیوں کا طریقہ انبیاء علیہم السّلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے نبیوں کے طریق کا اصل اعظم یہ ہے کہ ایمان کا ثواب تب مُترتّب اور بارور ہوگا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے اور ظاہری حواس کی کُھلی کُھلی شہادتیں یا دلائل ہندسیہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں کیونکہ تمام و کمال مدار ثواب اور استحقاقِ قُرب و توصّلِ الٰہی کا تقویٰ پر ہے اور تقویٰ کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر ہر جُزئی کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے اور صرف دُور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچّائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رجحان دیکھ کر بحُسنِ ظن قبول کر لیتا ہے۔

اسی بات کا نام ایمان ہے اور اسی ایمان پر فیوضِ الٰہی کا دروازہ کُھلتا ہے اور دنیا و آخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے اور پھر دُعا اور نماز اور فکر اور نظر سے اپنی حالتِ علمی میں ترقی چاہتا ہے تو خدائے تعالےٰ خود اس کا مُتولّی ہوکر اور آپ اُس کا ہاتھ پکڑ کر درجۂ ایمان سے درجۂ عین الیقین تک اُس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت و مجاہدات و

بلکہ انسانی ظلمت یا شیطانی رعونت کی ایک تاریکی ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا اور مذہب کے تمام اجزاء اور جو کچھ اُس میں بھرا ہوا ہے پہلے ہی سے اظہر من الشمس اور بدیہی اور بیّن الانکشاف ہوتے یا اشکال ہندسی اور حساب کے اعمال کی طرح قطعی الثبوت دکھائی دیتے تو پھر اس حالت میں ایمان ایمان نہ رہتا اور جو ایمان لانے پر ثواب اور سعادتیں اور برکتیں مُترتّب ہوتی ہیں اُنکو انسان ہرگز نہ پاسکتا کیونکہ ظاہر ہے کہ بیّن الحقیقت اور ظاہر الوجود باتوں کو مان لینا ایمان نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ مَیں اس بات پر ایمان لایا کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے اور ہر ایک انسان آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سُنتا اور مُونہہ سے کھاتا اور پاؤں سے چلتا ہے اور مَیں اِس

بقیہ حاشیہ ریاضات و تزکیہ و تصفیہ نفس ملتا ہے پہلے نہیں اور جو شخص پہلے ہی تمام جُزئیات کی بکلّی صفائی کرنا چاہتا ہے اور قبل از صفائی اپنے بدعقائد اور بداعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان ہے جب تک وہ اُمور جن کو مانا گیا ہے کسی قدر پردۂ غیب میں ہیں یعنی ایسی حالت پر واقعہ ہیں جو ابھی تک عقلی ثبوت نے اُن پر احاطۂ تام نہیں کیا اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئی بلکہ اُن کا ثبوت صرف غلبۂ ظن تک پہنچا ہے وبس۔

یہ تو انبیا کا سچّا فلسفہ ہے جس پر قدم مارنے سے کروڑہا بندگانِ خُدا آسمانی برکتیں پاچکے ہیں اور جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے بے شمار خلق اللہ معرفتِ تامہ کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں اور ہمیشہ پہنچتی ہیں اور جن اعلیٰ درجہ کے تعیینوں کو شوخی اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈا اور نہ پایا وہ سب مراتب ان ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے اور اُس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفتِ تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اُس کو نہیں سُنا۔

بات پر ایمان لایا کہ آفتاب اور قمر موجود ہیں اور زمین پر بہت سے جمادات اور نباتات اور حیوانات پائے جاتے ہیں تو ایسا ایمان لانا ایک ہنسی کی بات ہے نہ کہ ایمان اور اسی وجہ سے بدیہی اور کھلی کھلی باتوں کو ماننا عند اللہ و عند العقلاء ثواب پانے کا موجب نہیں ٹھہر سکتا بلکہ ایمان وہ شیئے ہے کہ جن باتوں کو عقل قبول تو کرتی ہے مگر بوجہ در پردہ غیب ہونے کے جیسا کہ چاہیئے اُنکی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اُن باتوں میں اپنی فراستِ فطرتی سے کچھ ترجیح یعنے آثارِ صداقت دیکھ کر اور کسی قدر دلائلِ عقلیہ کا غلبہ اُس طرف پا کر اور پھر خدا کے کلام کو اُس پر شاہد ناطق و صادق معلوم کر کے اُن باتوں کو مان لیا جائے یہی ایمان ہے جو ذریعہ خوشنودی خداوندِ کریم

بقیہ حاشیہ اور نہ اُس کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کبھی اُسکے دل میں گذرا۔ لیکن اس کے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھوٹا اور مغشوش فلسفہ جس پر آجکل کے نو تعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں اور جس کے بد نتائج کی بے خبری نے بہت سے سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے۔ یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے اور بکلی اُس کا انکشاف نہ ہو جائے تب تک اُس کو ہرگز ماننا نہیں چاہیئے گو خدا ہو یا کوئی اور چیز ہو ان میں سے اعلیٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنہوں نے ان اصولوں کی سخت پابندی اختیار کی تھی انہوں نے اپنا نام محققین رکھا جن کا دوسرا نام دہریہ بھی ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا بہ پابندی اپنے اصولِ قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعہ عقل ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ ہم نے اس کو بچشم خود دیکھا اس لئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے جو اصولِ مقررّہ فلسفہ سے بکلّی بعید ہے سو انہوں نے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کو درمیان سے اڑا دیا۔ پھر فرشتوں کا یوں فیصلہ کیا کہ یہ بھی خدائے تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے چلو یہ بھی درمیان سے اٹھاؤ۔ پھر رُوحوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے

جلّ شانہٗ ہو جاتا ہے اور بعد اسکے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مرتبہ ایقان ہے اور پھر اس کے بعد مرتبہ عرفان کا ہے یعنے جبکہ بندہ ایسی باتوں کو مان لیتا ہے جن کو اُسکی عقل امکان یا جواز یا وجوب کی صورت میں قبول تو کر لیتی ہے مگر انکشاف کلّی کے طور پر اُن پر احاطہ نہیں کر سکتے تو خدائے تعالیٰ کی نظر میں وہ شخص صادق ٹھہر جاتا ہے اور حضرت خداوند کریم عزّ اسمہٗ بہ برکت اُس ایمان کے عرفان کا مرتبہ اُسکو عطا کر دیتا ہے یعنی اپنی طرف سے علم و معرفت و سکینت اُس پر نازل کرتا ہے اور کشفی اور الہامی نور دل سے وہ بقیہ ظلمت بھی اٹھا دیتا ہے جسکے اٹھانے سے عقل دود آمیز عاجز رہ گئی تھی اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے جیسے انسان کی فطرت میں مبادی اُمور کے کسی قدر سمجھنے

بقیہ حاشیہ ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابلِ اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے رُوح باقی رہ جاتی ہے نہ کوئی رُوح نظر آتی ہے اور نہ واپس آکر کچھ اپنا قصّہ سُناتی ہے بلکہ سب رُوحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر و بے نشان ہیں سو ان کا بھی وجود ماننا خلافِ دلیل و بُرہان ہے۔ اِن سب فیصلوں کے بعد اُنکی نظر عمیق نے تکالیف شرعیہ کی مشقت اور حلال حرام کا فرق اُصولِ فلسفہ کا سخت مخالف سمجھا۔ اِس لئے اُنہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اور چیزوں میں سے بلا ثبوت ضررِ طبّی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اِسی طرح اُنہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں طبّی قواعد کے رُو سے فوائد ہیں۔ اسی طرح ان فلاسفروں کے اور بھی مسائل ہیں۔ اور خلاصہ اُنکے مذہب کا یہی ہے کہ وہ بجُز دلائلِ قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے اور اُنکی فلسفیانہ نگاہ میں گو کیسی کوئی بدعملی ہو جب تک براہین قطعیہ فلسفیہ سے اُسکا بد ہونا ثابت نہ ہو لے یعنے جب تک اُس میں کوئی طبّی ضرر یا دُنیوی بدانتظامی متصوّر

کے لئے ایک عقلی قوت رکھی ہے اسی طرح انسان میں کشف اور الہام کے پانے کی بھی ایک قوت مخفی ہے جب عقلِ انسانی اپنی حد مقررہ تک چلکر آگے قدم رکھنے سے رہ جاتی ہے تو اُس جگہ خدائے تعالیٰ اپنے صادق اور وفادار بندوں کو کمال عرفان اور یقین تک پہنچانے کی غرض سے الہام اور کشف سے دستگیری فرماتا ہے اور جو منزلیں بذریعہ عقل طے کرنے سے رہ گئی تھیں اب وہ بذریعہ کشف اور الہام طے ہو جاتی ہیں اور سالکین مرتبہ عین الیقین بلکہ حق الیقین تک پہنچ جاتے ہیں یہی سنت اللہ اور عادت اللہ ہے جسکی رہنمائی کے لئے تمام پاک نبی دنیا میں آئے ہیں اور جس پر چلنے کے بغیر کوئی شخص سچّی اور کامل معرفت تک نہیں پہنچا مگر کم بخت خشک فلسفی کو کچھ ایسی جلدی ہوتی ہے کہ وہ یہی

بقیہ حاشیہ نہ ہو تب تک اس کا ترک کرنا بیجا ہے مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں اُنہوں نے لوگوں کے لعن طعن سے اندیشہ کر کے اپنے فلاسفری اصولوں کو کچھ نرم کر دیا ہے اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالمِ جزا اور دوسری کئی باتوں کو ظنّی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اُن کو سخت نالائق اور بدفہم اور غبی الطبع اور بُزدل اور اپنی سوسائیٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن اُصولِ فلسفہ پر جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے۔ اِس لئے اوّل درجہ کے فلاسفر اِس بات سے عار رکھتے ہیں کہ اِن ناقصوں کو فلاسفر کے باعزت لفظ سے مخاطب یا موسوم کیا جائے کیونکہ اُنہوں نے کچھ کچھ تو فلسفہ کے طریقہ پر قدم مارا اور کچھ عام لوگوں کی ملامت لعنت سے ڈر کر نبیوں کے عقائد میں بھی جو فلسفیوں کے منشاء کے موافق قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتے ٹانگ اڑا دی اِسلئے یہ لوگ اُن کی نظر میں نیم حکیم ہیں حقیقی فلاسفر نہیں ہاں ممکن بلکہ قرین قیاس ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ جیسے جیسے ایک سخت جوش قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت عقلی طلب کرنے کا اِنکے مستعد اور ہونہار لوگوں کے دلوں میں آتا جائے گا۔ ویسی ویسی وہ کسریں

چاہتا ہے کہ جو کچھ کھلنا ہے وہ عقلی مرتبہ پر ہی کھل جاوے اور نہیں جانتا کہ عقل انسانی اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور نہ طاقت سے آگے قدم رکھ سکتی ہے اور نہ اس بات کی طرف فکر دوڑاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اسکے کمالاتِ مطلوبہ تک پہنچانے کیلئے صرف جوہر عقل ہی عطا نہیں کیا بلکہ کشف اور الہام پانے کی قوت بھی اُس کی فطرت میں رکھی ہے سو جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے وسائل خداشناسی انسان کی سرشت کو عطا کئے ہیں۔ اُن وسائل میں سے صرف ایک ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کے وسیلہ کو استعمال میں لانا اور باقی وسائل خداشناسی سے بکلی بے خبر رہنا بڑی بھاری بدنصیبی ہے۔ اور اُن قوتوں کو ہمیشہ بیکار رکھ کر ضائع کر دینا اور اُن سے فائدہ نہ اٹھانا پرلے درجہ کی بے سمجھی ہے سو ایسا شخص سچا فلسفی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو کشف اور الہام پانے کی قوت کو معطّل اور بیکار چھوڑتا ہے بلکہ اس سے انکار کرتا ہے حالانکہ ہزاروں مقدسوں کی شہادت سے کشف اور الہام کا پایا جانا بہ پایۂ ثبوت پہنچ چکا ہے اور تمام سچے عارف اسی طریق سے معرفت کاملہ تک

بقیہ حاشیہ جو باقی رہ گئے ہیں اُن کے خیالات سے وہ سب نکل جائیں گے اور عقائد اور اعمال میں پوری پوری مطابقت اپنے بڑے بھائیوں سے کرلینگے تب وہ شیطانی اور ظلمانی دو کالے پانی دنیا کے برباد کرنے کے لئے ایک ہی ہو کر بہیں گے اور اگر آئندہ ذریت میں فلسفہ نے ترقی کی تو وہ بجائے اسکے کہ حال کے فلسفیوں کی طرح یہ سوال کریں کہ اگر ملائک یا شیاطین کچھ چیز ہیں تو ہمیں دکھلاؤ یہ اعلیٰ درجہ کے سوالات کریں گے کہ اگر خدا اور اُسکی قدرتیں کچھ چیز ہیں تو ہمیں ظاہر ظاہر بلاواسطہ اسباب دکھاؤ اور اگر رُوحیں بعد مفارقت بدن باقی رہ جاتی ہیں اور ان کا وجود بھی کچھ چیز ہے تو وہ بھی ہمیں دکھلاؤ غرض جیسے جیسے ان نوآموزوں کے فلسفہ میں صیقل ہوتا جائے گا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سوال اِن کے دلوں میں پیدا ہوتے جائیں گے۔ یہانتک کہ اوّل درجہ کے فلاسفروں سے ہاتھ جا ملائیں گے۔ ابھی تو حال کچا اور خیال بھی کچا ہے۔ منہ

پہنچے ہیں۔ آریہ مت والے جن کا دھرم دلی روشنی سے علاقہ نہیں رکھتا وہ کشف اور ایسے الہام سے تو قطعًا منکر ہیں جو امور غیبیہ اور خوارقِ اعجازیہ پر مشتمل ہو بقول اُنکے وید پیشگوئیوں سے بکلّی خالی اور قدرتی نشانوں سے بکلّی تہیدست ہے مگر با این ہمہ پھر بھی الہامی کتاب وید ہی کو مانتے ہیں۔ غرض جیساکہ خدائے تعالیٰ کا کلام اُسکی صفاتِ کمالیہ کا آئینہ ہونا چاہیئے یہ انوارِ الٰہی وید میں ثابت نہیں کرسکتے بلکہ اپنے ہی مُونہہ سے اقرار کرتے ہیں کہ اُنکا وید اخبارِ غیب اور اسرارِ قدرت سے بکلّی عاری اور عاجز ہے لیکن اِن سب خرابیوں کے ساتھ اِس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ الہامِ الٰہی وید ہی پر ختم ہے وہ ہمیشہ کے کشف اور الہام سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف چار آدمیوں کو جنپر وید اترا یہ قوتِ الہامی بوجہ اُنکے نیک اعمال کے قدرت نے عطا کی تھی مگر بعد اُنکے کسی کو نہیں ملی گویا وہ چار آدمی ایک نوکھی پیدائش کے تھے جن سے باقی جمیع بنی آدم کو اُنکی فطرت یا عمل کے رُو سے کچھ مناسبت نہیں سو یہ قوم رُوحانی اندھا ہونے پر راضی ہے ہاں آجکل عقل عقل تو پکارتے ہیں اور قانونِ قدرت بھی کسی کے مُونہہ سے سُن لیا ہے تب ہی تو لالہ مرلیدھر صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ شق القمر قانونِ قدرت کے برخلاف ہے مگر ہمیں لالہ صاحب موصوف کے اِس تقلیدی اعتراض پر نظر کرکے بڑا ہی افسوس آتا ہے کاش اُنہوں نے کہیں سے یہ بھی سُنا ہوتا کہ خدائے تعالیٰ کی خدائی اور الوہیت اُس کی قدرتِ غیر محدودہ اور اسرارِ نامحدودہ سے وابستہ ہے جس کو قانون کے طور پر کسی حد کے اندر گھیر لینا انسان کا کام نہیں ہے خداشناسی کے لئے یہ بڑا بھاری بنیادی مسئلہ ہے کہ خدائے ذوالجلال کی قدرتیں اور حکمتیں بے انتہا ہیں اِس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے اور اُسپر عمیق غور کرنے سے سب الجھاؤ اور پیچ خیالات کا رفع ہو جاتا ہے اور سیدھا راہ حق شناسی اور حق پرستی کا نظر آنے لگتا ہے۔ ہم اس جگہ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ ہمیشہ اپنی ازلی ابدی صفات کے موافق کام کرتا ہے اور اگر ہم دوسرے لفظوں میں انہیں ازلی ابدی صفات پر چلنے کا نام قانونِ الٰہی رکھیں تو بیجا نہیں مگر ہمارا کلام اور بحث اِس میں ہے کہ وہ آثارِ صفات ازلی ابدی یا یوں کہو کہ وہ قانونِ قدیم الٰہی محدود یا معدود کیوں مانا جائے ہاں بے شک یہ تو ہم مانتے ہیں اور مان لینا چاہیئے کہ جو کچھ صفتیں جناب الٰہی کی ذات میں موجود ہیں اُنہیں صفات

غیر محدود کے آثار اپنے اپنے وقتوں میں ظہور میں آتے ہیں نہ کوئی امر انکا غیر اور وُہ صفات ہر یک مخلوق ارضی و سماوی پر مؤثر ہو رہی ہیں اور انہیں آثار الصفات کا نام سُنّت اللہ یا قانونِ قُدرت ہے مگر چونکہ خدا ئے تعالیٰ معہ اپنی صفاتِ کاملہ کے غیر محدود اور غیر متناہی ہے اِس لئے ہماری بڑی نادانی ہوگی اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ اُس کے آثار الصفات یعنی قوانینِ قدرت باندازہ ہمارے تجربہ یا فہم یا مشاہدہ کے ہیں اُس سے بڑھ کر نہیں۔ آجکل کے فلسفی الطبع لوگوں کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ اوّل وُہ قانونِ قُدرت کو ایسا سمجھ بیٹھے ہیں جسکی من کل الوجہ حدبست ہو چکی ہے۔ اور پھر بعد اسکے جو امر نیا پیش آئے اُس کو ہرگز نہیں مانتے اور ظاہر ہے کہ اس خیال کی بنا راستی پر نہیں ہے اور اگر یہی سچ ہوتا تو پھر کسی نئی بات کے ماننے کے لئے کوئی سبیل باقی نہ رہتا اور اُمورِ جدیدہ کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جاتا کیونکہ اِس صورت میں ہر یک نیا فعل بصورت نقض قوانین طبعی نظر آئیگا اور اُسکے ترک کرنے سے ناحق ایک جدید صداقت کو ترک کرنا پڑیگا یہی وجہ ہے کہ یہ منحوس اُصول آجتک دکھانے کے ہی دانت رہے ہیں نہ کھانے کے اور اُمورِ جدیدہ کا قوی ظہور اِس قاعدہ کی تار و پود کو ہمیشہ توڑتا رہا ہے جب کسی زمانہ میں کوئی جدید خاصّہ متعلق علمِ طبعی یا ہیئت وغیرہ علوم کے متعلق ظہور پکڑتا رہا ہے تو ایک مرتبہ فلسفہ کے شیش محل پر ایک سخت بھونچال کا موجب ہوا ہے جس سے متکبّر فلسفیوں کا شور و شرارہ کچھ عرصہ کے واسطے فرو ہوتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے خیالات ہمیشہ پلٹے کھاتے رہے ہیں اور کبھی ایک ہی صورت یا ایک ہی نقشہ پر ہرگز قائم نہیں رہے اگر کوئی صفحات تاریخ زمانہ میں واقعات سوانحعمری حکماء پر غور کرے تو اُسکو معلوم ہو جائیگا کہ اُنکے خیالات کی ٹرین کتنی مختلف سڑکوں یا یہ کہ کسقدر متناقض چالوں پر چلی ہے اور کیسے داغ خجالت اور ندامت کے ساتھ ایک رائے کو دُوسری رائے سے تبدیل کرتے آئے ہیں اور کیونکر اُنہوں نے ایک مُدّت دراز تک کسی بات کا انکار کرکے اور قانونِ قُدرت سے اُسکو باہر سمجھ کر آخر نہایت مُتندمانہ حالت میں اُسی بات کو قبول کر لیا ہے سو اس تبدیل آراء کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ جو کچھ اُنہوں نے سمجھ رکھا تھا وُہ ایک ظنّی بات تھی جس کے

مشاہدات جدیدہ نے تکذیب کی سوہن شکلوں اور حالتوں میں وُہ مشاہدات جو بذریعہ جلوہ گر ہوئے اُنہیں کے موافق اُنکی راؤں کی پٹڑی بدلتی اور اُلٹتی پلٹتی رہی اور جدھر تجاربِ جدیدہ کا رُخ پلٹتا رہا اُدھر ہی اُنکے خیالات کی ہوائیں پلٹا کھاتی رہیں غرض فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ اُمور جدید الظہور کے ہاتھ میں رہی ہے اور اب بھی بہت کچھ ان کی نظروں سے چھپا ہؤا ہے جسکی نسبت اُمید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ ٹھوکریں کھا کھا کر اور طرح طرح کی رُسوائیاں اُٹھا اُٹھا کر کسی نہ کسی وقت قبول کریں گے کیونکہ قوانینِ قُدرت انسانی عقل کے دفتر میں ابھی تک ایسے منضبط نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں جن پر نظر کرکے نئی تحقیقاتوں سے نواُمیدی ہو۔ کیا کوئی عقلمند خیال کرسکتا ہے کہ انسان دنیا کے مکتب خانہ میں باوجود اپنی اِس قدر عمرِ قلیل کے تحصیل اسرارِ ازلی ابدی سے بکلّی فراغت پا چکا ہے اور اب اُس کا تجربہ عجائباتِ الٰہیّہ پر ایسا محیط ہوگیا ہے کہ جو کچھ اُسکے تجربہ سے باہر ہو وہ فی الحقیقت خدائے تعالےٰ کی قُدرت سے باہر ہے مَیں جانتا ہوں کہ ایسا خیال بجز ایک بے شرم اور ابلہ آدمی کے کوئی دانشمند نہیں کرسکتا۔ فلاسفروں میں سے جو واقعی نیک دانا اور سچے رُوحانی آدمی گذرے ہیں انہوں نے خود تسلیم کرلیا کہ ہمارے خیالات جو محدود اور منقبض ہیں خدا اور اُسکے بے انتہا بھیدوں اور حکمتوں کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہوسکتے۔ بارہا فلاسفروں نے اپنی راؤں میں ندامتیں اُٹھائیں اور صدہا خواص قاعدہ طبعی کے برخلاف اور قوانینِ طبعیہ کے نقیض ہو کر پھر مشاہدہ کے رُو سے ثابت ہوگئے تو آخر وہ ماننے ہی پڑے اور علوم طبعی یا ہیئت کی وہاں کچھ پیش نہ گئی۔ ہاں بعض سوانح عجیبہ جو تاریخی طور پر ثابت کی جاتی ہیں۔ جیسے یہی معجزہ شق القمر جو لالہ مرلیدھر صاحب کی نظر میں پرمیشر کے ازلی ابدی قانونِ قُدرت کے برخلاف ہے ایسے سوانحہ پر یقین لانا یا نہ لانا اپنے علمِ وسیع یا محدود پر موقوف ہے یہ حجت ہرگز نہیں ہوسکتی کہ یہ واقعہ علوم طبعی یا ہیئت کے برخلاف ہے کیونکہ قدرتِ قدیمہ کاملہ کے موافق یا مخالف ہونا بعد احاطۂ قُدرت کے معلوم ہوسکتا ہے اس لئے یہ علوم ناقصہ ہیئت و طبعی جو ہمارے دفتروں میں مُنضبط ہیں وہ اِس تعریف کے ہرگز لائق نہیں جو اُنہوں نے کوئی دقیقہ اور کوئی امر تہ میں چھُپا ہؤا

نہیں چھوڑا اور نہ ایسا بھروسہ اُن پر کرنا عقلمندی ہے۔ خواص جدید الظہور کا ایک عجیب کرشمہ ہے جو ہمیشہ قیاسی علوم کی بربادی اور بے عزتی کرتا رہا ہے اور کریگا اور جس طرح ہمارے زمانہ نے ایسے علوم جدیدہ پائے جن سے پہلے لوگ بیخبری میں گذر گئے یا باطل کو حق کہتے سو گئے ایسا ہی ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ آنے والی ذریّت اِس زمانہ کی غلطیاں نکالے اور وُہ باتیں اُن پر ظاہر ہوں جو اس زمانہ پر ظاہر نہیں ہوئیں آسمان تو آسمان ہے زمین کے خواص جاننے سے ابھی کب فراغت ہو چکی ہے۔

تو کارِ زمین رانکو ساختی ؛ کہ با آسمان نیز پرداختی

غرض علوم جدیدہ کا سلسلہ منقطع ہوتا نظر نہیں آتا شق القمر کے ایک تاریخی واقعہ سے کیوں اِتنا نفرت یا تعجب کرو۔ گذشتہ دنوں میں تو جسکو کچھ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے ایک یورپین فلاسفر کو سُورج کے ٹوٹنے کی ہی فکر پڑگئی تھی پھر شائد شگاف ہو کر مِل گیا۔ فلاسفروں کو ابھی بہت کچھ سمجھنا اور معلوم کرنا باقی ہے۔ کے آمدی کے پیر شُدی۔ ابھی تو نامِ خُدا ہے غنچہ صبا تو چھو بھی نہیں گئی ہے یہ نہایت محقق صداقت ہے کہ ہر یک چیز اپنے اندر ایک ایسی خاصیت رکھتی ہے جس سے وُہ خُدائے تعالیٰ کی غیر متناہی قُدرتوں سے اثر پذیر ہوتی رہی سو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواص اشیا ختم نہیں ہو سکتی گو ہم اُن پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں اگر ایک دانہ خشخاش کے خواص تحقیق کرنیکے لئے تمام فلاسفر اوّلین و آخرین قیامت تک اپنی دماغی قوتیں خرچ کریں تو کوئی عقلمند ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ وُہ اُن خواص پر احاطہ تام کر لیں سو یہ خیال کہ اجرام علوی یا اجسام سفلی کے خواص جس قدر بذریعۂ علمِ ہیئت یا طبعی دریافت ہو چکے ہیں اُسی قدر پر ختم ہیں اِس سے زیادہ کوئی بے سمجھی کی بات نہیں۔

اب خُلاصہ اِس تمام مقدمہ کا یہ ہے کہ قانونِ قُدرت کوئی ایسی شئے نہیں ہے کہ ایک حقیقت ثابت شدہ کے آگے ٹھہر سکے کیونکہ قانونِ قُدرت خدائے تعالیٰ کے اُن افعال سے مُراد ہے جو قُدرتی طور پر ظہور میں آئے یا آئندہ آئینگے لیکن چونکہ خُدائے تعالیٰ اپنی قدرتوں کے دکھلانے سے تھک نہیں گیا ہے اور نہ یہ کہ اب قُدرت نمائی سے بے زور ہو گیا ہے یا سو گیا ہے یا کسی طرف کو

کھسک گیا ہے یا کسی خارجی قاسر سے مجبور کیا گیا ہے اور مجبوراً آئندہ کے عجائب کاموں سے دستکش ہوگیا ہے اور ہمارے لئے وہی چند صدیوں کی کارگذاری یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ لو چھوڑ گیا ہے اس لئے ساری عقلمندی اور حکمت اور فلسفیت اور ادب اور تعلیم اسی میں ہے کہ ہم چند موجودہ مشہودہ قدرتوں کو جنہیں ابھی صدہا طور کا اجمال باقی ہے مجموعہ قوانین قدرت خیال نہ کر بیٹھیں اور اس پر نادان لوگوں کی طرح ضد نہ کریں کہ ہمارے مشاہدات سے خدائے تعالےٰ کا فعل ہرگز تجاوز نہیں کرسکتا کیونکہ یہ صرف احمقانہ دعویٰ ہے جو ہرگز ثابت نہیں کیا گیا اور نہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے مانا کہ مذہب نیچر کا نقیض نہیں ہے مگر یہ آپ کیونکر ہم سے تسلیم کراتے ہیں کہ سب خواص نیچر پر انسان محیط ہوچکا ہے کیا اس پر کوئی دلیل بھی ہے یا نرا تحکم ہی سے مونہہ بند کرنا چاہتے ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر تجارب و مشاہدات جو آجتک قلمبند ہوچکے ہیں صحیح اور کامل ہوتے تو علوم جدیدہ کو قدم رکھنے کی جگہ نہ رہتی حالانکہ آپ لوگ بھی کہا کرتے ہیں کہ علوم جدیدہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے مَیں سوچ میں ہوں کہ کیونکر ایسی چیزیں کامل اور قطعی طور پر مقیاس الصداقت یا میزان الحق ٹھہر سکتے ہیں جن کے اپنے ہی پورے طور کے انکشاف میں ابھی بہت سی منازل باقی ہیں اور اس پیچ در پیچ معمانے یہانتک حکما کو حیران اور سرگردان کر رکھا ہے کہ بعض اُن میں سے حقائق اشیا کے منکر ہی ہوگئے (منکرین حقائق کا وہی گروہ ہے جسکو سوفسطائی کہتے ہیں) اور بعض اِن میں سے یہ بھی کہہ گئے کہ اگرچہ خواص اشیاء ثابت ہیں۔ تاہم دائمی طور پر اُن کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے مگر ممکن ہے کہ کسی ارضی یا سماوی تاثیر سے کوئی چشمہ پانی کا اس خاصیت سے باہر آجائے آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے مگر ممکن ہے کہ ایک آگ بعض موجبات اندرونی یا بیرونی سے اِس خاصیت کو ظاہر نہ کرسکے کیونکہ ایسی عجائب باتیں ہمیشہ ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ حکماء کا یہ بھی قول ہے کہ بعض تاثیرات ارضی یا سماوی ہزاروں بلکہ لاکھوں برسوں کے بعد ظہور میں آتی ہیں جو ناواقف اور بےخبر لوگوں کو بطور خارق عادت معلوم دیتی ہیں اور کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں ایسا کچھ ہوتا رہتا ہے کہ کچھ عجائبات

آسمان میں یا زمین میں ظاہر ہوتے ہیں جو بڑے بڑے فیلسوفوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں اور پھر فلسفی لوگ اُنکے قطعی ثبوت اور مشاہدہ سے خیرہ اور نادم ہو کر کچھ نہ کچھ تکلفات کر کے طبعی یا ہیئت میں اُنکو گھسیڑ دیتے ہیں تا اُنکے قانون قدرت میں کچھ فرق نہ آجائے ایسا ہی یہ لوگ ادھر کے اُدھر لگا کر اور نئی باتوں کو کسی علمی قاعدہ میں جبراً دھنسا کر گذارہ کر لیتے ہیں جب تک پردار مچھلی نہیں دیکھی گئی تھی تب تک کوئی فلسفی اُس کا قائل نہ تھا اور جب تک متواتر دُم کے کٹنے سے دُم کٹے کتے پیدا نہ ہونے لگے تب تک اِس خاصیت کا کوئی فلاسفر اقراری نہ ہوا اور جب تک بعض زمینوں میں کسی سخت زلزلہ کی وجہ سے کوئی ایسی آگ نہ نکلے کہ وہ پتھروں کو پگھلا دیتی تھی مگر لکڑی کو جلا نہیں سکتی تھی تب تک فلسفی لوگ ایسی خاصیت کا آگ میں ہونا خلاف قانون قدرت سمجھتے رہے جب تک اسپی ریڈر کا آلہ نہیں نکلا تھا کس فلسفی کو معلوم تھا کہ عمل ٹرینس فیوزن آف بلڈ یعنے ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں داخل کرنا، قانون فطرت میں داخل ہے بھلا اُس فلاسفر کا نام لینا چاہیئے جو الیکٹرک مشین یعنی بجلی کی کل نکلنے سے پہلے اس بجلی لگنے کے عمل کا قائل تھا۔

فلسفی را چشم حق بین سخت نابینا بود ؎ گرچہ بیکن باشد و یا بو علی سینا بود

یہ ثابت ہو چکا ہے اور ہمیشہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جو لوگ خواہ نخواہ قانون قدرت کے پابند کہلاتے ہیں وہ اپنی رائے میں بہت کچے ہوتے ہیں اگر دس بیس معتبر اور پختہ عقلمند اور اُنکے ہم رتبہ آدمی کوئی عجیب بات بنسی کی طور پر بھی بیان کر دیں مثلاً یہ کہہ دیں کہ ہم ایک پردار آدمی کو بچشم خود دیکھ آئے ہیں یا ایک پتھر میں سے شہد مترشح ہوتا ہم نے دیکھا کیا بلکہ کھایا ہے یا آسمان سے ہم نے پھول برستے دیکھے اور پھولوں میں سے سونا نکلا یا شاید کوئی واقعہ صحیحہ ہی پیش آوے جیسے آجکل کے بعض اخباروں میں شائع کیا گیا ہے کہ یورپ کے ایک مُلک میں ایک پتھر تیس من وزنی برسا جس میں ہڈیاں بھی ملی ہوئی ہیں شاید اُن کی ہڈیاں ہیں۔ جو چاند کے کُرہ میں رہنے والے ہیں تو فی الفور فلاسفر صاحب کے دل میں ایک دھڑکا سا

شروع ہوجائیگا تو یہ دھڑکا اور اضطراب اِس کمبخت کا اِسکے نقصانِ عقل اور فہم پر صریح شہادت دیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر سرمایہ اِس کا ظن ہے کیونکہ کسی قطعی ثبوت میں انسان کبھی تردّد نہیں کرسکتا مثلاً اگر کسی زندہ آدمی کو دس بیس آدمی مل کر یہ کہیں کہ تو زندہ نہیں بلکہ مرا ہوا ہے۔ تو اِس قدر کیا وہ دس ہزار آدمی کی شہادت سے بھی اپنی زندگی سے شک میں نہیں پڑے گا بلکہ بے شمار اشخاص کا مجمع بھی اپنے حلفی گواہوں سے اُسکو اضطراب میں نہیں ڈالیگا کیونکہ اُس کو اپنی زندگی پر پُورا پُورا یقین ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فلسفہ میں جو واقعی دانا ہیں وہ تجاربِ فلسفیہ پر بہت ہی کم یقین رکھتے ہیں کیونکہ اُنکے معلومات وسیع ہیں اور اُنکو اپنے فلسفہ کی اندرونی حقیقت معلوم ہے۔

علّامہ شارح قانون جو طبیب حاذق اور بڑا بھاری فلسفی ہے ایک جگہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے جو یونانیوں میں یہ قصے بہت مشہور ہیں جو بعض عورتوں کو جو اپنے وقت میں عفیفہ اور صالحہ تھیں بغیر صحبتِ مرد کے حمل ہوکر اولاد ہوئی ہے۔ پھر علّامہ موصوف بطور رائے کے لکھتا ہے کہ یہ سب قصّے افترا پر محمول نہیں ہوسکتے کیونکہ بغیر کسی اصل صحیح کے مختلف افراد اور مہذّب قوموں میں ایسے دعاوی ہرگز فروغ نہیں پاسکتے ہیں اور نہ عورتوں کو جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ زانیہ ہونے کی حالت میں اپنے حمل کی ایسی وجہ پیش کریں جس سے اور بھی ہنسی کرائیں اور ہمیں اس بات سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ خواہ نخواہ ایسی تمام عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں جو مختلف ملکوں اور قوموں اور زمانوں میں مستورالحال گذرچکی ہیں کیونکہ طبعی قواعد کے رُو سے ایسا ہونا ممکن ہے وجہ یہ کہ بعض عورتیں جو بہت ہی نادرالوجود ہیں بباعثِ غلبۂ رجولیّت اس لائق ہوتی ہیں کہ اُنکی منی دونوں طور قوّتِ فاعلی و انفعالی رکھتی ہو۔ اور کسی سخت تحریکِ خیالِ شہوت سے جنبش میں آکر خود بخود حمل ٹھہرنے کا موجب ہوجائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے قصّے ہندوؤں میں بھی مشہور ہیں۔ سُورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کی اِنہیں قصّوں پر بُنیاد پائی جاتی ہے۔

غرض یہ خیال ہندوؤں میں بھی پرانا چلا آتا ہے یہانتک کہ رگ وید میں لکھا ہے کہ ایک نیک بخت رشی کی لڑکی کو فقط اندر دیوتا کی ہی توجہ سے حمل ہو گیا تھا اور ایسا ہی شمس و قمر سے بھی شرفا آریہ کی پاکدامن لڑکیوں کو حمل ہوتا رہا ہے۔ اب اِن قصوں اور کہانیوں کو جو بہ کثرت مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں یکمرتبہ مردود اور باطل سمجھ کر پایۂ اعتبار سے ساقط کر دینا حکیمانہ طریق نہیں ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر ان قصوں کو اِن کے زوائد سے الگ کر کے دیکھا جائے تو اُنکے نیچے وہی ایک دقیق غامضہ علمِ طبعی کا چھپا ہوا نظر آتا ہے جسکی طرف علّامہ نے اشارہ کیا ہے اور اِس بات پر ضد نہیں کرنی چاہیئے کہ اگر یہ بات کچھ حقیقت رکھتی ہے تو پھر عام طور پر کیوں وقوع میں نہیں آتی کیونکہ اوّل تو یہ سوانح ایسے نادر الوقوع نہیں ہیں جیسے آجکل کے نئے فلسفی اِنکو خیال کر رہے ہیں بلکہ مختلف قوموں میں اِس کے آثار سلسلہ وار چلے آئے ہیں۔ اگرچہ عبرانیوں میں تو صرف حضرت مسیح اِس طرز کی پیدائش میں بیان کئے گئے ہیں لیکن یونانیوں اور آریوں کی کتابوں میں اِسکی نظیریں بہت پائی جاتی ہیں اور حال کے زمانہ اور اِس کے قریب قریب بھی بعض ممالک کی عورتیں حمل دار ہو کر ایسا کچھ بیان کرتی رہی ہیں اب اِن سب قصوں کی نسبت گو کسی منکر کی کیسی ہی رائے ہو مگر صرف اُنکے نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ سب کی سب ردّ نہیں کی جا سکتی اور اُنکے ابطال پر کوئی دلیل فلسفی قائم نہیں ہو سکتی بلکہ اکثر یونانی فلسفی (آسمانوں کے ماننے والے) اور انہیں میں سے افلاطون اور ارسطو بھی اِس بات پر متفق ہیں کہ حادث چیزوں کی مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور اُنکے مختلف دَورے ہیں۔ اِسی جہت سے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں اور اِسی بنا پر ان کے مذہب کے رُو سے ممکن ہے کہ ایک دَور میں ایسی عجائب چیزیں یا عجائب شکلوں کے جانور پیدا ہوں کہ نہ تو دَور سابق میں اور نہ دور لاحق میں اُنکی نظیر پائی جائے غرض نادر الظہور اشیاء کا سلسلہ اِس وضع عالم کو لازمی پڑا ہوا ہے اور علّامۂ موصوف نے اِس مقام میں ایک تقریر بہت ہی عمدہ لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ سب انسان ایک نوع میں ہونے کیوجہ سے باہم مناسب الطبع واقعہ ہیں مگر پھر بھی اُن

میں سے بعض کو نادر طور پر کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں خاص خاص طاقتیں یا کسی اعلیٰ درجہ کی قوتیں عطا ہوتی ہیں جو عام طور پر دُوسروں میں نہیں پائی جاتیں جیسے مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ بعض نے حال کے زمانہ میں تین سو برس سے زیادہ عمر پائی ہے جو بطور خارق عادت ہے اور بعض کی قوتِ حافظہ یا قوتِ نظر ایسے کمال درجہ کو پہنچی ہے جو اُس کی نظیر نہیں پائی گئی اور اس قسم کے لوگ بہت نادر الوجود ہوتے ہیں جو صدہا یا ہزاروں برسوں کے بعد کوئی فرد اُن میں سے ظہور میں آتا ہے اور چونکہ عوام الناس کی نظر اکثر اُمور کثیر الوقوع اور متواتر الظہور پر ہُوا کرتی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی نگاہ میں جو باتیں کثیر الوقوع اور متواتر الظہور ہوں وہ بطور قاعدہ یا قانونِ قُدرت کے مانی جاتی ہیں اور اُنہیں کی سچائی پر اُنہیں اعتماد ہوتا ہے اِس لئے دُوسرے اُمور جو نادر الوقوع ہوتے ہیں وہ بمقابل اُمور کثیر الوقوع کی نہایت مضمحل اور مُشتبہ بلکہ باطل کے رنگ میں دکھائی دیتے ہیں اِسی وجہ سے عوام کیا بلکہ خواص کو بھی اُن کے وجود میں شکوک اور شُبہات پیدا ہو جاتے ہیں سو بڑی غلطی جو حُکما کو پیش آتی ہے اور بڑی بھاری ٹھوکر جو اُنکو آگے قدم رکھنے سے روکتی ہے یہ ہے کہ وہ اُمور کثیر الوقوع کے لحاظ سے نادر الوقوع کی تحقیق کے درپے نہیں ہوتے اور جو کچھ اُنکے آثار چلے آتے ہیں اُنکو صرف قصّے اور کہانیاں خیال کر کے اپنے سر پر سے ٹال دیتے ہیں حالانکہ یہ قدیم سے عادت اللہ ہے جو اُمور کثیر الوقوع کے ساتھ نادر الوقوع عجائبات بھی کبھی کبھی ظہور میں آتے رہتے ہیں اِس کی نظیریں بہت ہیں جن کا لکھنا موجبِ تطویل ہے اور حکیم بقراط نے اپنی ایک طبّی کتاب میں چند چشم دید بیماروں کا بھی حال لکھا ہے۔ جو قواعدِ طبّی اور تجربۂ اطبّاء کے رُو سے وُہ ہرگز قابلِ علاج نہیں تھے مگر اُن بیماروں نے عجیب طور پر شفا پائی جسکی نسبت اُن کا خیال ہے کہ یہ شفا بعض نادر تاثیرات ارضی یا سماوی سے ہے اسجگہ ہم اِس قدر اور لکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بات صرف نوعِ انسان میں محدود نہیں کہ کثیر الوقوع اور نادر الوقوع خواص کا اُس میں سلسلہ چلا آتا ہے بلکہ اگر غور کر کے دیکھیں تو یہ دوہرا سلسلہ ہر یک نوع میں پایا جاتا ہے مثلاً نباتات میں سے آک کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تلخ اور زہرناک

ہوتا ہے مگر کبھی مدتوں اور برسوں کے بعد ایک قسم کی نباتات اس میں پیدا ہو جاتی ہے جو نہایت شیریں اور لذیذ ہوتی ہے اب جس شخص نے اس نبات کو کبھی نہ دیکھا ہو اور معمولی قدیمی تلخی کو دیکھتا آیا ہو بے شک وہ اِس نبات کو ایک امر طبعی کی نقیض سمجھے گا ایسا ہی بعض دوسری نوع کی چیزوں میں بھی دور دراز عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی خاصہ نادر ظہور میں آجاتا ہے کچھ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ مظفر گڈھ میں ایک ایسا بکرا پیدا ہوا کہ جو بکریوں کی طرح دودھ دیتا تھا۔ جب اس کا شہر میں بہت چرچا پھیلا تو میکالف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڈھ کو بھی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے یہ ایک عجیب امر قانونِ قدرت کے برخلاف سمجھکر وہ بکرا اپنے رُوبرو منگوایا۔ چنانچہ وہ بکرا جب اُن کے رُوبرو دوہا گیا تو شاید قریب ڈیڑھ سیر دودھ کے اُس نے دیا اور پھر وہ بکرا بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر عجائب خانہ لاہور میں بھیجا گیا۔ تب ایک شاعر نے اُس پر ایک شعر بھی بنایا اور وہ یہ ہے:۔ مظفر گڈھ جہاں پر ہے مکالف صاحب عالی ۞ یہاں تک فضلِ باری ہے کہ بکرا دودھ دیتا ہے ۞ اِسکے بعد تین معتبر اور ثقہ اور معزز آدمی نے میرے پاس بیان کیا کہ ہم نے بچشمِ خود چند مردوں کو عورتوں کی طرح دودھ دیتے دیکھا ہے بلکہ ایک نے اُن میں سے کہا کہ امیر علی نام ایک سیّد کا لڑکا ہمارے گاؤں میں اپنے باپ کے دودھ سے ہی پرورش پایا تھا کیونکہ اُس کی ماں مرگئی تھی۔ ایسا ہی بعض لوگوں کا تجربہ ہے کہ کبھی ریشم کے کیڑے کی مادہ بے نر کے انڈے دیدیتی ہیں اور اُن میں سے بچے نکلتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی دیکھا کہ چوہا مٹی خشک سے پیدا ہوا جس کا آدھا دھڑ تو مٹی تھی اور آدھا چوہا بن گیا۔ حکیم فاضل قرشی یا شاید علامہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بیمار ہم نے دیکھا جس کا کان ماؤف ہو کر بہرہ ہو گیا تھا پھر کان کے نیچے ایک ناسور سا پیدا ہو گیا جو آخر وہ سوراخ سے ہو گئے اُس سوراخ کی راہ سے وہ برابر سن لیتا تھا گویا خدا نے اُسکے لئے دوسرا کان عطا کیا۔ ان دونوں طبیبوں میں سے ایک نے اور غالباً قرشی نے خود اپنی آدمی میں سوراخ ہو کر اور پھر اُس راہ سے مدت تک براز یعنے پاخانہ آتے رہنا تحریر کیا ہے۔ جالینوس سے سوال کیا گیا کہ کیا انسان آنکھوں

کی راہ سے سُن سکتا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ ہنوز تجربہ شہادت نہیں دیتا لیکن ممکن ہے کہ کوئی ایسی مشارکت کانوں اور آنکھوں کی مخفی ہو جو کسی ہاتھ کے عمل سے یا کسی سماوی موجب سے ظہور پذیر ہو کر اِس خاصیت کے ظہور کا موجب ہو جائے کیونکہ ابھی علم استدراک خواص مختتم نہیں۔ ڈاکٹر برنی آسمانے اپنے سفرنامہ کشمیر میں پیرپنجال کی چڑھائی کی تقریب بیان پر بطور ایک عجیب حکایت کے لکھا ہے جو ترجمہ کتاب مذکور کے صفحہ ۸ میں درج ہے کہ ایک جگہ پتھروں کے ہلانے جُلانے سے ہم کو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جس کو ایک نوجوان مُغل نے جو میری جان پہچان والوں میں تھا اُٹھا کر اپنی مُٹھی میں دبا لیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اُس نوجوان سوار نے اُس کا باعث یہ بیان کیا کہ میں نے اُس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر پھونک دی ہے اور اِسی عمل سے اکثر بچھوؤں کو پکڑ لیتا ہوں۔ اور صاحب کتاب فتوحات و فصوص جو ایک بڑا بھارا نامی فاضل اور علوم فلسفہ و تصوّف میں بڑا ماہر ہے وہ اپنی کتاب فتوحات میں لکھتا ہے کہ ہمارے مکان پر ایک فلسفی اور کسی دُوسرے کی خاصیت احراق آگ میں کچھ بحث ہو کر اُس دُوسرے شخص نے یہ عجیب بات دکھلائی کہ فلسفی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کوئلوں کی آگ میں جو ہمارے سامنے مجمر میں پڑی ہوئی تھی ڈال دیا اور کچھ عرصہ اپنا اور فلسفی کا ہاتھ آگ پر رہنے دیا۔ مگر آگ نے اُن دونوں ہاتھوں میں سے کسی پر ایک ذرا بھی اثر نہ کیا۔ اور راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ[1] زنبور کو پکڑ لیتا تھا اور اُسکی نیش زنی سے بکلّی محفوظ رہتا تھا۔ اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیراتِ عجیبہ آیت قرآنی کی آچکی ہیں جن سے عجائباتِ قدرت حضرت باری جل شانہٗ معلوم ہوتے ہیں۔ غرض یہ عجائب خانہ دُنیا کا بے شمار عجائبات سے بھرا ہوا ہے جو دانا اور شریف حکیم گذرے ہیں اُنہوں نے اپنے چند معدود معلومات پر ہرگز ناز نہیں کیا اور وہ اس بات کو بہت بے شرمی اور گستاخی سمجھتے رہے ہیں کہ اپنے محدود تجربہ کا نام

[1] الشعراء: ۱۳۱

خدائے تعالیٰ کا قانونِ قدرت رکھیں مگر اُنکے مُقلّد بباعث اپنی خامی اور ناتمامی کے سخت درجہ پر قانونِ قدرت کے قائل بلکہ غلام پائے جاتے ہیں سو یہ اُسی مثل کا مصداق ہے کہ در پدر شیرینی بسیار است لیکن پسر گرمی دار است۔ بالخصوص اس زمانہ کے نَوآموز لڑکوں میں قانونِ قدرت کا خیال واجبی حد سے بڑھ گیا ہے اکثر ناتقیدا ور آوارہ طبع اور ملحدانہ طبیعت کے آدمی ان کم فہم لڑکوں کو بگاڑتے جاتے ہیں جنکی نادانی اور سادہ لوحی رحم کے لائق ہے۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر خواصِ قدرتیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو اُس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ آئندہ خواصِ جدیدہ ظہور میں نہ آویں۔ اور اگر ابھی خاتمہ نہیں ہوا اور نئے انکشافات اور تازہ معلومات کے کھلنے کی اُمید ہے تو پھر کیوں ایک نئی بات کو سنتے ہی بکری کی طرح انکار میں گردن ہلادیں خدا نے انکو یہ سمجھ نہیں دی کہ عجائبات الٰہی کا میدان جو زنگارنگ اور بے انتہا چشموں اور کہولوں اور آبشاروں سے آبپاشی پودہ نفس ناطقہ انسان کے لئے پُر ہے وہ کیونکر تجارب محدودہ کی ظرف تنگ میں سما سکتا ہے اور اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتیں اُسی حد تک ختم اور خرچ ہو چکی ہیں جو ہمیں معلوم ہے تو پھر اس سے کیونکر خدائے تعالیٰ کا اپنی ذات اور اپنی قدرتوں اور اپنی حکمتوں میں بے انتہا ہونا قائم رہ سکتا ہے اُس کی غیر محدود حکمتوں اور قدرتوں کو سمجھنے کے لئے یہی ایک تو راہ ہے کہ ایک ذرہ کے موافق بھی اگر کوئی چیز ہو تو اُس پر اگر تمام انسانی عقلیں قیامت تک غور کریں تو اُسکے عجائبات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتیں کیا جس نے یہ پُر بہار آسمان جو مہر و ماہ اور ستاروں کے چراغوں سے سج رہا ہے اور یہ رشکِ گلزار زمین جو زنگارنگ مخلوقات سے آباد ہو رہی ہے بغیر ایک ذرہ مشقت اُٹھانے کے صرف اپنے ارادہ سے پیدا کر دیا اُسکی قدرتوں کا کوئی انتہا پا سکتا ہے۔ اور یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ جبتک علوم و خواص جدیدۃ الظہور کی اِس عالم بے ثبات کے ساتھ دُم لگی ہوئی ہے تب تک کوئی دانا اپنے معلومات محدودہ و معدودہ کو قانونِ قدرت کے نام سے موسوم نہیں کر سکتا اور خود ہمیں اپنی اِس غیر مستقل اور اوباشانہ عادت سے شرمندہ ہونا چاہیئے کہ اوّل ہم کسی بات کے عدم امکان پر ایسا سخت اصرار کریں کہ گویا خدائے تعالیٰ کو اُس کی خدائی کے

کاموں سے ہی جواب دیدیں اور پھر اُسی بات کا وقوع اور ظہور اور ثبوت دیکھکر اُسی مونہہ سے یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہاں یہ قانونِ قدرت میں ہی داخل ہے ایسے لوگ جن میں فطرتی طور پر مادہ حیا کا کم پایا جاتا ہے وہ اگر یہ سیرت اختیار رکھیں تو انہیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر ایک با عزت اور باتہذیب باتربیت جنٹلمین یہ طریقہ متزلزلہ اختیار کرے جو اُسے بیسوں مرتبہ سخت انکار کے بعد اقرار کرنا پڑے تو البتہ یہ افسوس کا مقام ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے مجربات و مشاہدات کا اعتبار نہ کریں تو پھر سب علوم ضائع ہوجائیں گے مگر میں انکے جواب میں بجز اس دعا کے کہ خدائے قادرِ مطلق انکو حقیقت شناسی کی سمجھ بخش اور کیا کہہ سکتا ہوں کیا خواص جدیدہ کے پیدا ہونے سے پہلے علوم ضائع ہوجایا کرتے ہیں مثلاً آگ بالخاصیت محرق ہے سو اس خاصیت کو بارہا ہم تم آزما چکے ہیں بلکہ یہ خاصیت ہمارے مجربات و مشاہدات متواترہ میں سے ہی مگر باایں ہمہ یہی ممکن ہے کہ کوئی ایسی دوا یا روغن پیدا ہو کہ جب وہ کسی عضو یا کسی اور چیز پر لگایا جائے تو آگ اپنی خاصیت احراق اُسپر ظاہر نہ کرسکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود آگ میں ہی باذنہ تعالیٰ کسی اندرونی یا بیرونی حوادث سے یہ صورت پیدا ہوجائے ایسا ہی یہ بھی ممکنات میں سے ہے کہ کوئی اس قسم کی آگ زمین سے یا آسمان سے پیدا ہو جو اپنے خواص میں اس آگ سے اختلاف رکھتی ہو جیسی نارِ حجاز جسکے نکلنے کی خبر چھ سو باون برس پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جو صحیح بخاری اور مسلم میں پانسو برس پہلے ظہور سے مندرج اور شائع ہوچکی تھی۔ غرض صدہا ایسی صورتیں تاثیرات ارضی یا سماوی اور موجباتِ اندرونی یا بیرونی سے ظہور میں آسکتی ہیں کہ جو ایک چیز کی خاصیت موجودہ مجربہ میں خلل انداز ہوسکیں اور علوم جدیدہ کا دروازہ جو نہایت وسیع اور غیر متناہی طور پر کھلا ہوا ہے وہ اسی بنا پر تو ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم بے سمجھے سوچے میری بات کو اپنی رائے کی بنیاد قرار دو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ تم خوب جانچو اور پرکھو اور کھوٹے کھرے میں تمیز کرو اور جو کچھ زمانہ تمہیں دکھلا رہا ہے اُسے اچھی طرح آنکھیں کھولکر دیکھو پھر اگر یہی رائے غالب اور فائق نظر آوے تو اے ہمارے ملک کے نوجوانوں اُسے قبول کرو۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند　جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

میری رائے میں فلسفیوں سے بڑھ کر اور کسی قوم کی دلی حالت خراب نہ ہوگی۔ خدا میں اور بندہ میں وہ چیز جو بہت جلد جدائی ڈالتی ہے وہ شوخی اور خود بینی اور متکبری ہے سو وہ اس قوم کے اصول کو ایسی لازم پڑی ہوتی ہے کہ گویا انہیں کے حصہ میں آ گئی ہے یہ لوگ خدائے تعالیٰ کی قدرتوں پر حاکمانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور جس کے مونہہ سے اسکے برخلاف کچھ سُنتے ہیں اس کو نہایت تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ نوخیزوں کے عام خیالات اسی طرف بڑھتے جاتے ہیں یہ کسی قوی دلیل کا اثر نہیں بلکہ ہمارے مُلک کے لوگوں میں بھیڑیا چال چلنے کا بہت سا مادہ موجود ہے جس سے تعلیم یافتہ جماعت بھی مستثنیٰ نہیں سو اس فطرت اور عادت کے جو لوگ ہیں وہ ایک بڑی ڈھاری والے کو گڑھے میں پڑا ہُوا دیکھ کر فی الفور اس میں کُود پڑتے ہیں اور اس سے بڑھکر انکے ہاتھ میں اور کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ یہ فلاں عقلمند کا قول ہے۔ غرض زہرناک ہَوا کے چلنے سے کمزور لوگ بہت جلد ہلاک ہوتے ہیں لیکن ایک روشن دل آدمی جسکی فطرت میں خدائے تعالیٰ نے وسعتِ علمی کی استعداد رکھی ہوئی ہے۔ وہ ایسے خیالات کو کہ خدائے تعالیٰ کے اسرار پر احاطہ کرنا کسی انسان کا کام ہے بغاثت درجہ عقل و ایمان سے دُور سمجھتا ہے۔ واقعی جتنا انسان عجائبات غیر متناہیہ حضرتِ باری جلّ شانہٗ پر اطلاع پاتا ہے اُتنا ہی غرور اور گھمنڈ اُس کا ٹوٹ جاتا ہے اور نئے طالبعلموں کی شوخیاں اور بے راہیاں اُسکے دل و دماغ سے جاتی رہتی ہیں اور مُدت دراز تک ٹھوکریں کھانے کی وجہ سے ابتدائی حالت کے تہ و بالا ہوئے ہوئے خیالات کچھ کچھ رو براہ ہوتے جاتے ہیں جیسے ایک بڑے فلاسفر کا قول ہے کہ مَیں نے علم اور تجربہ میں ترقیات کیں یہانتک کہ آخری علم اور تجربہ یہ تھا کہ مجھ میں کچھ علم اور تجربہ نہیں سچ ہے دریائے غیر متناہی علم و قدرت باری جلّ شانہٗ کے آگے ذرہ ناچیز انسان کی کیا حقیقت ہے کہ دم مارے اور اُس کا علم اور تجربہ کیا شَے ہے تا اُس پر ناز کرے۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا[1] کیا عمدہ اور صاف اور پاک اور خدائے تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کے موافق یہ عقیدہ

[1] البقرۃ: ۳۳

ہے کہ جو کچھ اُس سے ہونا ثابت ہے وُہ قبول کیا جائے اور جو کچھ آئندہ ثابت ہو اُسکے قبول کرنے کے لئے آمادہ رہیں اور بجز اُمور منافی صفاتِ کمالیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ سب کاموں پر اُس کو قادر سمجھا جائے اور امکانی طور پر سب ممکناتِ قدرت پر ایمان لایا جائے یہی طریق اہلِ حق ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی قبول کیجاتی ہے اور ایمانی صورت بھی محفوظ رہتی ہے جس پر ثواب پانے کا تمام مدار ہے۔ نہ یہ کہ چند محدود باتیں اُس غیر محدود کی گلے کا ہار بنائی جائیں اور یہ خیال کیا جائے کہ گویا اُس نے اپنے ازلی ابدی زمانہ میں ہمیشہ اسیقدر قدرتوں میں اپنی جمیع طاقتوں کو محدود کر رکھا ہے یا اِسی حد پر کسی قاسر سے مجبور ہو رہا ہے اگر خدائے تعالیٰ ایسا ہی محدود القدرت ہوتا تو اُسکے بندوں کیلئے بڑے ماتم اور مصیبت کی جگہ تھی وہ عظیم الشان قدرتوں والا اپنی ذات و صفات میں لایدرک و لا انتہا ہے کون جانتا ہے کہ اُس نے پہلے کیا کیا کام کیا اور آئندہ کیا کیا کریگا تعالیٰ اللہ علوًا کبیرًا۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ اِس سے بڑھ کر کوئی بھی گمراہی نہیں کہ انسان اپنی عقل کے پیمانہ سے باری عزّ اسمہٗ کے مُلک کو ناپنا چاہے یہ بیانات بہت صاف ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقّت نہیں لیکن بڑے مشکل کی یہ بات ہے کہ دُنیا پرست آدمی جس کی نظر دُنیا کی مدح و ذم پر لگی ہوئی ہے وہ جب ایک رائے اپنی قائم کرکے مشہور کر دیتا ہے تو پھر اُس رائے کا چھوڑنا خواہ کیسی ہی وجوہات بیّنہ مخالف رائے نکل آویں، اُس پر بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر جب، ایسے غلط خیالات میں چند نامی عُقلاء مُبتلا ہو جائیں تو ادنیٰ استعداد کے آدمی اُن خیالات کی تقلید کرنا اور بے سوچے سمجھے اُس پر قدم مارنا اپنی عقلمندی ثابت کرنے کیلئے ایک ذریعہ سمجھ لیتے ہیں فلسفی تقلید ہمیشہ اسی طرح پھیلتی رہی ہے کم استعداد لوگ جو بچوں کی سی کمزوری رکھتے ہیں وہ بڑے بابا کا مونہہ دیکھ کر وہی باتیں کہنے لگتے ہیں جو اُس بزرگ کے مونہہ سے نکلیں گو وُہ واقعی ہوں یا غیر واقعی۔ اور صحیح ہوں یا غیر صحیح۔ اُن کو اپنی سمجھ تو ہوتی ہی نہیں ناچار وہ کسی نامی صیاد کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔ واقعی جتنا انسان تقلید سے نفرت کرکے بھاگتا ہے اُتنا ہی تقلید میں بار بار پڑتا ہے۔

اِس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ اگر سب اُمور قوانین ازلیّہ وابدیّہ میں داخل ہیں یعنے پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں تو پھر معجزات کیا شیئے ہیں سو جاننا چاہیئے کہ بیشک یہ تو سچ ہے کہ قوانین ازلیّہ وابدیّہ سے یا یُوں کہو کہ خدائے تعالیٰ کے ازلی ارادہ اور اُسکے قضاو قدر سے کوئی چیز باہر نہیں گو ہم اُس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں۔ جف القلم بما ھو کائن مگر اسی عادت الہیّہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانونِ قُدرت سے موسوم ہو سکتی ہے۔ بعض چیزوں کے ظہور کو بعض کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے پس جو اُمور ازلی ابدی ارادہ نے مُقدسوں کی دُعاؤں اور اُنکی برکاتِ انفاس اور اُنکی توجہ اور اُنکی عقدہمّت اور اُنکے اقبالِ تام سے وابستہ کر رکھے ہیں اور انکے تضرعات اور ابتہالات پر مُترتّب کی جاتی ہیں وہ اُمور جب اُنہیں شرائط اور اُنہیں وسائل سے ظہور میں آتے ہیں تب اُن اُمور کو اُس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارقِ عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس جگہ خارق عادت کے لفظ سے اِس شُبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ کونسا امر ہے جو عادتِ الٰہیّہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارقِ عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے یعنے یوں تو عاداتِ ازلیّہ وابدیّہ خدائے کریم جلّ شانہٗ سے کوئی چیز باہر نہیں مگر اُس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں۔ دو طور کی ہیں ایک عاداتِ عامہ جو رُوپوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں دوسری عاداتِ خاصہ جو بتوسّطِ اسباب اور بلا توسّطِ اسباب خاص اُن لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اُسکی محبت اور رضا میں کھوئی جاتی ہیں یعنے جب انسان بکلّی خدائے تعالیٰ کی طرف انقطاع کرکے اپنی عاداتِ بشریہ کو استرضاءِ حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اُسکی اُس حالتِ مُبدّلہ کے موافق اُسکے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دُوسروں سے نہیں کرتا یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارقِ عادت ہے جسکی حقیقت اُنہیں پر کھلتی ہے جو عنایتِ الٰہی سے اُس طرف کھینچے جاتے ہیں۔ جب اِنسان اپنی بشری عادتوں کو جو اُس میں اور اُسکے ربّ میں حائل ہیں شوقِ توصّلِ الٰہی میں توڑتا ہے تو خدائے تعالیٰ بھی اپنی عام عادتوں کو اُس کے لئے توڑ دیتا ہے یہ توڑنا بھی عاداتِ

ازلیّہ میں سے ہے کوئی مستحدث نہیں ہے جو مورد اعتراض ہوسکے گویا قدیم قانون حضرتِ احدیّت جلّ شانہٗ اسی طور پر چلا آتا ہے کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسا خدائے تعالیٰ پر بڑھتا ہے ایسا ہی اُس طرف سے الوہیّت کی قدرتوں کی چمکار اور اُس کی کرنیں زیادہ سے زیادہ اُسپر پڑتی ہیں اور جیسے جیسے اِس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے ایسا ہی اُس طرف سے بھی کامل اور طیّب برکتیں ظاہر و باطن پر اُترتی ہیں اور جیسی جیسی محبّتِ الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اٹھتی ہیں ایسا ہی اُس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفّاف دریائے محبّت کا زور شور سے چھوٹتا ہے اور دائرہ کی طرح اُس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے اور اپنے الٰہی زور سے کھینچکر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبّت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اُس دو طرفہ صفائی محبّت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے کہ دونوں طرف سے آثارِ خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام النّاس کی نسبت معاملہ خارق عادت رکھتا ہے جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جسکو نسبتی طور پر خارقِ عادت کہہ سکتے ہیں تو اُسی دم سے وُہی قدیم خدا اپنی تجلّیاتِ نادرہ کے رُو سے ایک نیا خُدا اُسکے لئے ہو جاتا ہے اور وہ عادتیں اُس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ خوارق کی کل جس سے عجائباتِ قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے اور وہ سچی تبدیلی یہانتک آثارِ نمایاں دکھاتی ہے کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے ظہورِ محبّت دل پر استیلا پکڑتا ہے اور عشقِ الٰہی کے پُر زور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں کہ اُس عجیب حالت میں اگر وُہ آگ میں ڈالا جائے تو آگ اُسپر کچھ اثر نہیں کر سکتی اگر وُہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھوں کے آگے پھینک دیا جائے تو وُہ اُس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اُس وقت وُہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلّیات سے بشریّت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اَور ہو جاتا ہے اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر

اُس کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے اسی طرح یہ بھی آتش محبت الٰہی کے ایک سخت استیلا سے کچھ کچھ اُس طاقتِ عقلی کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے جو اُس پر محیط ہو گئی ہے سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ عبودیت پر ربوبیت کا کامل اثر پڑنے سے اُس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو کیونکہ اگر لوہا آگ میں تپانے سے کسی قدر خاصہ آگ کا ظاہر کرنے لگے تو یہ امر سراسر مطابق قانون قدرت ہے لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اُسی پہلی حالت پر رہے اور کوئی خاصیت جدید اُسمیں پیدا نہ ہو تو یہ عند العقل صریح باطل ہے سو فلاسفی تجارب بھی اُن خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں اس پر عارفانہ رُوح لیکر غور کرو۔ کیا بدنصیب وہ شخص ہے جو اِس کو افسانہ سمجھے اور غور نہ کرے۔ اِس حالتِ خارقہ کو عارف کا دل جو مُبدّل ہے خوب شناخت کرتا ہے۔ دُنیا اِس حالت سے غافل ہے اور انکار کرتی ہے پر وُہ جو اِس مرتبہ تک پہنچا ہے وُہ اِس یقینی صداقت کے تصوّر سے سرور میں ہے۔ یہ تجلیات الٰہیہ کا ایک دقیق بھید ہے اور اعلیٰ درجہ کا رازِ معرفت ہے اور انسانی رُوح کے تعلّقات جو در پردہ اپنے ربّ کریم سے نہایت نازک اور لا یُدرک طور پر واقعہ ہیں وُہ اِسی نقطہ پر آکر کھلتے ہیں اور اسی نقطہ پر ایک طرفۃ العین کے لئے بندہ کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اسکی آنکھیں خُدا کی آنکھیں اور اُسکی زبان خدا کی زبان کہلاتی ہے اور ربوبیت کی چادر ذرّہ عبودیت پر پڑ کر اُسکو اپنے انوار میں متواری اور اپنی پُر زور موجوں کے نیچے گُم کر دیتی ہے۔ فلسفیوں کی پُر غرور رُوحیں اِس انتہائی مرتبہ کے دریافت کرنے سے بے نصیب گئیں اور خدائے عزّ و جلّ نے دل کے غریب اور سادہ لوگوں کو یہ حالتیں دکھادیں اور اُن پر وارد کر دیں وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اب خلاصۂ کلام یہ کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں بہت سی عجائب رحمتیں اور بہت سی نادر وفاداریاں ہیں مگر کھلے کھلے طور پر اُنہیں پر ظاہر ہوتی ہیں کہ جو لوگ اُسی کے ہو جاتے ہیں اور اُسی کے ہو رہتے ہیں اور اُس ایک کے پانے کے لئے بہتوں کی جُدائی اختیار کرتے ہیں خاک میں گرتے ہیں تا وُہ پکڑ لے

نام ونشان سب کھو دیتے ہیں تا وہ راضی ہو جاوے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَ اَدْخِلْنَا فِیْ عِبَادِكَ الْمُخْلَصِیْنَ۔ اٰمِیْن۔

جنسِ نام ونشانِ عزّت را ز داماں ریختیم
یار آمیزد مگر باما بہ خاک آمیختیم

دل بداد یم ازکف وجاں در رہے انداختیم
از پئے وصلِ نگاری حیلہ ہا انگیختیم

اب ہم وہ مباحثہ مذہبی جو مابین ہمارے اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر کے بالمواجہ وقوع میں آیا ذیل میں درج کرتے ہیں۔

وہ یہ ہے

اعتراض از طرف لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر

مَیں نے اِس وقت چھ سوال پوچھنے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی معجزے دکھلاتے رہے ہیں چنانچہ حضرت محمدؐ صاحب نے چاند کے دو ٹکڑے کرکے دونوں آستینوں سے نکال دیا۔ سو یہ امر قانونِ قدرت کے برخلاف ہے کہ ایک شَے ہزاروں میل لمبی چوڑی یا ہزاروں میل قطر والی چھ انچ یا ایک فٹ کے سوراخ سے نکل جاوے اور چاند جو ہماری گردش زمین کے گرد کرتا ہے وہ اپنی گردش کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو جائے جس سے انتظامِ عالم میں ہی فرق آجائے۔ اور پھر علاوہ اِس کے سوائے دو چار شخصوں کے کوئی نہ دیکھے۔ کیونکہ کسی مُلک میں مثلاً ہندوستان چین برہما وغیرہ کی تاریخوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں پایا جاتا۔ اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ باتیں بالکل بناوٹی ہیں اگر اصلی ہیں تو ان کا کیا ثبوت ہے۔ مرلیدھر

جواب از مؤلف رسالہ ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماسٹر صاحب نے جو معجزہ شق القمر پر اعتراض کیا ہے کہ شق قمر ہونا خلافِ عقل

ہے اور دُوسرے یہ کہ آستین میں سے چاند کا دو ٹکڑے ہو کر نکل جانا صریح عقل کے برخلاف ہے۔ اسکے جواب میں واضح ہو کہ یہ اعتراض کہ کیونکر چاند دو ٹکڑے ہو کر آستین میں سے نکل گیا تھا یہ سراسر بے بُنیاد اور باطل ہے کیونکہ ہم لوگوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین میں سے نکلا تھا اور نہ یہ ذکر قرآن شریف میں یا حدیث صحیح میں ہے اور اگر کسی جگہ قرآن یا حدیث میں ایسا ذکر آیا ہے تو وہ پیش کرنا چاہیئے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی آریہ صاحبوں پر یہ اعتراض کرے کہ آپ کے یہاں لکھا ہے کہ مہاں دیوجی کی لٹوں سے گنگا نکلی ہے۔ پس جس اعتراض کی ہمارے قرآن یا حدیث میں کچھ بھی اصلیّت نہیں اُس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ ماسٹر صاحب کو اُصول اور کُتب معتبرہ اسلام سے کچھ بھی واقفیّت نہیں۔ بھلا اگر یہ اعتراض ماسٹر صاحب کا کسی اصل صحیح پر مبنی ہے تو لازم ہے کہ ماسٹر صاحب اِسی جلسہ میں وُہ آیت قرآن شریف پیش کریں جس میں ایسا مضمون درج ہے یا اگر آیت قرآن نہ ہو تو کوئی حدیث صحیح ہی پیش کریں جس میں ایسا کچھ بیان کیا گیا ہو۔ اور اگر بیان نہ کرسکیں تو ماسٹر صاحب کو ایسا اعتراض کرنے سے متندّم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ منصب بحث ایسے شخص کے لئے زیبا ہے جو فریق ثانی کے مذہب سے کچھ واقفیّت رکھتا ہو۔ باقی رہا یہ سوال کہ شق قمر ماسٹر صاحب کے زعم میں خلافِ عقل ہے جس سے انتظام مُلکی میں خلل پڑتا ہے یہ ماسٹر صاحب کا خیال سراسر قلّتِ تدبّر سے ناشی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ جل شانہٗ جو کام صرف قدرت نمائی کے طور پر کرتا ہے وہ کام سراسر قدرتِ کاملہ کی ہی وجہ سے ہوتا ہے نہ قدرتِ ناقصہ کی وجہ سے یعنے جس ذاتِ قادرِ مطلق کو یہ اختیار اور قدرت حاصل ہے کہ چاند کو دو ٹکڑہ کرسکے اُسکو یہ بھی تو قدرت حاصل ہے کہ ایسے پُرحکمت طور سے یہ فعل ظہور میں لادے کہ اُس کے انتظام میں بھی کوئی خلل عائد نہ ہو۔ اِسی وجہ سے تو وہ سرب سکتی مان اور قادرِ مُطلق

کہلاتا ہے اور اگر وہ قادرِ مطلق نہ ہوتا تو اُس کا دُنیا میں کوئی کام نہ چل سکتا۔ ہاں یہ شناعت عقلی آریوں کے اکثر عقائد میں جابجا پائی جاتی ہے جس سے ایک طرف تو اُن کے اعتقادات سراسر خلافِ عقل معلوم ہوتے ہیں اور دوسری طرف خلافِ قدرت وعظمتِ الٰہی بھی جیسے روحوں اور اجزاء صغار عالم کا غیر مخلوق اور قدیم اور انادی ہونا اُصول آریہ سماج کا ہے۔ اور یہ اُصول صریح خلافِ عقل ہے اگر ایسا ہو تو پرمیشر کی طرح ہر ایک چیز واجب الوجود ٹھہر جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں رہتی بلکہ کاروبار دین کا سب کا سب ابتر اور خلل پذیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم سب کے سب خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی ہی ہیں تو پھر خدائے تعالےٰ کا ہم پر کونسا حق ہے اور کیوں وہ ہم سے اپنی عبادت اور پرستش اور شکرگذاری چاہتا ہے اور کیوں گناہ کرنے سے ہم کو سزا دینے کو طیار ہوتا ہے اور جس حالت میں ہماری روحانی بینائی اور رُوحانی تمام قوتیں خود بخود قدیم سے ہیں تو پھر ہم کو فانی قوتوں کے پیدا ہونے کے لئے کیوں پرمیشر کی حاجت ٹھہری۔ غرض خلافِ عقل بات اگر تلاش کرنی ہو تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں جو خدائے تعالیٰ کو اوّل اپنا خدا کہکر پھر اُس کو خدائی کے کاموں سے الگ رکھا جائے۔ لیکن جو کام خدائے تعالیٰ کا صرف قُدرت سے متعلق ہے اُس پر وہ شخص اعتراض کرسکتا ہے کہ اوّل خدائے تعالیٰ کی تمام قُدرتوں پر اُس نے احاطہ کر لیا ہو۔ اور اِس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ مسئلہ شق القمر ایک تاریخی واقعہ ہے جو قرآنِ شریف میں درج ہے اور ظاہر ہے کہ قرآنِ شریف ایک ایسی کتاب ہے جو آیت آیت اُسکی بروقت نزول ہزاروں مُسلمانوں اور مُنکروں کو سُنائی جاتی تھی اور اُسی کی تبلیغ ہوتی تھی اور صدہا اُسکے حافظ تھے مُسلمان لوگ نماز اور خارج نماز میں اُس کو پڑھتے تھے پس جس حالت میں صریح قرآن شریف میں وارد ہوا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور جب کافروں نے یہ نشان دیکھا تو کہا کہ جادُو ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا

وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[1] تو اس صورت میں اُس وقت کے منکرین پر لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جاتے اور کہتے کہ آپ نے کب اور کس وقت چاند کو دو ٹکڑے کیا اور کب اُسکو ہم نے دیکھا لیکن جس حالت میں بعد مشہور اور شائع ہونے اِس آیت کے سب مخالفین چپ رہے اور کسی نے دم بھی نہ مارا تو صاف ظاہر ہے کہ اُنہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ضرور دیکھا تھا تب ہی تو اُن کو چون وچرا کرنے کی گنجائش نہ رہی غرض یہ بات بہت صاف اور ایک راست طبع محقق کے لئے بہت فائدہ مند ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جھوٹا معجزہ بحوالہ اپنے مخالفوں کی گواہی کے لکھ نہیں سکتے تھے اور اگر کچھ جھوٹ لکھتے تو اُنکے مخالف ہمعصر اور ہم شہر اس زمانہ کے اُسے کب پیش جانے دیتے۔ علاوہ اِس کے سوچنا چاہیئے کہ وہ مُسلمان لوگ جن کو یہ آیت سنائی گئی اور سنائی جاتی تھی وہ بھی تو ہزاروں آدمی تھے اور ہر یک شخص اپنے دل سے یہ محکم گواہی پاتا ہے کہ اگر کسی پیر یا مُرشد یا پیغمبر سے کوئی امر محض دروغ اور افترا ظہور میں آوے تو سارا اعتقاد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسا شخص ہر ایک شخص کی نظر میں بُرا معلوم ہونے لگتا ہے، اس صُورت میں صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا تھا اور افترا محض تھا تو چاہیئے تھا کہ ہزار ہا مُسلمان جو آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے ایسے کذب صریح کو دیکھ کر یکلخت سارے کے سارے مُرتد ہو جاتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اِن باتوں میں سے کوئی بات بھی ظہور میں نہیں آئی پس اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ شق القمر ضرور وقوع میں آیا تھا۔ ہر یک منصف اپنے دل میں سوچ کر دیکھ لے کہ کیا تاریخی طور پر یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ معجزہ شق القمر اُسی زمانہ میں بحوالہ شہادت مخالفین قرآن شریف میں لکھا گیا اور شائع کیا گیا اور پھر سب مخالف اُس مضمون کو سُنکر چُپ رہے کسی نے تحریر یا تقریر سے اُس کا رد نہ کیا اور ہزاروں مُسلمان اُس زمانہ کی رویت کی گواہی دیتے رہے اور یہ بات ہم مکرّر لکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت اللہ پر اعتراض کرنا خود ایک وجہ سے انکار خدائے تعالیٰ ہے کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ

[1] القمر: ۲-۳

کی قدرت مطلقہ کو نہ مانا جائے اور حسب اصول تناسخ آریہ صاحبان یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جب تک زید نہ مرے بکر ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا۔ اِس صورت میں تمام خدائی اُسکی باطل ہوجاتی ہے بلکہ اعتقاد صحیح اور حق یہی ہے کہ پرمیشر کو سرب شکتی مان اور قادر مطلق تسلیم کیا جائے اور اپنے ناقص ذہن اور ناتمام تجربہ کو قدرت کے بے انتہا اسرار کا محک امتحان نہ بنایا جائے ورنہ ہمہ دانی کے دعوےٰ پر اِس قدر اعتراض وارد ہونگے اور ایسی خجالتیں اُٹھانی پڑینگی کہ جنکا کچھ ٹھکانا نہیں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو بات اپنی عقل سے بلند تر دیکھتا ہے اُس کو خلافِ عقل سمجھ لیتا ہے حالانکہ بلند تر از عقل ہونا شیئے دیگر ہے اور خلافِ عقل ہونا شیئے دیگر۔ بھلا مَیں ماسٹر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اِس بات پر قادر رہتا یا نہیں کہ جس قدر اب جرم قمری مشہود و محسوس ہے اِس سے آدھے سے بھی کام لے سکتا اور اگر قادر نہیں تو اُس پر عقلی دلیل جو عند العقل تسلیم ہوسکے کونسی ہے اور کس کتاب میں لکھی ہے تو جس حالت میں معجزہ شق القمر میں یہ بات ماخوذ ہے کہ ایک ٹکڑا اپنی حالت معہودہ پر رہا اور ایک اُس سے الگ ہوگیا وہ بھی ایک یا آدھ منٹ تک یا اِس سے بھی کم۔ تو اِس میں کونسا استبعاد عقلی ہے اور بفرضِ محال اگر استبعاد عقلی بھی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ عقل ناقص انسان کی ہر یک کام ربّانی تک کب پہنچ سکتی ہے بھلا آپ ہی تبلا دیں کہ یہ مسئلہ جو آپ کے اصول کے رُو سے ستیارتھ پرکاش میں پنڈت دیانند صاحب نے لکھا ہے کہ رُوح انسانی اوس کی طرح کسی گھاس پات وغیرہ پر گرتی ہے پھر اُس کو کوئی عورت کھالیتی ہے اُس سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہ کس قدر عقل کے برخلاف اور تمام اطبّاء اور فلاسفہ کی تحقیق کے مخالف ہے ÷ کیونکہ ظاہر ہے کہ بچہ صرف عورت ہی کی منی سے پیدا نہیں ہوتا

÷ **حاشیہ** لالہ مرلیدہر صاحب ڈرائینگ ماسٹر نے چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے جلسہ بحث میں جسمیں راقم رسالہ ہذا کا حق تھا کہ پہلے اپنا اعتراض پیش کرے وقت کو ناحق ضائع کرنے کے لئے گیارا ں مارچ ۸۶ء

بلکہ عورت اور مرد دونوں کی منی سے پیدا ہوتا ہے اور اُس کے اخلاقِ رُوحانی بھی صرف ماں سے مشابہت نہیں رکھتے بلکہ ماں اور باپ دونوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ تو پھر یہ اعتقاد کس قدر نامعقول اور خلافِ عقل ہے کہ گویا ایک عورت کی غذا میں ہی وہ رُوح مخلوط ہو کر کھائی جاتی ہے اور مرد اُس سے محروم رہ جاتا ہے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ کیا رُوح کوئی جسم کی قسم ہے کہ جسم سے مخلوط ہو جاتی ہے دیکھو کس قدر یہ اُصول بعید از عقل ہے۔ ماسوا اس کے زمین کے نیچے سے ہزاروں جانور زندہ نکلتے ہیں اور بہت سی چیزوں میں سیکڑوں برسوں کے بعد کیڑے پڑ جاتے ہیں ان چیزوں میں کہاں سے اور کس راہ سے رُوح آجاتی ہے۔ غرض اگر آپ یہ دعویٰ نہ کرتے کہ جو امر بظاہر برتر از عقل معلوم ہو وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ آپ پر

بقیہ حاشیہ کے بحث کے متعلق ایک فضول جھگڑا شروع کر دیا اور چند سطریں مندرجہ ذیل لکھ کر اور اُن پر اپنے دستخط کر کے جلسہ عام میں ایک بڑے جوش سے کھڑے ہو کر سنائیں اور وہ یہ ہیں۔

آج پہلے اِسکے کہ مَیں کوئی نیا سوال پیش کروں مرزا صاحب کی پہلے روز کی تقریر میں سے وہ حصہ جو اُنہوں نے فرمایا ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ رُوحیں اوس وغیرہ پر پھیلتی ہیں اور عورتیں کھاتی ہیں تو آدمی پیدا ہوتے ہیں پیش کرتا ہوں یہ ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں اگر ہے تو ستیارتھ پرکاش میں دیتا ہوں اس میں سے نکال کر دکھلا دیں۔ تا کہ سچ اور جھوٹ کی ترقی لوگ کر لیں۔

۱۴؍ مارچ ۱۸۸۶ء۔ مرلیدھر ڈرائنگ ماسٹر

اِس کے جواب میں اوّل تو مَیں نے یہ کہا پہلے روز کی تقریر اُسی روز کے ساتھ ختم ہوتی۔ آپ پر لازم تھا کہ اُسی روز جھگڑا شروع کرتے اب یہ کیونکر ہو جلسہ بحث میں

اعتراض کرتے۔ لیکن اب تو ماسٹر صاحب آپ پر فرض ہوگیا کہ اوّل اپنے گھر کی باتوں کو (جو صریح خلافِ عقل معلوم ہوتی ہیں) عقل کے رُو سے ثابت کرلیں پھر کسی دُوسرے پر اعتراض کریں بھلا جس حالت میں آپ کے نزدیک رُوح بھی ایک باریک جسم ہے جو اوس یعنے شبنم کی طرح ہوکر آسمان سے گرتی ہے تو آپ پر یہ بھی سوال وارد ہوگا کہ انڈے میں جب بچہ مرجاتا ہے تو وُہ کس راہ سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر جب اُس لاش یا میّت میں اندر ہی اندر کیڑے پڑجاتے ہیں تو وُہ کس راہ سے آتے ہیں پانی کے کیڑے اور ہوا کے کیڑے اور پھلوں کے کیڑے کس اوس سے پیدا ہوتے ہیں ہر یک مُنصف سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات کہنا کہ یہ امر خلافِ عقل ہے اُس شخص کے لئے حق پہنچتا ہے کہ جس نے اوّل اپنے گھر کی صفائی کرلی ہو۔ لیکن درحقیقت عقایدِ اسلام میں تو ایک بات بھی خلافِ عقل

بقیہ حاشیہ تحریک کے لائق نہیں بلکہ از قبیل :"شنےکہ بعد از جنگ یاد آید" ہے اگر آپکو چار روز کی بات اب جاکر سُوجھی ہے تو آپ بروقت شائع کرنے اپنے مضمون کے بطور خود لکھ دیں کہ یہ حوالہ غلط ہے پھر دیکھا جائیگا۔ اور مَیں اب بھی کتاب نکالکر دکھلا دیتا لیکن مجھے پتہ یاد نہیں اور نہ مَیں ناگری پڑھ سکتا ہوں۔ یہ سب عذرات سُنکر ماسٹر صاحب نے سراسر مکابرہ کی راہ سے اسی پر ضد کرنا شروع کیا کہ جب تک اس کا تصفیہ نہ ہولے دُوسری گفتگو نہیں کرسکتے اِس پر مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل نے بھی اُنہیں بہت سمجھایا کہ اِس موقع پر گذشتہ قصّوں کو لے بیٹھنا بیجا ہے آج کے دن آج ہی کی بحث ہونی چاہیئے بھلا اتنی بڑی کتاب جس کا پتہ و مقام خاص یاد نہیں اگر کسی سے پڑھائی بھی جائے تو کیا دو چار روز سے کم میں ختم ہوسکتی ہے اُسکے جواب میں لالہ صاحب نے تُند ہوکر ان کو فرمایا کہ کیا آپ عدالتوں میں ایسی ہی وکالتیں کیا کرتے ہیں یہ رعایت کی بات ہے غرض جب دیکھا گیا کہ خدا نے ماسٹر صاحب کی کچھ ایسی ہی سمجھ رکھی ہے

پائی نہیں جاتی ہاں بعض اُمور دقیقہ برتر از عقول ناقصہ ہیں جو کمال معرفت کی حالت میں منکشف ہو جاتے ہیں مگر آپ کے مذہب میں تو ہزاروں باتیں خلافِ عقل اور خلافِ شانِ اُلوہیت پائی جاتی ہیں تو پھر آپ دُوسروں پر کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ پس اسی قدر کافی ہے۔

ماسٹر صاحب کا جواب الجواب معہ اُسکی ردّ کے

قولہٗ مرزا صاحب میرے سے حدیث یا آیت مانگتے ہیں اور ساتھ ہی قرآن کی آیت تحریر فرما کر اقرار کرتے ہیں کہ قمر کے دو ٹکڑے حضرت نے کئے۔

اقول صاحب من مَیں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے پر تو آپ سے کسی آیت یا حدیث

بقیہ حاشیہ کہ وہ بہرحال اپنے اُلٹے کو سیدھا اور دوسرے کے سیدھے کو اُلٹا خیال کرتے ہیں تو قصہ کوتاہ کرنے کی غرض سے اُنکو کہا گیا کہ جب ہم یہ بحث شائع کرینگے تو اس مقام پر ستیارتھ پرکاش کا حوالہ بھی ضرور لکھ دینگے چنانچہ ماسٹر صاحب نے جبتک یہ اقرار تحریری نہ لکھا لیا تب تک صبر نہ آیا سو آج وہ روز ہے جو ہم اُس وعدہ کو پورا کریں اور دیکھیں کہ ماسٹر صاحب کس قدر انسانی غیرت کو کام میں لا کر شرمندہ اور منفعل ہوتے ہیں۔

لیکن اوّل اِس بات کا کھول دینا ازبس ضروری ہے کہ جس حالت میں ستیارتھ پرکاش میں وُہ مضمون جس کا حوالہ دیا گیا تھا صاف درج تھا تو پھر کیوں ماسٹر صاحب نے اِسکے اندراج سے صاف انکار کیا اور اس کے مطالبہ میں اِسقدر بیجا ضدّ کی کہ بہت سے وقت کو کھو یا جس سے ہمارا حق بالمقابل اعتراض کرنے کا بہت سا ضائع ہوا اِس کا سبب تین میں سے ایک ہے یا تو یہ کہ ابھی ماسٹر صاحب کو اپنے مذہب کی کتابوں کی کچھ خبر ہی نہیں صرف دیکھا دیکھی بحث کرنے کا شوق ہو گیا ہے۔ یا دُوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے

کی سند نہیں مانگی بلکہ ایک ادنیٰ استعداد کا اُردو خوان بھی میرے جواب کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے کہ مَیں نے تو آپ سے یہ ثبوت مانگا تھا کہ قرآن شریف یا حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر زمین پہ گر پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستینوں میں سے اس کو نکال دیا سو آپ نے اِس کا کچھ ثبوت نہ دیا۔

قولہٗ میرا سوال تھا کہ جو بات خلافِ قانونِ قدرت ہے (یعنے شق القمر) وہ کس طرح ہو سکتی۔

اقول بیشک اسقدر حصہ آپکے سوال کا تو بہت صحیح اور درست ہے کہ خلافِ قانونِ قدرت ازلی و ابدی کوئی بات ظہور میں نہیں آتی لیکن ساتھ اس کے یہ دعویٰ آپکا کہ اُس قانونِ ازلی و ابدی پر انسانی عقل نے احاطہ تام کر لیا ہے اور پھر اُس خیال باطل

بقیہ حاشیہ کہ خبر تو تھی لیکن خیانت کی راہ سے دوسروں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لئے ایک امرِ حق کو چھپانا چاہا ہے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے جھوٹے اور لغو مسائل کا حتی الوسع لوگوں کے رو برو ظاہر نہ کرنا پنڈت دیانند کی طرف سے بطور وصیت فہمائش ہے جس پر انکے پیرو عمل کر رہے ہیں اور یہ آخری سبب قرین قیاس ہے اور یہی وجہ تھی کہ ماسٹر صاحب نے اپنا تمام جوش اسی میں خرچ کیا کہ ایسا نالائق مضمون اور ایسا باطل خیال ستیارتھ پرکاش میں ہرگز نہیں ہے اور نہ پنڈت دیانند صاحب کی شان کے لائق ہے کہ ایسی احمقانہ باتیں انکی قلم سے نکلیں مگر شکر ہے کہ آخر چور پکڑا گیا۔ اور اسجگہ ماسٹر صاحب کو بھی معلوم رہے کہ پنڈت صاحب کی یہ ایک ہی غلطی نہیں بلکہ انکی اکثر تحریریں ایسی ہی ہیں کہ جن کو غلطستان کہنا چاہیئے انکی فطرت ہی کچھ ایسی واقعہ تھی کہ باریک باتوں تک اُن کی عقل نہیں پہنچ سکتی تھی اور خالص اور مغشوش دلائل میں فرق نہیں کر سکتے تھے ہاں بعض اوقات پیچھے سے وقت گذرنے کے بعد سمجھ بھی جاتے تھے کہ ہم سے

کے رُو سے شق القمر پر اعتراض کرنا یہ بالکل غلط اور سراسر سمجھ کا پھیر ہے عقلمندی یہ ہے کہ قانونِ قُدرت جو ہنوز انسانی دفتروں میں غیر مکمل ہے اُس کو ہمیشہ عجائبات جدید الظہور کا تابع رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ جو عجائبات خواص عالم نئے نئے کُھلتے جائیں اُن کو باوجود ثبوت کے اِس وجہ سے رد کر دیں کہ جو کچھ آج تک ہمیں معلوم ہے یہ اُس سے زائد امر ہے۔ اس سے زیادہ تر کونسی فضول گوئی اور بے سمجھی ہوگی کہ اپنے چند روزہ اور محدود اور مشتبہ تجربہ کو خدائے تعالیٰ کا مکمل قانون قدرت خیال کر بیٹھیں اور پھر جو آئندہ اسرار کُھلتے جائیں اُن کو اِس بنا پر خلافِ قانونِ قُدرت سمجھ لیں کہ وُہ ہمارے معلومات سابقہ سے زیادہ ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ نے اِس رسالہ کے مقدمہ مذکورۂ بالا کو پڑھ کر سمجھ لیا ہوگا کہ قانونِ قدرت کیا چیز ہے اور کس حالت میں کسی امر کو کہہ سکتے ہیں

بقیہ حاشیہ غلطی ہوئی مگر وُہ سمجھنا کچھ اپنی لیاقت سے نہیں بلکہ لوگوں کے اعتراضات بارش کی طرح چاروں طرف سے برس کر متنبہ کرتے تھے اور اسی نقصان فہم کی وجہ سے پنڈت دیانند کا اپنی تمام زندگی میں یہ طریق رہا ہے کہ اوّل ایک بات کا دعویٰ کرنا کہ یہ مسئلہ وید کا ہے اور ہمارے ویدوں میں یُوں ہی لکھا ہے اور پھر اُس کو کسی رسالہ وغیرہ میں چھپوا دینا اور پھر جس وقت دانشمند لوگ اُس پر اعتراض کر کے اُسکا باطل ہونا کھول دیں اور لاجواب کر دیں تو پھر اُس مسئلہ سے گریز کر جانا اور یہ عذر پیش کر دینا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہمارا قصور نہیں ہے بلکہ سہو کاتب ہے چنانچہ پہلے انہوں نے اپنے ستیارتھ پرکاش میں جو ویدبھاش کے مُشتہر کرنے سے پہلے لکھی گئی ہے صفحہ ۴۲ میں لکھا تھا کہ پتھروں میں سے جو کوئی جیتا ہو اُسکا ترپن نہ کرے اور جتنے مر گئے ہوں ان کا تو ضرور کرے اور اسپر چند فوائد اور دلائل بھی بیان کئے تھے لیکن پھر مدت کے بعد انہوں نے اشتہار دیا کہ یہ سہو کاتب ہے۔

کہ یہ خلافِ قانونِ قدرت ہے اور اگر آپ نے ابتک اس مقدمہ کو غور کر کے نہیں دیکھا تو مَیں آپکو توجہ دلاتا ہوں کہ آپ غور سے اُس مفید مقام کو پڑھیں کیونکہ اُن علمی نکات کے جانے بغیر آپ قانونِ قدرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔

قولہ شق القمر سے انتظامِ عالم میں فتور واقعہ ہوجاتا ہے۔

اقول اگر کسی کی خود اپنی ہی عقل میں فتور نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اُس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لئے ایک لازمی امر نہیں ہے سو اسی قاعدہ کے رُو سے دانشمند لوگ جو خدائے تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں سے ہمیشہ ہیبت زدہ رہتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حکیم مُطلق جسکی حکمتوں کا انتہا نہیں اُسکی طرف سے قمر و شمس میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے کہ باوجود انشقاق کے اُنکے فعل میں فرق

بقیہ حاشیہ گویا کاتب نے اپنی طرف سے ایک صفحہ معہ دلائل و فوائد لکھ مارا اور پنڈت صاحب سوئے رہے اُنہیں کچھ خبر نہیں۔

پھر شاید عرصہ بارہ سال کا یا کچھ کم و بیش ہوا ہوگا کہ پنڈت صاحب نے ایک اشتہار اپنا دستخطی کا ہنپور میں مشتہر کیا تھا کہ اکیس شاستر ایشر کرت یعنے خدا کا کلام ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جیسے شاستروں کی خوبیاں پنڈت صاحب پر کھلتی گئیں اُنکو انسان کا کلام سمجھتے گئے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چار وید ایشر کرت رہ گئے اور باقی سب انسانی کتابیں ٹھہرائی گئیں پھر اسکے بعد ویدوں کا حصہ جس کو براہمن کہتے ہیں اُن کی نظر میں صحیح ثابت نہیں ہوا تو آخر اُس کو بھی ایشر کرت سے باہر کر دیا اور صرف اُس کے دوسرے حصہ سنگتا منتر بھاگ، کو الہامی سمجھا گیا۔ کاش پنڈت صاحب ایک دو سال اور بھی جیتے تا ان نوخیال آریوں کو چاروں ویدوں سے بھی آزاد کر جاتے۔ اتھروَن وید کا قصہ تو جلد پاک ہوجاتا کیونکہ اُس کی نسبت تو پہلے ہی بعض پنڈتوں کا

نزدیک آوے اِسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ[1] نزدیک آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اِس آیت کا یہ مطلب ہے کہ روزِ ازل سے حکیم مطلق نے ایک خاصہ مخفی چاند میں رکھا ہوا تھا کہ ایک ساعت مقررہ پر اُسکا انشقاق ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ نجوم اور شمس اور قمر کے خواص کا ظہور ساعات مقررہ سے وابستہ ہے اور ساعات کو حدوثِ عجائباتِ سماوی و ارضی میں بہت کچھ دخل ہے اور حقیقت میں قوانینِ قدرتیہ کا شیرازہ اِنہیں ساعات سے باندھا گیا ہے سو کیا عُمدہ اور پُر حکمت اور فلسفیانہ اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے آیت مندرجہ بالا میں فرمایا کہ چاند کے پھٹنے کی جو ساعت مقرّر اور مقدّر تھی وہ نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اِس آیت کے آگے بھی فرماتا ہے وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ[2]۔

بقیہ حاشیہ خیال ہے کہ وہ براہمن پستک ہے اور تین دیدوں میں اُس کا کہیں ذکر نہیں۔ خیر یہ جھگڑا ہمارے اِس وقت کے بحث سے متعلق نہیں صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ پنڈت دیانند قائم الرائے آدمی نہیں تھا اور فطرت سے اُنکو ایک موٹی عقل ملی تھی جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی باتوں کو تو کیا سمجھتے اپنی رائے کے آخری نتائج سے بھی اکثر بےخبر رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ اُنکے خیالات ایک ہی مرکز پر قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ اوائل میں اُنکی یہ رائے تھی کہ تناسخ باطل ہے چنانچہ یہ رائے اُن کی ایک مرتبہ وکیل ہندامرتسر میں بھی چھپی تھی پھر اُسی اخبار میں لکھا تھا کہ اب پنڈت صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں نے عقیدہ تناسخ کو اختیار کرلیا ہے گو پہلے نہیں تھا پھر چاندا پور کے مباحثہ پر جو اُنکی طرف سے ایک رسالہ نکلا تھا اُس میں اُنہوں نے مکتی جاودانی کا صاف اقرار کیا تھا چنانچہ اب تک رسالہ موجود ہے اور جب سوال کیا گیا کہ اگر مکتی جاودانی ہے تو پھر رُوح کسی نہ کسی دن مکتی پاکر ختم ہوجائیں گے۔ کیونکہ پرمیشر میں تو یہ قدرت

[1] القمر:۲ [2] القمر:۴

یعنے کفار نے تو چاند پھٹنے کو سحر پر حمل کیا اور تکذیب کی مگر یہ سحر نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کے اُن اُمور یعنے قوانینِ قدرتیہ میں سے ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں قرار پکڑنے والے ہیں اور عقلمند انسان اِس نشانِ قدرت سے کیوں تعجب کرے کیا اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں یہی ایک بات بالاتر از عقل ہے جو حکیموں اور فلسفیوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور باقی تمام اسرارِ قدرت انہوں نے سمجھ لئے ہیں اور کیا یہ ایک ہی عقدہ لاینحل ہے اور باقی سب عقدوں کے حل کرنے سے فراغت ہو چکی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کے عجائب کاموں میں سے یہی ایک عجیب کام ہے اور کوئی نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو اِس قسم کے ہزار ہا عجائب کام اللہ تعالیٰ کے دنیا میں پائے جاتے ہیں زمین پر سخت سخت زلازل آتے رہتے ہیں اور بسا اوقات کئی میل زمین تہ و بالا ہو گئی ہے مگر پھر بھی انتظام عالم میں فتور واقع نہیں ہوا حالانکہ جیسے چاند کو اِس انتظام میں دخل ہے ویسا ہی زمین کو غرض یہ ملحدانہ شکوک انہیں لوگوں

بقیہ حاشیہ یہی نہیں کر کوئی رُوح پیدا کر سکے۔ اِس کے جواب میں اُنہوں نے اپنے چیلوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ رُوح بے انت ہیں کبھی ختم نہیں ہونگے۔ پھر جب ہم نے اخبار وکیل ہند میں مشتہر کیا کہ کیا پرمیشر بھی جانتا ہے یا نہیں کہ اس قدر رُوح ہیں تو یہ جواب ملا کہ رُوحوں کی تعداد کی پرمیشر کو بھی خبر نہیں اُسکی بے خبری سے ہی یہ سارا انتظام دنیا کا چلا جاتا ہے پھر جب لوگوں نے اِس اعتقاد پر بہت ہنسی ٹھٹھا شروع کیا تب پنڈت صاحب تنگ اور لاچار آ کر دوسری طرف اُلٹے اور فرمایا کہ ہاں رُوح تو بے انت نہیں ہیں مگر یہ بات سچ ہے کہ کسی کو اوتار ہو یا رشی ہو کوئی ہو ہمیشہ کی نجات نہیں ملیگی اور کیسا ہی کوئی اعلیٰ درجہ کا نیک اور عاشقِ الٰہی ہو جائے مگر تب بھی جُونوں کی دائمی بلا سے اُس کو مخلصی نہیں ہوگی پرمیشر تو رحیم ہی تھا مگر وُہ بیچارہ کیا کرسکے ہمیشہ کی نجات دینا اُسکی قدرت سے باہر ہے کیونکہ وُہ کسی رُوح کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اُس کی ساری بدنامیوں کی جڑھ یہی ہے غرض پنڈت

کے دلوں میں اُٹھتے ہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کو اپنے جیسا ایک ضعیف اور کمزور اور محدود الطاقت خیال کرلیتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ پر اس قسم کے اعتراضات وارد ہوسکتے ہیں تو پھر کسی طور سے عقل تسلّی نہیں پکڑسکتی کہ یہ بڑے بڑے اجرام علوی وسفلی کیونکر اور کن ہتھیاروں سے اُس نے بنا ڈالے۔

قولہٗ ممالک غیر اور اقوام غیر کی تاریخ میں ایسی بڑی بات کا ذکر (یعنی شق القمر کا ذکر) ضرور چاہیئے

اقول میں کہتا ہوں کہ آپ اپنے اسی قول سے ملزم ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ جس حالت میں چاند کے دو ٹکڑہ کرنیکا دعویٰ زور شور سے ہوچکا تھا یہانتک کہ خاص قرآن شریف میں مخالفوں کو الزام دیا گیا کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا اور اعراض کرکے کہا کہ یہ پکّا جادو ہے۔ اور پھر یہ دعویٰ نہ صرف عرب میں بلکہ اُسی زمانہ میں تمام ممالک روم و شام و مصر و فارس وغیرہ دور دراز ممالک میں پھیل گیا تھا تو اس صورت میں یہ بات کچھ تعجب کا محل نہ تھا کہ مختلف قومیں جو مخالفِ اسلام تھیں وہ دم بخود اور خاموش رہتیں اور بوجہ عناد

بقیہ حاشیہ صاحب کی کارروائیوں میں اِس قسم کی خیانتیں بہت تھیں کہ ایک بات کو اپنے مُنہ سے نکالنا یا چھپوا دینا اور جب اُس کا جھوٹا ہونا ثابت ہوجائے تو فی الفور منکر ہوجانا اور پھر طبع شدہ کتاب کی ترمیم کرکے دُوسری کتاب چھپوانا۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرکے ستیارتھ پرکاش کا وہ مقام لکھتے ہیں جسکے لکھنے کا ماسٹر مرلیدھر صاحب کو وعدہ دیا گیا تھا اور وہ یہ ہے۔

ستیارتھ پرکاش ۱۸۷۵ء آٹھواں سمولاس صفحہ ۲۶۳۔

سوال جنم اور موت وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہیں۔

جواب لنگ شریر یعنے جسم دقیق (رُوح) اور ستھول شریر جسم کثیف باہم ملکر جب ظاہر ہوتے ہیں تب اُس کا نام جنم یعنے پیدائش ہوتا ہے۔ اور دونوں کی علیحدگی سے غائب ہوجانے کو موت کہتے ہیں۔

سو اِس طرح سے ہوتا ہے کہ رُوح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی

وبغض وحسد شق القمر کی گواہی دیتے سو زبان بند رکھتیں کیونکہ منکر اور مخالف کا دل اپنے کفر اور مخالفت کی حالت میں کب چاہتا ہے کہ وہ مخالف مذہب کی تائید میں کتابیں لکھے یا اُسکے معجزات کی گواہی دیوے ابھی تازہ واقعہ ہے کہ لالہ شرمپت و ملاوامل آریہ ساکنان قادیان و دیگر آپکے آریہ بھائیوں قریب ۷ کے الہامی پیشگوئیاں اس عاجز کی بچشم خود پوری ہوتی دیکھیں جنہیں پنڈت دیانند کی وفات کی خبر بھی تھی چنانچہ اتبک چند تحریری اقرار بعضوں کے ہمارے پاس موجود پڑے ہیں لیکن آخر قوم کے طعن ملامت سے اور نیز انکی اس دھڑکی سے کہ ان باتوں کی شہادت سے اسلام کو تائید پہنچیگی اور وہ امر ثابت ہوگا کہ جسمیں پھر وید کی بھی خیر نہیں ڈر کر مونہہ بند کرلیا اور ناراستی سے پیار کرکے راستی کی شہادت سے کنارہ کش ہوگئے سو مخالف ہونے کی حالت میں اگر کوئی ادائے شہادت سے خاموش رہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اگر مخالف کیطرف سے ایک دعویٰ کا جھوٹا ہونا کھل جاوے تو پھر جھوٹ کی اشاعت کے لئے قلم نہ اُٹھائیں اور دروغگو کو اُسکے گھر تک نہ پہنچائیں سو میں پوچھتا ہوں کہ اگر آنحضرت

بقیہ حاشیہ اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا میں ملتی ہے پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹے وغیرہ کے ساتھ مل جاتی ہے تو جیسے جسکے افعال کا اثر یعنے جتنا جس کو سکھ یا دُکھ ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کی موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم میں ملکے شکم مادر میں داخل ہوجاتی ہے۔ پھر جب حیوان یا انسان میں وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اُس کے جسم کے حصہ کی کشش سے اُس کا جسم بنتا ہے اُسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے۔ رُوح نکلنے کے بعد آفتاب کی کرنوں کے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے اور پھر چاند کے نور کے ساتھ (اوس کی طرح) زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے - پھر بموجب طریقۂ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے۔

یہ پنڈت صاحب کی عبارت ہے جو ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نکالکر اس جگہ لکھی ہے اب ہم ماسٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیوں صاحب ابھی سچ اور جھوٹ کی نرقی ہوئی یا نہیں۔ اسوقت ذرا آپ فرمائیں تو سہی کہ آپکے دل کا کیا حال ہے کیا وہ آپ کا قول سچ نکلا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے عام اور علانیہ طور پر یہ دعویٰ مشہور کر دیا تھا کہ میرے ہاتھ سے معجزہ شق القمر وقوع میں آگیا ہے اور کفار نے اسکو بچشم خود دیکھ بھی لیا ہے مگر اُسکو جادو قرار دیا اپنے اس دعویٰ میں سچے نہیں تھے تو پھر کیوں مخالفین آنحضرت جو اسی زمانہ میں تھے جنکو یہ خبریں گویا نقارہ کی آواز سے پہنچ چکی تھیں چپ رہے اور کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخذہ نہ کیا کہ آپ نے کب چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کب ہمنے اسکو جادو کہا اور اسکے قبول سے مونہہ پھیرا اور کیوں اپنے مرتے دم تک خاموشی اختیار کی اور مونہہ بند رکھا یہانتک کہ اس عالم سے گزر گئے کیا انکی یہ خاموشی جو انکی مخالفانہ حالت اور جوش مقابلہ کے بالکل برخلاف تھی اس بات کا یقین نہیں دلاتے کہ کوئی ایسی سخت روک تھی جس کیوجہ سے کچھ بول نہیں سکتے تھے مگر بجز ظہور سچائی کے اور کونسی روک تھی یہ معجزہ مکہ میں ظہور میں آیا تھا اور مسلمان ابھی بہت کمزور اور غریب اور عاجز تھے پھر تعجب یہ کہ اُنکے بیٹوں یا پوتوں نے بھی انکار میں کچھ زبان کشائی نہ کی حالانکہ اُن پر واجب و لازم تھا کہ اتنا بڑا دعویٰ اگر افترا محض تھا اور صدہا کوسوں میں مشہور ہو گیا تھا اُسکی رد میں

بقیہ حاشیہ مضمون مذکورہ بالا ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں۔ افسوس اُس روز ناحق آپ نے ہمارے اوقات کو ضائع کیا اور اپنے علمی حیثیت کا پردہ پھاڑا اور آج آپ ہی جھوٹے نکلے۔ ہر کہ با صادقاں آویخت آبروئے خود ریخت۔

اب آپ سوچ لیں کہ آپ کے پنڈت صاحب ویدداں نے کیسا ایک ناقص خیال خلاف عقل و خلاف تجارب طبعی و طبابت ظاہر کیا ہے تمام عقلا جانتے ہیں کہ رُوح کا تعلق صرف بچہ کی والدہ سے نہیں ہوتا بلکہ والد اور والدہ دونوں سے ہوتا ہے اور رُوحانی اخلاق کا افاضہ بچہ کے وجود پر والدین کی طرف سے ہوتا ہے نہ ان میں سے ایک کی طرف سے۔ ہاں اگر پنڈت صاحب یہ کہتے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے جس کو مرد اور عورت دونوں کھا لیتے ہیں اور دونوں سینوں میں رُوح کا عرق مخلوط ہو جاتا ہے تب بھی کچھ بات تھی مگر اس جگہ یہ شبہ پیدا ہو گا کہ کیا رُوح آدھی آدھی ہو کر گرتی ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر دو ٹکڑے

کتابیں لکھتے اور دُنیا میں شائع اور مشہور کرتے اور جبکہ ان لاکھوں آدمیوں عیسائیوں عربوں یہودیوں، مجوسیوں وغیرہ میں سے ردّ لکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور جو لوگ مسلمان تھے وہ علانیہ ہزاروں آدمیوں کے رُوبرو چشم دید گواہی دیتے رہے جن کی شہادتیں آجتک اُس زمانہ کی کتابوں میں مندرج پائی جاتی ہیں تو یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ مخالفین ضرور شق القمر مشاہدہ کر چکے تھے اور ردّ لکھنے کیلئے کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور یہی بات تھی جس نے انکو منکرانہ شور و غوغا سے چُپ رکھا تھا سو جبکہ اُسی زمانہ میں کروڑہا مخلوقات میں شق القمر کا معجزہ شیوع پا گیا مگر ان لوگوں نے خجلت زدہ ہو کر اُسکے مقابلہ پر دم بھی نہ مارا تو اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس زمانہ کے مخالفین اسلام کا چُپ رہنا شق القمر کے ثبوت کی دلیل ہے نہ کہ اُسکے ابطال کی۔ کیونکہ اِس بات کا جواب مخالفین اسلام کے پاس کوئی نہیں کہ جس دعویٰ کا ردّ اُنہیں ضرور لکھنا چاہیئے تھا انہوں نے کیوں نہیں

بقیہ حاشیہ ہونے کے بعد اُس کا پیوند کیونکر ہو جاتا ہے۔ غرض پنڈت صاحب اپنے اس باطل اعتقاد سے عجب حیص بیص میں اپنے پس ماندگوں کو پھنسا گئے ہیں اور وید کے فلسفہ کا عجیب ایک نمونہ دکھا گئے۔

اور ہم اس جگہ یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت دیانند صاحب کا یہ اعتقاد کہ رُوح جسم ہے یہ بھی سراسر غلط اور فاسد ہے رُوح ہرگز جسم نہیں ہے جسم قسمت کو قبول کرتا ہے اور رُوح قابلِ انقسام نہیں۔ اور اگر یہ کہو کہ وہ جز لایتجزی ہے یعنے پرمانو (پرکرتی) ہے تو اِس سے لازم آتا ہے کہ کئی روحوں کو باہم جوڑ کر ایک بڑا جسم طیّار ہو جائے جس کو دیکھ سکیں اور ٹٹول سکیں کیونکہ جز لایتجزی جس کو آریہ لوگ پرکرتی یا پرمانو کہتے ہیں یہی خاصیّت رکھتی ہے جیسے پنڈت صاحب آپ ہی قائل ہیں کہ اجسام کثیف پرمانوؤں کے باہم ملنے سے طیّار ہوتے ہیں مگر کیا پنڈت صاحب کا کوئی شاگرد ایسا جسم ہم کو دکھا سکتا ہے جو دو چار ہزار یا دو چار لاکھ یا کسی اور اندازہ

لکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی درویش یا گوشہ نشین نہیں تھے تا یہ عذر پیش کیا جائے کہ ایک فقیر صلح مشرب جس نے دوسرے مذاہب پر کچھ حملہ نہیں کیا چشم پوشی کے لائق تھا بلکہ آں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عام مخالفین کا جہنمی ہونا بیان کرتے تھے اِس صورت میں مطلق طور پر جوش پیدا ہونے کے موجبات موجود تھے۔ ماسوا اِس کے یہ بھی کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ واقعہ شق القمر پر جو چند سیکنڈ سے کچھ زیادہ نہیں تھا ہر ایک ولایت کے لوگ اطلاع پا جائیں کیونکہ مختلف ملکوں میں دن رات کا قدرتی تفاوت اور کسی جگہ مطلع ناصاف اور پُر غبار ہونا اور کسی جگہ ابر ہونا ایسا ہی کئی اور ایک موجبات عدم رویت ہو جاتے ہیں اور نیز بالطبع انسان کی طبیعت اور عادت اِس کے برعکس واقع ہوئی ہے کہ ہر وقت آسمان کی طرف نظر لگائے رکھے بالخصوص رات کے

بقیہ حاشیہ پر رُوحوں کے باہم ملنے سے طیار ہو گیا اور دیکھنے اور ٹٹولنے میں آ سکتا ہو۔ سو یہ دیانند صاحب کا پوچ خیال ہے کہ رُوح بھی پرمانو ہی ہے۔

ماسوا اِسکے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جز لایتجزی دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے اور اِسکے ابطال پر ایک آسان دلیل یہ ہے کہ اگر جز لایتجزی یعنے پرمانو رپرکرتی کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اُس کو مَس کرینگے اور یہ امر تقسیم کو ثابت کرنے والا ہے۔

دُوسرے یہ کہ نقطہ بھی جز لایتجزی ہے اور بموجب اُصول موضوعہ علم ہندسہ کے ہمکو اختیار ہے کہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خط مستقیم کھینچ لیں مثلاً ہم مختار ہیں کہ نقاط ا اور ب میں ا ——— ب ایک ایسا خط مستقیم کھینچ لیں جس کا کُل مجموعہ گیارا ں نقطے ہوں پھر بعد اِسکے ہم یہ بھی اختیار رکھتے ہیں کہ بموجب شکل دہم مقالہ اُولیٰ تحریر اُقلیدس اِس خط محدود کی تنصیف کریں۔ سو ظاہر ہے

وقت جو سونے اور آرام کرنے کا اور بعض موسموں میں اندر بیٹھنے کا وقت ہے ایسا التزام بہت بعید ہے۔

پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی لکھتے ہیں کہ شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں کی معتبر کتابوں میں بھی شہادت پائی جاتی ہے مہابھارتہ کے دھرم پرب میں بیاس جی صاحب لکھتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر مل گیا تھا۔ اور وہ اِس شق قمر کو اپنے بے ثبوت خیال سے بسوامتر کا معجزہ قرار دیتے ہیں لیکن پنڈت دیانند صاحب کی شہادت اور یورپ کے محققوں کے بیان سے پایا جاتا ہے۔ کہ مہابھارتہ وغیرہ پُران کچھ قدیم اور پُرانے نہیں ہیں بلکہ بعض پرانوں کی تالیف کو تو صرف آٹھ سو یا نو سو برس ہوا ہے۔ اب قرین قیاس ہے کہ مہابھارتہ یا اُس کا واقعہ بعد مشاہدہ

بقیہ حاشیہ کہ اِس خط کے دو ٹکڑے برابر کرنے سے درمیانی نقطہ (جو پرمانو ہے) منقسم ہو جائیگا۔ اور یہی مطلب تھا۔ ماسوا اِسکے جو شخص علم نفس میں سے کچھ پڑھا ہوگا اور دلائل عدم تجسم رُوح اُس نے دیکھے ہونگے اُس پر صاف کھل جائیگا کہ پنڈت دیانند نے اِس اپنے اعتقاد میں ایسی ڈبل غلطی کھائی ہے جس سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ بالکل علم رُوح سے بیگانہ اور ناآشنا ہے۔ کیا رُوح میں جسمانی لوازم و خواص بھی پائے جاتے ہیں؟ کیا وہ اپنے تعلق بالبدن میں تعلق جسمانی سے مشابہ ہے کیا وہ اپنے دخول اور خروج میں اجسام کی طرز اور طریق پر ہے پس جس حالت میں نہ جسم کو رُوح سے کچھ مشابہت ہے اور نہ رُوح کو جسم سے کچھ مماثلت تو کس قدر بے سمجھی ہے کہ رُوح کو جسم تسلیم کیا جائے۔ اور پھر غذا کی طرح عورتوں اور دیگر مادہ حیوانات کو کھلایا جائے ہم حیران ہیں کہ یہ کس قسم کی باتیں وید میں درج ہیں اور کیوں لوگوں نے ان فاش غلطیوں کو قبول کر لیا ہے۔ افسوس افسوس افسوس۔ منہ

واقعہ شق القمر جو معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا لکھا گیا اور بسوامتر کا نام صرف بیجا طور کی تعریف پر جیسا کہ قدیم سے ہندوؤں کے اپنے بزرگوں کی نسبت عادت ہے درج کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی شہرت ہندوؤں میں مؤلف تاریخ فرشتہ کے وقت میں بھی بہت کچھ پھیلی ہوئی تھی کیونکہ اُس نے اپنی کتاب کے مقالہ یازدہم میں ہندوؤں سے یہ شہرت یافتہ نقل لیکر بیان کی ہے کہ شہر دھار کہ جو متصل دریائے پھنبل صوبۂ مالوہ میں واقع ہے اب اُسکو شاید دہارانگری کہتے ہیں وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا ایکبارگی اُس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور پھر مل گیا اور بعد تفتیش اس راجہ پر کُھل گیا کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تب وہ مسلمان ہوگیا۔ اُس مُلک کے لوگ اُس کے اسلام کی وجہ یہی بیان کرتے تھے اور اُس گرد نواح کے ہندوؤں میں یہ ایک واقعہ مشہور تھا جس بنا پر ایک مُحقق مؤلف نے اپنی کتاب میں لکھا۔ بہرحال جب آریہ دیس کے راجوں تک یہ خبر شہرت پا چکی ہے اور آریہ صاحبوں کے مہابھارتہ میں درج بھی ہوگئے اور پنڈت دیانند صاحب پُرانوں کے زمانہ کو داخل زمانہ نبوی سمجھتے ہیں اور قانونِ قُدرت کی حقیقت بھی کُھل چکی تو اگر اب بھی لالہ مرلیدھر صاحب کو شق القمر میں کچھ تامل باقی ہو تو اُن کی سمجھ پر ہمیں بڑے بڑے افسوس رہیں گے۔

قولہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں ورنہ دُنیا میں جس قدر جُدے جُدے مذاہب والے اپنے اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت عجائبات بیان کرتے ہیں وہ سب سچے ہوجائیں گے۔

اقول اے ماسٹر صاحب افسوس کہ تعصب کے جوش نے آپکی کہانتک نوبت پہنچا دی کہ آپ کی نظر میں قرآنی واقعات عام لوگوں کے مزخرفات کے برابر ہوگئے۔ ایسی باتیں جنکو لوگ بے ٹھکانہ اور بے بُنیاد اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت سیکڑوں یا ہزاروں

برسوں کے بعد بنا دیتے ہیں جو نہ اُن دیوتاؤں کے زمانہ میں تحریر ہو کر شائع ہوتے ہیں اور نہ معزز اور معتبر دیکھنے والوں تک اُن کا سلسلہ متواتر اور معتبر طور پر پہنچتا ہے بلکہ سراسر وہ مخلوق پرستوں کے مفتریات ہوتے ہیں جن کے ساتھ کوئی روشن دلیل نہیں ہوتی۔ ایسی بے اصل اور بے ثبوت مفتریات کو قرآنی واقعات سے آپ تشبیہ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں تو پھر آپ ہی فرماویں کہ جس حالت میں ایسی کتاب کی تحریر تاریخی ثبوت نہیں ہو سکتی جو اپنے زمانہ کا ایک شہرت یافتہ واقعہ مخالفوں کی گواہی کے حوالہ سے بتلاتی ہے اور کتاب بھی ایک ایسے شخص کی کتاب ہے جو تمام دنیا میں عزت اور مرتبت کے ساتھ مشہور ہے تو پھر تاریخی ثبوت کسے کہتے ہیں۔ کیا تاریخوں کے تمام مجموعہ میں اس سے عمدہ تر کوئی ثبوت مل سکتا ہے کہ کوئی واقعہ ہم ایسی کتاب میں لکھا ہوا پاویں جو اُسی زمانہ کا واقعہ ہو جس زمانہ کی وہ کتاب ہے اور اُسی مصنف نے اُس کو لکھا ہو جس نے اُس کو دیکھا بھی ہو اور وہ مؤلف کتاب بھی اپنی شہرت اور عزت میں سرآمد روزگار ہو۔ اور پھر باوجود اِن سب باتوں کے مصنف نے مخالفوں کو بطور گواہِ واقعہ قرار دیا ہو۔ اور پھر وہ کتاب بھی ایسی محفوظ چلی آتی ہو کہ اُسی زمانہ میں اکثر حصہ دنیا میں شہرت پا گئی ہو اور ہزارہا حافظ اُسکی ابتدا سے ہوتے آئے ہوں یہانتک کہ لاکھوں حافظوں تک نوبت پہنچ گئی ہو اور اُسی زمانہ کے اُسکے قلمی نسخے اور بعض تفسیریں بھی موجود ہوں اور بے شمار بندگانِ خدا ابتدا سے اُس کو اپنی پنجگانہ نمازوں میں پڑھتے اور تلاوت کرتے اور نیز پڑھاتے چلے آئے ہوں اگر کوئی تاریخی کتاب اِن سب صفتوں کی جامع دنیا بھر میں بجز قرآن شریف کے آپ کی نظر میں گذری ہے تو آپ اُس کو پیش کریں اور اگر پیش نہ کر سکیں تو آپکی سزا وہی دردِ خجالت اور انفعال کافی ہے جو لاجواب رہنے کی حالت میں آپ کے عائد حال ہو گی۔ آپ کو خبر نہیں کہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے مخالف با علم عیسائی

یہودی مجوسی وغیرہ ہیں وہ قرآنی شہادتوں سے یعنی اُن واقعات سے جو قرآن شریف نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھے ہیں انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں تعصب کی راہ سے بعض آیات کے معنے اور طور پر کر لیتے ہیں مثلاً شق القمر میں وہ آپکی طرح یہ نہیں کہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امر خلاف واقعہ قرآن شریف میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ اِس بات کی تو آپ بھی شہادت دے سکتے ہیں کہ آپ نے تمام عمر میں کوئی ایسی کتاب کسی فاضل انگریز یا یہودی کی نہیں دیکھی ہوگی جس میں انہوں نے آپ کی طرح یہ رائے ظاہر کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھوٹا دعویٰ شق القمر کا قرآن میں لکھ دیا ہے کیونکہ جو فاضل قسیس اور باخبر انگریز ہیں وہ لوگ بباعث اپنے عام اور وسیع واقفیت کے خوب جانتے ہیں کہ جس طور اور التزام سے قرآن شریف نے اشاعت پائی ہے اور جس تشدد سے مخالفوں اور موافقوں کی نگرانی اُسکی آیت آیت پر رہی ہے اور جس سُرعت اور جلدی سے اِس کے ہریک مضمون کی تبلیغ لاکھوں آدمیوں کو ہوتی رہی ہے اور جس قلیل عرصہ میں جو بعد زمانہ نبوی تیس برس سے بھی کم تھا وہ دُنیا کے اکثر حصّوں میں شہرت پا گیا ہے وہ ایسا طور اور طریق چاروں طرف سے محفوظ ہے کہ اس میں یہ گنجائش ہی نہیں کہ کوئی جُھوٹا معجزہ یا کوئی جھوٹی پیشگوئی افترا کر کے قرآن شریف میں درج ہو سکتی جس کے افترا پر عیسائیوں یہودیوں عربوں مجوسیوں میں سے کسی کو بھی اطلاع نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے اگرچہ آج تک صدہا فاضل انگریزوں نے بوجہ شدت عناد بہت کچھ مخالفانہ حملے اپنی کتابوں اور تفسیروں میں قرآن شریف پر کرنے چاہے ہیں جن میں وہ باطل پر ہونے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکے۔ مگر یہ رائے جو آپ نے بیان کی آج تک اُن میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔ سو آپ کا ایسی کتاب کو مؤرخانہ وقعت سے باہر سمجھنا اور جوہر صافی اور خس وخاشاک برابر خیال کر لینا اور صاف صاف فرق دیکھ کر اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال لینا صرف نظر کا گھاٹا

بے وبس۔

قولہ۔ اگر خلاف قانون قدرت پر اس وجہ سے یقین کیا جائے کہ پرمیشر سرب شکتی مان ہے تو پھر دنیا میں ہم کسی بات کو بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے اور فریبی اور دغاباز لوگ روز بروز بہکا سکتے ہیں۔

اقول اے صاحب میں نے آپکو کب اور کس وقت کہا ہے کہ بے ثبوت اور تحقیق ہریک بات کو مان لیا کرو۔ میں تو آپکو کھلا کھلا ثبوت دے رہا ہوں اور خود میرا بھی اصول ہے کہ بے تحقیق کسی تاریخی واقعہ کو نہیں ماننا چاہیئے لیکن میں ساتھ اس کے آپ کو یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حقیقی دانائی سے کچھ بہرہ حاصل کرنے کا شوق ہے تو چند ناکارہ اور محدود تجارب کا نام قانونِ قدرت مت رکھو اور کوئیں کی مینڈک کی طرح دُنیا میں اُسی قدر پانی مت سمجھو جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ ایک تو آپ کے مذہب میں پہلے ہی سے یہ خرابی ہے کہ آپ لوگ اپنے تئیں واجب الوجود اور قدیم ہونے میں پرمیشر کے بھائی بند خیال کر رہے ہیں پھر اگر یہ دوسرا اعتقاد فاسد بھی اُس کے ساتھ مل گیا کہ پرمیشر کی طاقتیں اور قدرتیں بھی آپ کے معلومات سے زیادہ نہیں تو اس صُورت میں آپ صرف بھائی بند نہ رہے بلکہ پرمیشر کے بزرگ بھی ٹھہر گئے کیونکہ بزرگوں اور باپوں کو یہ کہنا بنتا ہے کہ وُہ اپنے بچّوں کی نسبت یہ دعویٰ کریں کہ اِنکے معلومات ہمارے معلومات سے زیادہ نہیں۔

قولہ۔ باقی سوالات جو مرزا صاحب نے اس غرض سے کئے ہیں کہ پہلے انسان اپنے گھر کو سوچ لے۔ اگر اپنے میں نقص ہو تو دُوسرے سے سوال نہ کرے تمام جہان کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے۔

اقول ماسٹر صاحب آپ تمام جہان کو کیوں ناحق بدنام کرتے ہیں اپنے خیالاتِ عجیبہ سے غرض رکھیں۔ اِس بات کو کون نہیں جانتا کہ بحث مباحثہ اظہارِ حق کی غرض سے

ہونا چاہیئے یعنے اس نیّت سے کہ اگر حق ظاہر ہو تو اُسے قبول کرلیں مگر وہ شخص جو ایک بات کو اپنے لئے تو جائز رکھتا ہے لیکن اگر فریق مخالف کے کسی امر مسلّم میں اُسکے ہزار جزو میں سے ایک جزو بھی پائی جاوے اور کیسی ہی خوبی سے پائی جائے تب بھی اُس کو قبول نہیں کرتا ایسے شخص کی نیت ہرگز بخیر نہیں ہوتی اور جو وقت اُس کے ساتھ بحث میں خرچ ہو وہ ناحق ضائع جاتا ہے پس کیا یہ بُری بات ہے کہ ایسے شخص کو سمجھایا جائے کہ بھائی جبکہ تو خود آپ ہی ایسی باتوں کو مانتا ہے کہ نہ صرف بالاتر از عقل بلکہ خلافِ عقل بھی ہیں تو جو امور عقل محدود انسانی سے بالاتر ہیں اور اُن کا ثبوت بھی تجھے دیا جاتا ہے۔ اُنکے ماننے میں تجھے کیوں تامل ہے بلکہ تمامتر دینداری و پرہیزگاری تو اِس میں ہے۔ کہ اگر انسان ایک بات کو اپنی رائے میں صحیح سمجھتا ہے تو اسی نوع کی بات میں اپنے مخالف کے ساتھ منکرانہ جھگڑا نہ لے بیٹھے کہ یہ ادباشانہ طریق ہے جس میں فریقین کی تضیع اوقات ہے۔ پھر صریح ظاہر ہے کہ ایسا جھگڑا کس قدر بُرا اور خلافِ طریق انصاف ہوگا کہ ایسی بات سے انکار کیا جائے کہ جو اپنے مسلّمات سے صدہا درجہ صاف اور پاک اور قدرتِ الٰہی میں داخل اور تاریخی طور پر ثبوت بھی اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ بیشک ایسا نکمّا جھگڑا کرنیوالا اپنا اور اپنے مخالف کا وقت عزیز کھونا چاہتا ہے جس کو الزامی جواب سے متنبہ کرنا اپنے حفظ اوقات کے لئے فرض طریق مناظرہ ہے اور نیز چونکہ دنیا میں مختلف طبیعتوں کے آدمی ہیں بعض لوگ جو نادر الوجود ہیں وہ تحقیقی بات سُنکر اپنی ضد چھوڑ دیتے ہیں اور اکثر عوام جو تحقیقی جواب سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رکھتے یا بعض اُن میں سے کچھ مادّہ تو رکھتے ہیں مگر چاہتے ہیں کہ ضد پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں اس لئے اِنکا مونہہ الزامی جوابوں سے بند ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ الزامی طور پر چند مسلّمات آپکے آپکو سُنائے گئے ورنہ اصل مدار جواب کا تو تحقیق پر ہی ہے۔ بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ ہر چند ویدوں میں بہت سی بے بنیاد کہانیاں بطور معجزات گذشتہ دیوتاؤں کے لکھے ہیں مثلاً رگوید اشٹک اوّل میں لکھا ہے کہ اسونوں (دیوتاؤں) نے

کسی نامعلوم زمانہ میں ایک نُولی کو لوہے کی ٹانگیں دے دی تھیں اور بانجھ کو دودھیلا کر دیا تھا اور ایک اندھے کو سُوجاکھا بنا دیا تھا اور ایک شخص جسکا سر کٹ گیا تھا بجائے اُس سر کے گھوڑے کا سر اُس پر لگا دیا تھا اور سیاوارشی کو جس کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے از سرِ نو زندہ کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر ہم نے الزامی جوابوں میں ان کہانیوں کو پیش نہیں کیا کیونکہ گو ان بے اصل قصّوں کو جنکا حوالہ کسی ایسے بے نشان زمانہ پر دیا گیا ہے جو وید کے وجود سے پہلے گذر چکا ہے۔ تمام پرانوں والے تو مانتے ہیں مگر حال کے چند آریہ سماج والے اِن مقاماتِ وید میں بڑی جان کنی سے بے سرو پا پُر تکلف تاویلیں کرتے ہیں۔

تتمہ

آریوں کا اصولِ تناسخ قانونِ قُدرت کے اُصول سے منافی ہے

اے حضرات آریہ صاحبان اگر تمام جہان قانونِ قُدرت کا قائل ہو جائے پھر بھی آپ لوگوں کو قائل ہونے کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ قانونِ قُدرت کے ماننے سے سب تار و پود آپ کے مذہب کا ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ لوگ تو تصرفاتِ قُدرتیہ جنابِ الٰہی کے قائل ہی نہیں اور نہ قائل ہو سکتے ہیں اور قانونِ قُدرت کو ماننا تو آپ کا مذہب ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ آپکا مسئلہ تناسخ تب قائم رہ سکتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کو اسکے مختارانہ کاموں اور ارادی قُدرتوں سے اور اختیاری تصرفات سے اور ذاتی طاقتوں اور ذاتی قوتوں سے ازل سے ابد تک معطّل اور بیکار اور عاجز اور لاچار سمجھا جائے پس اِس سے ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کا آواگون خدائے تعالیٰ کے قانونِ قُدرت کا ضد پڑا ہوا ہے اور ضد بھی ایسی ضد کہ ایک کے ماننے سے دُوسرا قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ کے قادرانہ تصرفات کو تسلیم کیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ اُس نے تمام اجرامِ علوی اور اجسامِ سفلی کو اپنی قُدرتِ ربوبیّت سے

پیدا کر کے اجزائے عالم کو باہم انضباط بخشتا ہے اور محض اپنی قدرت کاملہ سے اور خاص اپنے ہی ارادہ اور مشیّت سے تمام چیزوں مادی وغیر مادی کو ایک پُرحکمت سلسلہ انتظام میں خود اپنی حکیمانہ مصلحت سے منسلک کیا ہے تو یہی مان لینا جس کا نام دوسرے لفظوں میں قانونِ قدرت ہے آپ کے اُصولِ تناسخ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ اس بنا پر کھڑا کیا ہے کہ یہ ترتیب عالم جو بالفعل موجود ہے پرمیشر کے ارادہ اور قدرت سے نہیں اور نہ اُسکی حکمت اور مصلحت سے بلکہ گنہگاروں کے گناہ نے یہ مختلف صورتوں کی چیزیں پیدا کر دی ہیں جس میں پرمیشر کا ذرا دخل نہیں مثلاً گائے جو دُودھ دیتی ہے۔ یا گھوڑا جو سواری کے کام آتا ہے یا گدھا جو بوجھ اُٹھاتا ہے۔ یا زمین جس پر ہم آباد ہیں۔ یا چاند اور سورج جو دو چمکتے ہوئے چراغ اپنی مختلف قوتوں اور خاصیتوں سے انواع اقسام کے فوائد دنیا کو پہنچاتے ہیں ٭ یا گیہوں اور چنے اور چانول وغیرہ ماکولات جنکو ہم کھاتے ہیں

٭ **حاشیہ** شائد کسی ناواقف آریہ کو اس جگہ دھوکا لگے کہ آریہ سماج والے اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ رُوح بطور تناسخ چاند یا سورج یا زمین وغیرہ سے بھی تعلق پکڑ لیتی ہے بلکہ وہ ان چیزوں کو جڑ یا بیجان سمجھتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں ماننا چاہیئے کہ اوّل تو آریوں کا ایسا خیال کرنا کہ سُورج و چاند و زمین و اگنی و وایو وغیرہ یہ سب بے رُوح چیزیں ہیں جن میں جان نہیں ہے سراسر غلط اور وید کی تعلیم سے بھی منافی ہے کیونکہ وید کے صدہا مقامات سے ثابت ہے کہ سُورج چاند اور اگنی وغیرہ ارکان اوّلیہ عالم کے لئے ایک ایک رُوح ہے ان رُوحوں کے یونانی و مجوسی بھی قائل ہیں ایسا ہی دنیا کے تمام تناسخیہ فرقے ان ارواح کو مانتے ہیں۔ بلکہ اُن کا بیان ہے کہ جب انسانی رُوح سُورج و چاند و ستاروں وغیرہ سے تعلق پکڑتی ہے تو پھر وہ دیوتا بنکر قابلِ پرستش ہو جاتی ہے اسی وجہ سے تو قدیم سے

یہ سب بقول آپکے حقیقت میں انسانی رُوحیں ہیں جو کسی جنم گذشتہ کی شامت سے بطور تناسخ یہ صُورتیں اختیار کرلی ہیں اور یہ سارا مجمع مختلف چیزوں کا جو زمین و آسمان میں نظر آتا ہے یہ سب حسبِ اُصول آپ لوگوں کے اتفاقی ہے جس میں پرمیشر کے ارادہ اور قُدرت کا سرِ مُو دخل نہیں اور نہ اُس کو اِن چیزوں کے زیادہ یا کم کرنے یا موجود یا معدوم کرنے میں ایک ذرا اختیار ہے اور آپ لوگوں کے خیال میں یہ جما ہُوا ہے کہ اگر انسانی رُوحیں مرتکب گناہوں کے نہ ہوتیں تو یہ چندیں ہزار عالم مخلوقات جو نظر آرہا ہے اِن میں سے ایک بھی نہ ہوتا۔ گویا ہریک آرام دُنیا کا بزعم آپ لوگوں کے بدکاریوں سے ہی میسّر آتا ہے اور تمام دُنیوی نعمتوں کے حاصل ہونے کا اصل موجب بدکاریاں ہی ہیں۔ کوئی شخص گناہ کرکے گائے کے جنم میں آتے تو آپ دُودھ پئیں اور پھر کسی بدکاری سے گھوڑی کا جنم لے تو آپ کو سواری میسّر ہو۔ اور پھر کسی معصیّت سے گدھی یا خچّر یا اُونٹ کی جُون میں

بقیہ حاشیہ ہندو لوگ سُورج و آگ وغیرہ کی پرستش کرتے آئے ہیں اور اب بھی اُن میں سے بہت سا گروہ اِس پرستش پر قائم ہے یُونانی بھی اِن چیزوں کی پرستش کرتے رہے ہیں اور ان کا نام دہ ارباب الانواع رکھتے ہیں گبروں کا آتش پرستی کرنا توسب سے بڑھ کر ہے ؎

اگر صد سال گبر آتش فروزد		چو یکدم اندراں اُفتد بسوزد

ماسوا اِسکے یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہریک جسم میں جتنے ذرات ہیں اُسی قدر رُوحوں کا اُس سے تعلّق ہے اگر ایک قطرہ پانی کو خوردبین سے دیکھا جائے تو ہزاروں کیڑے اُس میں نظر آتے ہیں ویسا ہی پھلوں میں اور بوٹیوں میں اور ہوا میں بھی کیڑے مشہود و محسوس ہیں۔ بہرحال ہریک جسم دار چیز کیڑوں سے بھری ہوئی ہے مگر کبھی وہ کیڑے مخفی ہوتے ہیں یا یُوں کہو کہ بالقوہ پائے جاتے ہیں اور کبھی ممکن قوّت سے حیز فعل میں آجاتے ہیں مثلاً جس اناج کو دیکھو تو بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اُس میں کوئی کیڑا

پڑے تو آپکی باربرداری کا کام چلے پھر اگر کوئی ایسا بڑا کام کرے جس کی سزا میں اُس کو عورت کی جُون میں ڈالا جائے تو آپ لوگوں کو جورو نصیب ہو۔ اور اگر کوئی ایک شخص کسی شامت گناہ سے مرے تب وُہی رُوح اُس کی بیٹا یا بیٹی بنکر آپ کو صاحبِ اولاد بنائے۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ بموجب اُصول آپ کے تمام سلسلہ خدائی کا گناہوں کی طفیل ہی چل رہا ہے۔ اور اگر گناہ ظہور میں نہ آتے تو پرمیشر تو کچھ چیز ہی نہیں تھا اور اُس کی قدرتیں اور حکمتیں سب ہیچ اور بے حقیقت نہیں۔ پس آپ کو تو قانونِ قُدرت کا نام ہی نہیں لینا چاہیئے کیونکہ قانونِ قُدرت کا تو یہ ضروری تقاضا ہے کہ تمام اجزاءِ عالم بحکم اُس واضع قانون کے روزِ اوّل سے باہم انضباط یافتہ ہیں یہ نہیں کہ کسی اتفاقی شامت سے یہ ہزاروں قسم کی مخلوقات پیدا ہوگئی ہے اور اگر وُہ بلا اتّفاق نہ ہوتا تو پیدا ہونے سے رہ جاتے اور پرمیشر گو کیسا ہی اُن چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے ارادہ کرتا مگر کچھ بھی نہ ہوسکتا۔ غرض جب آپ کا ایمان

بقیہ حاشیہ نہیں اور پھر خود بخود اُسکے اندر میں ہی سے کچھ تغیر پیدا ہو کر اسقدر کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں کہ گویا وُہ سب جسم کیڑے ہی کیڑے ہیں اِس سے ظاہر ہے کہ ارواح کو اجسام سے ایک لازمی اور دائمی تعلّق پڑا ہؤا ہے اب جو شخص تناسخ یعنے اواگون کا قائل ہے ضرور اُسکو کہنا پڑیگا کہ اجسام نباتی ومعدنی وحیوانی واجرامِ علوی کا ایک ایک ذرّہ کسی وقت انسان کا رُوح تھا کیونکہ جیسا کہ تجربہ ثابت کر رہا ہے۔ ایک ایک ذرّہ جسم سے ایک ایک رُوح تعلّق رکھتا ہے اور اجرام علوی میں رُوحوں کا ہونا شائد ناواقفوں کی نظر میں تعجب کا محل ہوگا لیکن حال کے فلسفیوں کی تحقیقاتوں نے کھول دیا ہے کہ کُرّۂ شمس وقمر وغیرہ جانداروں کی آبادی سے خالی نہیں چنانچہ پنڈت دیانند اور اُسکے پیرو بھی اِس بات کے قائل ہیں سو یہ بات تو ہریک کو معلوم ہے کہ جس کُرہ میں کوئی جاندار چیز ہو وُہ اُسی کُرّہ کے مادّہ

اور دھرم آپکو ایسی ایسی تعلیمیں دے رہا ہے تو پھر اس جگہ پرمیشر کی قدرتوں کا کیا ذکر اور قانونِ قدرت کے نام لینے کا کونسا محل ہے کیونکہ قدرت یا قانونِ قدرت تو اُسے کہتے ہیں کہ اوّل اُس مالک کی خالقانہ طاقتوں اور قادرانہ تصرّفات اور مختارانہ کاموں کو تسلیم کر کے پھر اُس سلسلہ ظہور طاقتوں کو قانونِ قدرت سے مُلقب کیا جائے مگر اس جگہ تو وہ بات ہی نہیں رہی اور پرمیشر صرف نام کا پرمیشر رہ گیا ہے جس کو ایک ذرّہ کے پیدا کرنے کی بھی طاقت نہیں ہاں رُوحوں پر کسی مخفی وجہ کے سبب سے اس کو تسلّط ہو گیا ہے شائد کسی اگلے جنم میں اُس نے بہت اچھے کرم کئے ہونگے جس سے وہ اِس حکمرانی کے لائق ٹھہر گیا۔ غرض جب پرمیشر میں قدرت کا نشان نہیں مختارانہ تصرّفات کی طاقت نہیں قادرانہ کاموں کی ہمّت نہیں۔ ترتیب دُنیا میں اُسکو کچھ دخل ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ اِس لائق بھی نہیں کہ اُس کا کوئی قانونِ قدرت ہو بلکہ وُہی مثل صادق آئے گی کہ

بقیہ حاشیہ سے پیدا ہوتی ہے جیسے کرۂ زمین میں جو کچھ ہے وہ زمین سے ہی پیدا ہوا ہے اور پیدا ہوتا ہے پس جبکہ اجرامِ علوی میں جانداروں کا ہونا ثابت ہے جس کو آریہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں تو اِس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام جاندار سُورج و چاند وغیرہ اجرام سے ہی پیدا ہوئے ہونگے اور اِس پیدائش سے یہ ثابت ہو گیا کہ اجسام سفلی کی طرح اجرام علوی بھی کئی طور پر رُوحوں کی کانیں ہیں پس اِس سے تناسخ والوں کو ماننا پڑا کہ کسی زمانہ میں سُورج چاند وغیرہ اجرام انسانی رُوحیں تھیں اور پھر وہ کسی عمل کے نیک یا بد اثر سے سُورج چاند وغیرہ اجرام بن گئے اور یہ اعتقاد جس قدر قانونِ قدرت اور عقل کا دشمن ہے اُس کے بیان کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ فتدبّر۔

منہ

جامہ ندارم دامن ازکجا آرم۔ ہاں اپنے ہی گناہوں کا آپکو شکرگذار ہونا چاہیئے جنہوں نے آپکو گوؤں کا دُودھ پلایا۔ گھوڑوں پر چڑھایا۔ غرض سب آپکا کام بنایا اور سب کچھ کیا اور کرایا۔ حقیقت میں اِس مسئلہ تناسخ نے آپکو بہت کچھ فائدہ پہنچایا۔ اگر اِس سے کچھ نقصان پہنچا تو بس یہی کہ ایک تو پرمیشر ہاتھ سے گیا اور دوسرا حلال حرام کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ خیر پرمیشر کا تو آپ کو کیا افسوس ہوگا گذارہ تو چلا ہی جاتا ہے۔ مگر جو حلال حرام میں گڑبڑ پڑ گیا یہ خرابی ایک دنیادار غیرت مند کی نظر میں بھی جس کو ایک ذرہ ننگ وناموس کا پاس ہو قابل برداشت نہیں کیونکہ اگر مسئلہ تناسخ صحیح ہے تو اِس کے رُو سے ممکن ہے کہ کسی شخص کی والدہ یا دختر یا حقیقی بہن یا دادی یا نانی مَرنے کے بعد کسی عورت کی جُون میں پڑ کر پھر اُسی شخص کے نکاح میں آجائے جس کی ماں یا لڑکی ہے اور دُنیا جو ایک ظلمت گاہ اور بے تمیزی کی جگہ ہے اِس میں کون آکر خبر دے سکتا ہے کہ اے بھلے مانس اِس سے شادی مت کر یہ تو تیری ماں یا بہن یا دادی یا نانی ہے۔ سو سوچ کر دیکھ لینا چاہیئے کہ اِس اواگون کے مسئلہ نے صرف آپکے پرمیشر کی عزت پر ہی ہاتھ نہ ڈالا بلکہ ایسے ایسے مزے بھی اِس میں موجود ہیں اور بلاشبہ جو شخص اِس مسئلہ تناسخ کو روا اور جائز سمجھتا ہے اُسکو اِسکے بدنتائج بھی روا اور جائز کہنے پڑینگے۔ مگر ہائے افسوس جو لوگ دنیا کے پرستار ہیں اور قومی تعصبوں کی زنجیر میں گرفتار وہ اپنے بدعقیدوں کو کسی ڈھب چھوڑنا نہیں چاہتے۔ قوم کا رعب اُنکے دلوں پر ایسا غالب ہے کہ جو مخلوق پرستی کی حد تک پہنچ گیا ہے خدائے تعالےٰ کا اُنکے دلوں میں اتنا بھی قدر نہیں جو ایک بوڑھی عورت کو اپنے گھر کی سُوئی کا ہوتا ہے۔

دُنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں ‏— نقصان جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں — ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں
جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں — کیا کیا نہ اُنکے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں
پر اُنکو اُس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں — آنکھیں نہیں ہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں

اُنکے طریق ودھرم میں گو لاکھ ہو فساد ۔۔۔ کیسا ہی ہو عیاں کہ وُہ ہے جھُوٹا اعتقاد
پرتب بھی مانتے ہیں اُسی کو بہر سبب ۔۔۔ کیا حال کردیا ہے تعصّب نے ہے غضب
دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی ۔۔۔ ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی
اے غافلاں وفا نکند ایں سرائے خام ۔۔۔ دُنیائے دُوں نماند و نماند بکس مدام

تمّت المباحثة الاُولیٰ

وللّٰہِ الحمد فی الاُولیٰ والاُخریٰ

مباحثہ ثانیہ

منعقدہ ۱۴ ؍ مارچ ۱۸۸۶ء

اعتراض از طرف مؤلّف رسالہ ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آریہ صاحبوں کا اعتقاد ہے کہ پرمیشر نے کوئی رُوح پیدا نہیں کی بلکہ کُل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مُکتی یعنے نجات ہمیشہ کے لئے انسان کو نہیں مِل سکتی بلکہ ایک مُدت مقررہ تک مُکتی خانہ میں رکھکر پھر اُس سے باہر نکالا جاتا ہے۔
اَب ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ دونوں اعتقاد ایسے ہیں کہ ایک کے قائم ہونے سے تو خدائے تعالیٰ کی توحید بلکہ اُسکی خدائی ہی دُور ہوتی ہے اور دُوسرا اعتقاد ایسا ہے کہ بندۂ وفادار پر ناحق کی سختی ہوتی ہے تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی مانا جائے تو اُس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ اُن کے ایک تو یہ کہ اِس صورت میں خدائے تعالیٰ کے وُجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان ارواح یعنے جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے کے لئے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ایک دہریہ جو خدائے تعالیٰ کا مُنکر ہے عُذر پیش کر سکتا ہے کہ جس حالت میں تم نے کُل چیزوں کا وجود خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے تو پھر اِس بات پر کیا دلیل ہے کہ ان چیزوں کے باہم جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے؟ دُوسری یہ قباحت کہ

ایسا اعتقاد خود خدائے تعالیٰ کو اُسکی خدائی سے جواب دے رہا ہے کیونکہ جو لوگ علم نفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں وُہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر ارواح میں عجائب و غرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وُہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے مثلاً رُوحوں میں ایک قوّت کشفی ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات دریافت کر سکتے ہیں اور ایک قوت اُن میں عقلی ہے جس سے وُہ اُمور عقلیہ کو معلوم کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک قوّت محبّت بھی اُن میں پائی جاتی ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف جُھکتے ہیں اگر ان تمام قُوتوں کو خود بخود بغیر ایجاد کسی موجد کی مان لیا جائے تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزت ہے گویا یہ کہنا پڑے گا کہ جو عُمدہ اور اعلیٰ کام تھا وہ تو خود بخود ہے اور جو ادنیٰ اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا ہے اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب حکمتیں پائی جاتی ہیں وُہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں ایسا کہ پرمیشر بھی اُن سے حیران ہے غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی خدائی پر بڑا صدمہ پہنچے گا یہانتک کہ اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا اور اُس کے وجود پر کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو سکیگی اور نیز وُہ مبدءُ کُل فیوض کا نہیں ہو سکیگا بلکہ اُس کا صرف ایک ناقص کام ہوگا اور جو اعلیٰ درجہ کے عجائب کام ہیں اُنکی نسبت یہی کہنا پڑیگا کہ وہ سب خود بخود ہیں لیکن ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے تو اِس سے اگر فرضی طور پر پرمیشر کا وجود مان بھی لیا جائے تب بھی وہ نہایت ضعیف اور نکمّا سا وجود ہوگا جس کا عدم وجود مساوی ہوگا یہانتک کہ اگر اُسکا مرنا بھی فرض کیا جائے تو رُوحوں کا کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور وُہ اِس لائق ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی رُوح اُسکی بندگی کرنے کے لئے مجبور کی جائے کیونکہ ہر یک رُوح اُسکو جواب دے سکتی ہے کہ جس حالت میں تم نے مجھے پیدا ہی نہیں کیا اور نہ میری طاقتوں اور قوّتوں اور استعدادوں کو تم نے بنایا تو پھر آپ کس استحقاق سے مجھ سے اپنی پرستش چاہتے ہیں اور نیز جبکہ پرمیشر رُوحوں کا خالق ہی نہیں تو اُن پر محیط بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب احاطہ نہ ہو سکا تو پرمیشر اور رُوحوں

میں حجاب ہو گیا اور جب حجاب ہوا تو پرمیشر سرب گیانی نہ ہو سکا یعنے علم غیب پر قادر نہ ہوا۔ اور جب قادر نہ رہا تو اُسکی سب خدائی درہم برہم ہو گئی تو گویا پرمیشر ہی ہاتھ سے گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم کامل کسی شیئے کا اُسکے بنانے پر قادر کر دیتا ہے اِس لئے حکماء کا مقولہ ہے کہ جب علم اپنے کمال تک پہنچ جائے تو وہ عین عمل ہو جاتا ہے اِس حالت میں بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پرمیشر کو رُوحوں کی کیفیت اور کُنہ کا پورا پورا علم بھی ہے یا نہیں اگر اُسکو پورا پورا علم ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود پورا پورا علم ہونے کے پھر ایسی ہی رُوح بنا نہیں سکتا سو اِس سوال پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ پرمیشر رُوحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ اُنکی نسبت پورا پورا علم بھی نہیں رکھتا۔ دوسرا ٹکڑہ ہمارے سوال کا حق العباد سے متعلق ہے۔ یعنے یہ کہ آریہ صاحبان کے اعتقاد مذکورۂ بالا کے رُو سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشر اپنے بندوں سے بھی ناحق کا ایک بخل رکھتا ہے کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مکتی اور نجات کی اصل حقیقت یہی ہے کہ انسان ماسوائے اللہ کے محبت سے مونہہ پھیر کر پرمیشر کی محبت میں ایسا محو ہو جائے کہ جس طرح عاشق اپنے محبوب کے دیکھنے سے لذت اُٹھاتا ہے ایسا ہی اپنے محبوب حقیقی کے تصوّر سے لذّت اُٹھائے اور محبت بجز معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور قاعدہ کی بات ہے کہ موجب محبّت کے دو ہی امر ہیں یا حُسن یا احسان پس جب انسان بہ باعث اپنی کامل معرفت کے خدائے تعالیٰ کے حُسن و احسان پر اطلاع کامل طور پر پاتا ہے تو لامحالہ اُس سے کامل محبت پیدا ہو جاتی ہے اور کامل محبت سے لذّت ملتی ہے پس اسی جہان سے بہشتی زندگی عارف کی شروع ہو جاتی ہے اور وہی معرفت اور محبت عالم آخرت میں سرور دائمی کا موجب ہو جاتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں نجات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جب ایک شخص کو پورا پورا سامان نجات کا میسّر آگیا اور پرمیشر کی کرپا اور فضل سے مکتی پا گیا تو پھر کیوں پرمیشر اُسکو ناکردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے کیا وہ اِس بات سے چڑتا ہے کہ کوئی عاجز بندہ ہمیشہ کے لئے آرام پاسکے جس حالت میں ابدی بقا کے

رُوحوں میں قوت رکھی گئی ہے تو کیا پرمیشر اپنے بندوں کو ابدی سرور نہیں دے سکتا۔ بعض صاحب اس جگہ پر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ بندوں کے اعمال محدود ہیں اِس لئے جزا بھی اُسکی محدود ہی ملتی ہے مَیں کہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ عملِ اعظم بندہ کا یہی ہے کہ وُہ وفاداری سے ایمان لاتا ہے اور بے انتہا وفاداری کی نیّت سے تکالیف مالی وجانی اٹھانے کے لئے ہر وقت مُستعد رہتا ہے تو اِس صُورت میں عمل اُسکا محدُود نہ ہوا بلکہ غیر محدُود ہوا اگر پرمیشر اُسکو زندہ چھوڑتا تو وہ کبھی بیوفائی نہ کرتا یہ نعوذ باللہ پرمیشر کا قصور ہوا کہ اُس نے اُسکو مہلت نہ دی ماسوا اِسکے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے موجب نجات و مکتی کا ایک ایسا امر ہے کہ وُہ پرمیشر کی صُحبت میں رہ کر کم نہیں ہو سکتا بلکہ ترقی کرنا چاہیئے کیونکہ کوئی عقلمند ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ پرمیشر کی صحبت سے گیان اور محبت میں کچھ فرق آجاتا ہے اور جس طرح ممکن نہیں کہ باوجود چراغ کے ہونے کے اندھیرا ہو جائے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ باوجود علل موجبہ مکتی کے پھر کوئی شخص مکتی خانہ سے باہر نکالا جائے۔ پرمیشر بمنزلہ خریدار کے نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ جس قدر اُس نے کوئی چیز لی اُسی قدر اُس نے دام بھی دیئے بلکہ یہ معاملہ محبت و عشق کا ہے اور کوئی مُنصف مزاج معشوق اپنے وفادار عاشق سے ایسا بد معاملہ ہرگز نہیں کر سکتا کہ اُسکو ناحق خرابی میں ڈالے۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ آیا پرمیشر اِس بات پر قادر ہے یا نہیں کہ اپنے بندہ کو ہمیشہ کے لئے مکتی دے دے۔ اگر قادر ہے بندہ وفادار بھی اُسکا مستحق ہے اور علل لازمہ موجبہ بھی دائمی مکتی کو چاہتے ہیں تو پھر کیوں پرمیشر ایسی سختی کرتا ہے کہ اوّل ایک بندہ کو ایسا مُقرب بنا کر کہ وُہ اَوتار ہو گیا یا اُس پر وید نازل ہو گئے پھر ناحق اُسکی عزت بگاڑ دیتا ہے اور رفتہ رفتہ مختلف جُونوں میں ڈال کر اُس کی کیڑوں مکوڑوں تک نوبت پہنچاتا ہے بعض صاحب یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ کام پرمیشر نے ایک مصلحت سے اختیار کر رکھا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ چُونکہ پرمیشر رُوحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کُل ارواح معدود اور محدود ہیں تو اِس صورت میں اگر

پرمیشر اُن سب کو مکتی دے دے تو پھر ہمیشہ دُنیا پیدا کرنیکا سلسلہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ جو رُوح مکتی پاکر مکتی خانہ میں گیا وُہ تو گویا ہاتھ سے گیا۔ اور بہ باعث نہ ہونے آمدن اور روزمرہ کے خرچ کی آخر سب رُوح ایک دن ختم ہو جائینگے اور پھر پرمیشر دُنیا پیدا کرنے سے قاصر اور عاجز رہیگا اور یہ امر خلافِ اصول آریہ سماج ہے غرض آریہ صاحبوں کے اُصول کے بموجب نہ پرمیشر کی توحید اور عظمت قائم رہتی ہے اور نہ مکتی یافتہ رُوح کبھی ناگہانی آفت سے نجات پا سکتے ہیں بلکہ اس شخص کی طرح جسکو ایک دَورہ خاص پر مرگی کی بیماری پڑتی ہے ایسا ہی رُوحیں بھی ایک قسم کی بیماری میں ہمیشہ مُبتلا رہیں گے اور جیسے جیسے مکتی خانہ سے نکالنے کا وقت نزدیک آتا جائے گا ویسا ہی جزع فزع میں مُبتلا ہوتے جائیں گے خدا وندکریم جلّ شانہٗ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی[1] یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ڈر کر تزکیہ نفس کرے اور ماسوائے اللہ سے مُونہہ پھیر کر خدائے تعالیٰ کی طرف رجُوع لے آئے تو وُہ جنّت میں ہے اور جنّت اُس کی جگہ ہے یعنے خود ایک رُوحانی جنّت بباعثِ قوّتِ ایمانی وحالتِ عرفانی اُسکے دل میں پیدا ہو جاتی ہے جو اُسکے ساتھ رہتی ہے اور وُہ اُسمیں رہتا ہے سو اسجگہ ماسٹر صاحب سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ بہ مقابل اس آیت قرآنی کے جو جاودانی اور لازوالی مکتی پر دلیل پیش کرتی ہے جو کچھ ویدمیں محدود مکتی کا فلسفہ بتلایا گیا ہے وُہ شرتی بھی اس جگہ پیش کردیں۔ ۱۴ مارچ ۱۸۸۶ء۔

جواب لالہ مُرلیدہر صاحب معہ جواب الجواب از طرف مؤلّفِ رسالہ ہذا

قولہٗ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ آریہ سماج والوں کا اعتقاد یہ ہے کہ پرمیشر نے کوئی رُوح پیدا نہیں کی اور کُل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں ایسا ہی اُن کا یہہ بھی اعتقاد ہے کہ مکتی یعنے نجات ہمیشہ کے لئے کسی انسان کو نہیں مل سکتی بلکہ ایک مُدّت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اُس سے نکالا جاتا ہے یہ بیان مرزا صاحب کا

[1] النّٰزعٰت : ۴۱-۴۲

بہت کچھ فرق آریہ سماج کے اُصولوں سے رکھتا ہے جو آگے ظاہر کیا جائیگا۔

اقول جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اِس بیان میں ذرہ فرق نہیں بلاشبہ آریہ سماج والوں کے یہ دونوں اعتقاد ہیں جن پر تناسخ یعنے اواگون کی بنیاد ہے اگر کچھ فرق تھا تو آپ نے ظاہر کیا ہوتا۔ آپ نے وعدہ تو کیا کہ آگے جاکر اِس فرق کو بیان کرینگے مگر کسی جگہ بیان نہ کیا کہ یہ فرق ہے بلکہ آگے جاکر تو بقول شخصے کہ دروغ گورا حافظہ نباشد آپ نے صاف اقرار کر دیا کہ ایسا ہی اعتقاد آریہ سماج والے رکھتے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے دل بھی اِس بات پر شہادت ہیں کہ یہ وید کے دونوں اُصول سخت درجہ کے مخالف عظمت و قُدرت و توحید و شانِ الٰہی ہیں اسی واسطے کبھی کبھی لوگوں کے شرم سے آپ لوگوں کی طبیعت اخفا کی طرف رجوع کر جاتی ہے مگر ایسی باتوں کو آپ کیونکر چھپا سکتے ہیں جو پنڈت دیانند صاحب کے قلم سے مشتہر ہو چکی ہیں خویش و بیگانہ اِس پر اطلاع پا چکے ہیں۔ ماسٹر صاحب؟ آپ بُرا نہ مانیں آپ کے وید کی ایسی ایسی تعلیموں نے ناستک مت والوں (دہریوں) کو بہت کچھ مدد دی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو آریہ صاحبوں کا وید ایک ایسا خدا بتا رہا ہے جس سے حق جُو آدمی ضرور ہے کہ نفرت کرے وُہ اپنے پرمیشر کو اپنی بادشاہی کا خود موجب نہیں سمجھتے بلکہ ایسا خیال کرتے ہیں کہ وُہ بادشاہت کسی بخت و اتفاق سے اُس کو ملی ہے یعنی اُس کی خوش قسمتی سے چند ارواح اور اجسام بنے بنائے اُس کو مل گئے ہیں اور شایدٔ ابھی ارواح اور اجسام کا کوئی اور دفینہ بھی کسی جگہ پوشیدہ ہو جسکی ہنوز پرمیشر کو اطلاع نہیں ہوئی مگر کیا یہ ایسا اعتقاد ہے جسکو عظمت و قدرت و شانِ کبریائی حضرت اللہ جلّ شانہ کے مطابق کہہ سکتے ہیں خدائے تعالےٰ وُہ کامل ذات ہے جسکو تمام فیوض کا مبدء اور تمام انوار کا سرچشمہ اور تمام چیزوں کا قیوم اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام کمالات کا مستجمع اور عجز اور نقص اور احتیاج الی الغیر سے پاک ہے لیکن تم سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ارواح اور اجسام کی غیر مخلوق اور خود بخود ماننے سے اُن تمام صفاتِ کاملہ الٰہیہ

میں سے کوئی بات بھی قائم نہیں رہ سکتی اور ایک ایسا سخت صدمہ اُس کی شانِ خدائی پر پہنچتا ہے کہ اُس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

ایک ادنیٰ درجہ کی عقل بھی سمجھ سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ایک ہونے کے یہی معنے ہیں کہ درحقیقت وجود اُسی کا وجود ہے اور باقی سب چیزیں اس سے نکلی ہیں اور اُسی کے ساتھ قائم اور اُسی کے رشحات فیض سے اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتی ہیں مگر افسوس کہ آریوں کا علم الٰہی اس کے برخلاف مبتلا رہا ہے اُنکی کتابیں انہیں واویلوں سے پُر ہیں کہ ہم بھی پرمیشر کی طرح قدیم اور غیر مخلوق اور انادی اور اُسکی مشابہ اور اپنے اپنے وجود کے آپ خدا ہیں نہیں سوچتے کہ اگر وہ بھی قدیم الذات اور قائم بذاتہٖ اور واجب الوجود ہیں تو پھر خدا جیسے ہو کر اسکی ماتحت کیوں ہو گئے اور کس نے درمیان میں ہو کر دونوں میں تعلق پیدا کر دیا افسوس کہ ان لوگوں نے عقیدہ باطلہ وید سے ایسی محبت کی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت اور یگانیت کے لئے ذرہ غیرت باقی نہیں رہی اور اس عقیدہ مذکورہ بالا کے بدتر اثر نے اُنکا کچھ باقی نہیں چھوڑا اور اسی بد اعتقاد کا بد اثر جاودانی نجات کا بھی ہرزن ہوا ہے اور اسی کی نحوست سے آریہ مت کے دفتر میں ایک ہنگامہ مفاسد برپا ہو رہا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کو صحیح یا غلط طور پر جاننا ایک ایسا امر ہے کہ اُس کا اثر جیسا کہ ہو، تمام باقی اُصولوں پر پڑتا ہے اگر اُس میں صلاحیت ہو تو دوسرے اُصول بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر اس میں فساد ہو تو وہ فساد دوسرے اُصولوں میں بھی سرایت کرتا ہے اسی جہت سے اس اصل الاصول کے بگڑنے سے آریوں کے سب عقائد کی ستیاناس ہوئی ہے اور سب خیالات کو اس ایک ہی بگڑے ہوئے خیال نے تہ و بالا کر دیا ہے اور اب جب تک اسکی اصلاح نہ ہو تب تک باقی خراب شدہ خیالات کسی نوع سے درستی پر نہیں آسکتے اب حقیقت میں آریوں کو بڑی مشکل پیش آگئی ہے اب ان دونوں وید اور پرمیشر سے ایک کو ضرور چھوڑنا پڑے گا۔

یہ بات ایک لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر سب ارواح اور اجسام خود بخود پرمیشر کی طرح قدیم اور انادی ہیں اور اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں + تو پرمیشر اس دعویٰ کا ہرگز مجاز نہیں رہا کہ میں ان چیزوں کا ربّ اور پیدا کنندہ ہوں کیونکہ جب کہ ان چیزوں نے پرمیشر کے ہاتھ سے وجود ہی نہیں لیا تو پھر ایسا پرمیشر انکا ربّ اور مالک کیونکر ہوسکتا ہے مثلاً اگر کوئی بچہ بنا بنایا آسمان سے گرے یا زمین کے خمیر سے خود پیدا ہوجائے تو کسی عورت کو یہ دعویٰ ہرگز نہیں پہنچتا کہ یہ میرا بچہ ہے بلکہ اُسکا بچہ وہی ہوگا جو اُسکے پیٹ سے نکلا ہے سو جو خدا کے ہاتھ سے نکلا ہے وہی خدا کا ہے اور جو اُسکے ہاتھ سے نہیں نکلا وہ اُس کا کسی طور سے نہیں ہوسکتا۔ کوئی صالح اور بھلا مانس ایسی چیزوں پر ہرگز قبضہ نہیں کرتا جو اُسکے نہ ہوں تو پھر کیونکر آریوں کے پرمیشر نے ایسی چیزوں پر قبضہ کرلیا جن پر قبضہ کرنیکا اُسکو کوئی استحقاق نہیں سو سوچنا چاہیئے کہ یہ بات کس قدر مکروہ اور دُور از حقانیت ہے کہ مالک الخلق اور ربّ العالمین کو اُسکی مخلوقات سے جواب دیا جاتا ہے اور جو اصل حقیقت خدائی کی تھی اُس سے اُس کو الگ کیا جاتا ہے ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ اگر ہندوؤں کے وید میں کوئی اور غلطی نہ ہوتی تو اُسکے مخالف حق ہونے کے لئے یہی ایک بڑی دلیل تھی کہ خدائے تعالیٰ کی صفاتِ حقّہ کے بیان کرنے میں اُس نے ایسی رہزنی کی ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی خدائی قائم ہونے کے لئے بہت ضروری امر تھا وہی اُس نے جڑھ سے اُکھیڑ دیا ہے۔

ایسا ہی ذرا سوچ کر معلوم کرلینا چاہیئے کہ اگر یہ تمام رُوحیں جن کے پیدا کرنے کی پرمیشر کو طاقت نہیں ہمیشہ کے لئے مکتی پاجائیں تو پھر پرمیشر بجز اسکے کہ مجبوری کے طور پر خالی ہاتھ

+ حاشیہ: خدا معنے خود آیندہ ہے اور خدائے تعالیٰ جلّ شانہٗ اسی وجہ سے خدا کہلاتا ہے کہ وہ کسی کے پیدا کرنے کے بغیر خود بخود ہے سو اگر ارواح و اجسام بھی خود بخود ہیں تو وہ سب خدا ہی ہوئے اور بموجب اصول آریہ کے انکو بھی خدا کہنا جائز بلکہ واجب ہوا۔ منہ

بیشمار ہے اور کیا کرسکتا ہے تو اس صورت میں وہ اُصول آریہ سماج والوں کا جو دُنیا کا سلسلہ ہمیشہ بنا رہتا ہے کیونکر قائم رہ سکتا ہے اب ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کے اعتقاد کے رُو سے پرمیشر کی بادشاہت صرف غیر مخلوق روحوں کے سہارے سے چل رہی ہے اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر روحوں کو کبھی جاودانی مکتی نہیں دیگا تو پھر کیونکر سلسلہ دنیا کا منقطع ہوگا اور کیونکر پرمیشر مجبور ہوکر خالی بیٹھے گا۔ تو ہم کہتے کہ ایراد اعتراض کے لئے محض فرض کرنا نجات ابدی کا جو اُمور ممکنہ میں داخل ہے کافی ہے کیونکہ فن فلسفہ میں امور جائز الوقوع میں صرف اُن کے فرض وقوع پر بحث کی جاتی ہے نہ تحقق فی الخارج میں فلسفی کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ امر وقوع میں آیا یا نہ آیا بلکہ فلسفی قطع نظر وقوع لا وقوع سے صرف مادّہ جواز پر برہان قائم کرتا ہے مثلاً فلسفی کہتا ہے کہ اگر زید ایک تولہ زہر کھالے تو بے شک مریگا کیونکہ صدہا مرتبہ کا تجربہ صحیحہ وصادقہ اس بات پر شہادت دے رہا ہے پس اسکے جواب میں یہ معارضہ کہ زید نے عہد کیا ہوا ہے کہ مَیں ہرگز زہر نہیں کھاؤنگا حجت کو اٹھا نہیں سکتا کیونکہ گو زید زہر کھانا نہیں چاہتا اور فرض کیا کہ اُس نے عہد کیا ہوا ہے کہ مَیں ہرگز زہر نہیں کھاؤنگا لیکن عند العقل اُس کا زہر کھانا اور مرنا ممکن ہے اسی واسطے صناعت منطق میں قضیہ ضروریہ مُطلقہ سے قضیہ دائمہ مطلقہ کو اخص مُطلق قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ قضیہ کہ ہریک انسان بالضرورت حیوان ہے۔ یعنے حیوانیت ہریک انسان کے وجود کو صفت ضروری کہ جو اُسکے وجود سے منفک نہیں ہوسکتی یہ قضیہ ضروریہ مُطلقہ ہے اور یہ دُوسرا قضیہ کہ زید جو وکیل ہے ہمیشہ مقدمہ میں فتح پاتا ہے دائمہ مُطلقہ ہے پس یہ جو دائمہ مُطلقہ ہے قضیہ ضروریّہ مُطلقہ سے اسی واسطے اخص سمجھا جاتا ہے کہ گو فتح پانا زید کا مثل مفہوم ضروریہ مُطلقہ کے جمیع اوقات میں پایا جاتا ہے اور ہمیشہ زید مقدمہ کو جیتتا ہے لیکن اُس کا جیتنا اور فتح پانا عند العقل ضروری نہیں برخلاف قضیہ ضروریہ مُطلقہ کے کہ اُسمیں دوام نسبت حیوانیت کا انسان سے جو موضوع قضیہ کا ہے ضروری ہے کیونکہ عقل ہارنا اور شکست کھانا زید کا تجویز کرسکتی ہے گو آجتک ایک ظاہری

اتفاق سے زید ہارا نہیں اور نہ کبھی شکست کھائی لیکن کوئی عقل سلیم بسبب نسبت حیوانیّت کا انسانیّت تجویز نہیں کرسکتے غرض جو امر عند العقل ممکن الوقوع ہو خارج میں اُسکا واقع ہونا شرط نہیں اور نہ وقوع فی الخارج اور امکان فی نفس الامر میں کسی طرح کا تلازم ذہنی ہے پس اسی دلیل سے رُوحوں کا انادی ماننا حضرت خدائے تعالیٰ کے ازلی جلال اور اُسکی صفت ربوبیّت اور مبدء فیوض ہونیکو صدمہ پہنچتا ہے بلکہ اُسکی ابدی خدائی اور قدرت نمائی کا بھی جو مدار کاروبار الوہیت ہے بکلّی استیصال کرکے اُسکے نام و نشان کو مٹانا چاہتا ہے۔ غرض یہ اصول اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا دشمن ہے۔

ایسا ہی اس کا بدنتیجہ جو نجات محدود ہے ہر وقت یہ بات یاد دلاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بوجہ خالق نہ ہونے کے ناقص القدرت تھا اور بغیر مکتی محدودہ کے اُس کی خدائی نہیں چل سکتی تھی اس لئے مجبوراً اُس نے مکتی کو محدود رکھا۔ گویا لوگوں کو اپنی بدقسمتی سے ایک ادھورا خدا ملا جو نجات جاودانی دینے پر قادر ہی نہ تھا اس لئے اُسکی بدقسمت بندی ہمیشہ کے نجات پانے سے رہ گئی اور اس جگہ پرمیشر کا خیرخواہ بنکر مکتی محدودہ کا یہ جواب دینا کہ انسان دائمی مکتی پانے کا حق نہیں رکھتا اس لئے پرمیشر اُس کو دائمی مکتی نہیں دیتا ایک ہنسی کی بات ہے کیونکہ پرمیشر تو بوجہ اپنے ضعف اور عجز اور ناطاقتی کے کسی وجہ سے دائمی مکتی دے ہی نہیں سکتا اور نہ ایسی قدرت رکھتا ہے تو پھر اس صورت میں بندہ کے اعمال کا ذکر کرنا ہی فضول ہے کیا بندہ اپنے دائمی ایمان اور وفاداری کی وجہ سے دائمی جزا کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا لیکن جب پرمیشر میں طاقت ہی نہیں تو دائمی مکتی کون دیوے۔ اور اگر پرمیشر دائمی نجات دینے کا ارادہ بھی کرے تو کر کیا سکتا ہے۔ اب دیکھو کس قدر آریہ صاحبان اپنے پرمیشر کی ہتک کر رہے ہیں ہم کیونکر باور کریں کہ وہ اس قدر موٹی بات کو بھی سمجھتے نہیں یا کیونکر ہم تسلیم کرلیں کہ اُنکی انسانی فطرت ایسی مسخ ہوگئی ہے کہ ایسی صاف صاف صداقتیں بھی اُنکی ٹیڑھی نظر میں غلط دکھائی دیتی ہیں بلکہ سارا موجب قوم اور برادری کے پاس ہے جسکے باعث سے لاکھوں دنیا پرست خدا کو اور اُسکی پاک راہوں کو چھوڑ

دیتے ہیں۔

اے ز تعلیم وید آوارہ منکر از فیض بخش ہموارہ آں قدیرے کہ نیست زد چارہ
زد تو عاجز ست و ناکارہ بشنوی گر بود بحق روئے شور قالوا بلیٰ ز ہر سوئے
آنکہ با ذات اد بقا و حیات چوں نباشد بدیع ماآں ذات ناتوانی ست طور مخلوقات
کے خدا اینچنیں بود ہیہات کے پسند د خرد کہ رب قدیر ناتواں باشد و ضعیف و حقیر
نظرے کن بشان ربانی داوری ہا مکن بنادانی اینچہ دین ست و اینچہ آئین ست
کہ خدا ناتوان و مسکین است گر بدیں دین و کیش ہستی شاد مایۂ عمر را دہی برباد

قولہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ (آریہ سماج والوں کے اعتقاد کے رو سے) مکتی شدہ شخص مکتی خانہ سے نکالا جاتا ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ آریہ سماج کے اصولوں کے موافق کوئی مکتی خانہ علیحدہ عمارت نہیں۔

اقول۔ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب ہے۔ اعتراض تو یہ تھا کہ روحوں کو انادی اور قدیم اور پرمیشر کی طرح واجب الوجود اور غیر مخلوق ماننے سے پرمیشر ایسا کمزور اور مجبور ٹھہر جاتا ہے کہ وہ کسی طرح روحوں کو دائمی نجات دینے پر قادر نہیں ہو سکتا گو ارادہ بھی کرے۔ کیونکہ دائمی نجات دینے سے اُسکی خدائی کا سلسلہ دور ہوتا ہے آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ مکتی خانہ کوئی علیحدہ عمارت نہیں جس سے نکالا جائے۔ ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کا جواب ہے جس حالت میں آریوں کا بالاتفاق یہ اصول ہے۔ کہ ہمیشہ کے لئے کسی کی مکتی نہیں ہو سکتی کوئی اوتار ہو یا رشی ہو یا منی ہو بلکہ کچھ مدت تک نجات دے کر پھر اُس دار النجات سے دار التناسخ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور مختلف جونوں میں گردش کرتے کرتے کیڑے مکوڑوں تک نوبت پہنچتی ہے تو پھر کیا یہ اصول ماسٹر صاحب کو یاد نہیں یا دانستہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اگر ماسٹر صاحب کو لفظی نزاع کے طور پر یہ اعتراض ہے کہ مکتی خانہ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ کیا کوئی

اینٹوں یا پتھروں کی واں عمارت ہے جس کو خانہ کہنا چاہیئے تو ہمیں صرف ماسٹر صاحب کے اعتقاد پر افسوس نہ ہوگا بلکہ اُنکی علمیت و محاورہ دانی پر بھی سخت افسوس ہوگا۔ کیا ماسٹر صاحب نہیں جانتے کہ تمام الفاظ تحقیقی طور پر ہی مستعمل نہیں ہؤا کرتے بلکہ مجازات و استعارات بھی استعمال میں آتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مَیں نے ایک بوتل شربت کی پی لی یا ایک رکیبی چانولوں کی کھالی تو کیا ماسٹر صاحب اُس سے یہ سمجھیں گے کہ اس نے بوتل اور رکیبی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھالیا ہے۔ اسی طرح خانہ ریا دار) کا لفظ کئی محلّوں اور موقعوں پر بولا جاتا ہے اور ہر جگہ اینٹوں یا پتھروں کی عمارات مُراد نہیں ہوتیں۔ سو جس حالت میں آریوں کے نزدیک دنیا دار التناسخ ہے تو کیا بیجا ہؤا۔ اگر بمقابل اس کے دُوسرے جہان کا نام دار النجات (مُکتی خانہ) رکھا گیا۔ اگر اب بھی ماسٹر صاحب کے دل کو کوئی وہم پکڑتا ہو تو کسی اپنے زیرک بھائی بند کو پوچھ کر دیکھ لیویں۔

قولہٗ۔ مرزا صاحب اپنا اعتقاد یاد کریں کہ انہوں نے مانا ہؤا ہے کہ انسان بعد مرنے کے نجات پاکر ایک مکان بہشت میں رہے گا جہاں عُمدہ باغ خدا نے لگایا ہؤا ہے۔ اچھی اچھی عورتیں یا حوریں موجود ہیں نہریں شراب وغیرہ کی جاری ہیں غرض نجات کی حالت میں بھی دنیاوی سامان موجود ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں بلکہ واں وُہ باتیں بھی موجود ہونگی جو یہاں ممنوع ہیں مثلاً شراب اور بہت سی عورتیں مگر ایسا نہیں بلکہ نجات شدہ لوگ بڑے انند اور خود مختاری کی حالت میں رہیں گے۔

اقول۔ اے ماسٹر صاحب آپ یہ بے اصل باتیں مُونہہ سے نکالتے ہوئے کچھ شرم تو کریں اتنا جھوٹ کیونکر ہضم ہوگا۔ بھلا جب حسب اصول آپکے نجات یافتہ لوگ ایک مدت مقررہ کے بعد مُکتی خانہ سے کان پکڑ کر باہر نکال دیئے جائیں گے اور اُنکے رونے چلّانے پر کچھ رحم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ بڑی سختی سے خلاف مرضی اُنکے حکم اخراج عمل میں آئیگا۔

اور بڑی ذلت اور رسوائی سے بقول شخصے کہ رپا بدست دگرے دست بدست دگرے)
مکتی خانہ سے باہر پھینکے جائینگے تو کیا اُس وقت اُن کے لئے وُہ سُرگ نرگ کا نمونہ بلکہ اُس
سے بدتر نہیں ہوجائیگا تو پھر اُس مجبورانہ مصیبت کے وقت خود مختاری کہاں رہے گی اور
انند کیسا ہوگا آپ کہتے ہیں کہ نجات شدہ لوگ بڑی خوشی اور انند میں رہیں گے افسوس
ہے آپ کی سمجھ پر۔ کیا ایسے مقام میں بھی کوئی کامل خوشی میسّر آسکتی ہے جس میں نکالے
جانے اور پھر دوہری مرتبہ کروڑہا برسوں کی مصیبتوں کا دغدغہ درپیش ہے اور ہردم
یہی فکر جان کو کھا رہا ہے کہ اب تھوڑے عرصہ کے بعد بے شمار ذلتوں اور رسوائیوں کا
مُونہہ دیکھنا ہوگا۔ پھر کیڑے مکوڑے کُتّے بِلّے بننا ہوگا۔ پھر ایک گناہ کے بدلے میں
لاکھوں جُونیں بھگتنی ہونگی اور زمانۂ دراز اور مُدّت غیر مُعیّن تک دُکھوں دردوں کو اُٹھانا
ہوگا۔ کیا جسکو اس قدر یقینی اور قطعی طور پر غم درپیش ہے اور غم بھی کیسا غم کہ لاعلاج۔ وُہ
بھی خوش رہ سکتا ہے سو آپ کس مُونہہ سے کہہ سکتے ہیں کہ جس مکتی خانہ کا وید نے ذکر
کیا ہے وہ بڑی انند اور خود مختاری اور خوشی کی جگہ ہے آپکے مُکتی خانہ سے خُدا کی پناہ
اگر ایسا ہی پرمیشر اور ایسا ہی اُس کا مکتی خانہ ہے تو پھر بدقسمت زاہدوں عابدوں کے
لئے اس جگہ بھی رونا اور اُس جگہ بھی رونا ہی ہوگا۔

رہا آپکا یہ اعتراض کہ مسلمانوں کی بہشت میں دُنیوی نعمتیں بھی موجود ہونگی تو یہ کچھ
اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس سے تو آپ کو اور آپ کے پرمیشر کو بہت شرمندہ ہونا
چاہیئے۔ کیونکہ مسلمانوں کے خُداوند قادر اور غنی مطلق نے تو دائمی اور جاودانی طور پر
سب کچھ اپنے بے انتہا خزانوں سے عالم آخرت میں قرآنِ شریف پر ایمان لانے
والوں کو عطا کیا ہے اور روحانی اور جسمانی دونوں طور کی نعمتیں مرحمت فرمائیں کیونکہ وہ
جانتا تھا کہ اس کے سچے پرستار اس دُنیا میں صرف رُوح ہی سے اس کی بندگی اور
اطاعت نہیں کرتے بلکہ رُوح اور جسم دونوں سے کرتے ہیں اور خلقت انسانی کا کمال

صرف رُوح ہی سے پَیدا نہیں ہوتا بلکہ رُوح اور جسم دونوں کے امتزاج و اختلاط سے پیدا ہوتا ہے سو اُس نے فرمان برداروں کو سعادت تامہ تک پہنچانے کے لئے اور اُنکو پورا پورا اجر دینے کے لئے نجاتِ جاودانی کی لذّت کو دو قسم پر مشتمل کیا۔ اپنے محبوبانہ دیدار کی لذّتیں بھی دیں اور اپنی دُوسری نعمتیں بھی بارش کی طرح اُن پر برسائیں۔ غرض وُہ کام کر دکھلایا جو اُس قادر عظیم الشان کی قدرتوں اور عظمتوں اور بے انتہا رحمتوں کے لائق ہے لیکن آپ کا پرمیشر تو مُفلس اور دیوالیہ ہی نکلا اور اپنی عاجزی اور درویشی اور مفلسی اور ناطاقتی اور بے اختیاری کے باعث سے آپ لوگوں کو کسی ٹھکانہ نہ لگا سکا۔ اور نہ کوئی مستقل خوشی پہنچا سکا۔ غرض کچھ بھی نہ کر سکا۔ نہ روحانی نعمتیں ہمیشہ کے لئے دے سکا۔ نہ جسمانی اور دونوں طور سے آپکو ناکام اور نامراد اور محروم اور بے نصیب رکھا اور جس کے لئے مَرتے تھے اور جان نثاری کرتے تھے وہ ایسا مُنصف اور بے سمجھ اور مُورکھ اور بے خبر نکلا کہ اُس نے تمہاری روحانی اور بدنی مُشقتوں کا کچھ بھی قدر نہ کیا اور اپنی اُلٹی سمجھ سے عاشقانہ وفاداریوں اور جان نثاریوں کو چند روزہ مزدوری خیال کر لیا۔ کیا ایسے بخیل اور ناطاقت اور بے سمجھ پرمیشر سے محبّتیں بڑھ سکتی ہیں اور صفائی کامل سے کوئی دل رجوع ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اُس کی قُدرت اور سخاوت اور قدر شناسی کی حقیقت کُھلنے سے جب تپ کرنے والوں کی رُوحیں بہت ہی افسوس ناک اور نادم ہونگی کہ اگر یہی پرمیشر اور یہی اس کی مُکتی تھی تو ہم نے خواہ مخواہ کی ٹکریں کیوں ماریں اور مُکتی خانہ سے نکالے جانے کے وقت ضرور مضمون اس شعر کا رو رو کر پڑھتے ہونگے ؎

اَب تو کچھ سمجھ کے جان تجھ پہ کریں گے قُربان ٭ ہم اُس روز کو پچھتاتے ہیں جب دِل ہی دیا

سو خدائی کے کام وُہ ہیں نہ یہ اور چارہ سازی اور بندہ نوازی اُس کو کہتے ہیں نہ اِس کو۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وید کے رُو سے اِس ناکارہ اور ناقص مکتی کا ملنا بھی آپ لوگوں کے لئے محال ہے اور آپ کے پرمیشر نے محض ٹالنے کی

غرض سے مکتی کے ملنے میں ایسی دشواریاں ڈال دیں ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ آپ لوگ اُن سے مخلصی پاسکیں بھلا جب ایک گناہ کے لئے ایک لاکھ اور کئی ہزار جون کی سزا ٹھہری اور ایک طرفۃ العین یعنے ایک پلکارہ بھی خدائے تعالیٰ سے غافل ہونا گناہ ٹھہرا تو پھر مکتی پانے کی کون سی راہ باقی رہی۔ سو اگر آپ لوگ حقیقت حال کو سوچیں تو اپنی نومیدی کی حالت کو دیکھ کر ماتم کریں اور سوگ میں بیٹھیں کیونکہ پرمیشر نے تو ایک طرح سے مکتی دینے سے آپ لوگوں کو جواب دے دیا ہے کیونکہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیگی۔ کیا اس زندگی موجودہ میں کوئی شخص آپ لوگوں میں سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ مَیں نے کبھی کسی قسم کا گناہ نہیں کیا نہ صغیرہ نہ کبیرہ اور نہ کبھی جھوٹ زبان پر آیا اور نہ کبھی کسی کو زبان یا ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے ستایا اور نہ کبھی مال ناجائز کھایا اور نہ کبھی ایک سیکنڈ بھی اپنے پرمیشر کو بھلایا اور نہ کسی اور قسم کا گناہ یا بدخیال دل میں آیا۔ مَیں جانتا ہوں کہ ایسا دعویٰ کرنا ممکن ہی نہیں تو پھر کسی آئندہ جُون کا بھی اسی پر قیاس کر لیجئے کیونکہ اس دارالغفلت دنیا میں گناہ انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے۔ اور جیسے فطرتی خواص اس موجودہ زندگی میں آپ سے الگ نہیں ہوسکے ایسا ہی کسی آئندہ جُون میں دُنیا میں آکر اُن فطرتی خواص کا بکلّی دُور ہوجانا ممتنع اور محال ہے۔ بعض موٹی سمجھ کے آدمی جنکو بباعث اپنی نادانی اور نقصانِ علمی کے گناہ کی فلاسفی معلوم نہیں وُہ شائد بوجہ اپنے کمال درجہ کی سادہ لوحی کے ایسا خیال کرتے ہونگے کہ گویا گناہ انہیں دو چار باتوں کا نام ہے کہ انسان ارتکاب زنا یا خون یا شہادت دروغی پر دلیری کرے یا کسی جگہ سیندھ لگاوے یا کسی کی گانٹھ کتر لے اور پھر جب ان چند معدود اور مشہور جرائم کو چھوڑ دے تو پھر گناہ سے بکلّی پاک اور صفا ہوگیا اور اپنے پرمیشر کو کہہ سکتا ہے کہ اب تیرے حقوق سب مَیں نے ادا کر دیئے اور جو کچھ کرنا میرے پر واجب تھا اب کچھ مَیں کر گذرا لیکن درحقیقت یہ خیال سراسر غلط بلکہ بھاری گناہ ہے جو انسان اپنے تئیں بے گناہ اور

خدائے تعالیٰ کے سارے حقوق کو ادا کرنے والا خیال کرلے اسی وجہ سے راستبازوں اور مُقدسوں نے طریق تواضع اور فروتنی اور استغفار کو لازم پکڑا اور کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ مَیں بکلّی نیک اور بے گناہ ہوں حضرت مسیح علیہ السلام کو کسی نے کہا کہ اے نیک اُستاد تو آپ نے یہ پیارا اور دلکش جواب دیا کہ مَیں نیک نہیں ہوں یعنے ایک گنہگار آدمی ہوں مجھے تو کیوں نیک کہتا ہے سُبحان اللہ معرفت الٰہی انہیں پاک لوگوں کے حصّہ میں آئی تھی جنہوں نے کیسے ہی تقدس کی حالت میں بھی اپنے تئیں بے گناہ اور نیک نہیں سمجھا اور حقیقت میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں کہ اپنے تئیں بے گناہ خیال کیا جائے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ گناہ انسان کی سرشت کو ایک لازم غیر منفک ہے جس کا تدارک صرف رحمت اور مغفرت الٰہی کرسکتی ہے نہ کوئی اور چیز اور اگر خدائے تعالیٰ ہر یک گناہ پر سزا دینے لگے اور استغفار اور توبہ قبول نہ ہو اور فضل شامل حال نہ ہو تو بندہ کبھی نجات نہیں پاسکتا مثلاً اگر یہ سزا ہندوؤں کے اُصول کے طور پر دیجائے یعنے جُونوں میں ڈالا جائے تو اگر ہندوؤں کا پرمیشر قطع نظر ایک لاکھ جُون کے ایک گناہ کے عوض میں صرف ایک جُون کی سزا پر ہی کفایت کرے تب بھی اس بے انتہا سلسلہ کا انقطاع محال ہے چہ جائیکہ ایک گناہ کے بدلے میں دو لاکھ کے قریب جُون بھگتنی پڑے اور پھر اُس گناہ سے فراغت ہوکر دوسرے گناہ کی سزا نئے سرے سے شروع ہو اور ایک طرف بندہ سزائیں پاتا جائے اور ایک طرف نئے گناہ جو اس کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں اور ہر دم اور ہر لحظہ اُس سے صادر ہو رہے ہیں انبار کے انبار جمع ہوتے جائیں پس جبکہ حقیقت گناہ یہ ہے اور اس سے مخلصی پانا عند العقل محال ہے تو اِس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر مکتی پانا اِسی بات پر موقوف ہے کہ کسی قسم کا گناہ باقی نہ رہے اور کسی نوع سے خطا صادر نہ ہوسکے تو آریوں کے مکتی پانے کے کوئی لچھّن نظر نہیں آتے۔ اور فرض کے طور پر اگر مان بھی لیا جائے کہ کوئی آریہ اِن سب شرائط کو پورا کرکے کسی زمانہ

میں مکتی پا جائیگا تو پھر بھی مکتی پانا نہ پانا اُس کا برابر ہوگا۔ کیوں کہ صرف تھوڑے عرصہ تک مکتی خانہ میں پتھر کی طرح پڑا رہیگا۔ اور پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں پرمیشر اپنی تلوّن مزاجی سے اُس پر ناحق ناراض ہو کر سخت ذلیل اور رسوا کر کے اس کو باہر نکال دے گا۔ اور چوروں کی طرح ہاتھوں میں اُسکے مجبوری کی ہتھکڑی ہو گی اور پاؤں میں روک کا زنجیر اور گردن میں پرمیشر کی خفگی کا ایک بڑا لمبا رسا ہوگا اور پھر اُس نیک بخت کو خواہ وہ اُتار ہو یا کوئی ایسا رشی ہو جس پر کوئی وید اُترا ہے یا کوئی دوسرا رکھی مُنی یا بھگت غرض کوئی ہو اُسکو کھینچتے کھینچتے دُنیا کے اُسی گڑھے میں اُلٹا کر پھینک دینگے جس سے وہ بیچارہ کروڑوں برس بلکہ ہزاروں ارب تک جان مار کر اور رو پیٹ کر اتفاقاً نکل آیا تھا یہ آپ لوگوں کا پرمیشر ہے اور یہ اُسکی مکتی ہے اور یہ اس کا انعام واکرام ہے اور ریّس کا ابتداء وانجام ہے۔ سو ایسے پرمیشر کو دُور سے ہی سلام ہے۔ ایسے پرمیشر کے یہ شعر مطابق حال ہے۔

با دوستاں چہ کردی کہ کُنی بدیگراں ہم حقا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

اور اگر ماسٹر صاحب کا اعتراض سے یہ مطلب ہے کہ اسلامی بہشت میں صرف دُنیوی نعمتوں کا ذکر ہے وصالِ الٰہی اور روحانی لذّات کا کہیں ذِکر نہیں تو ہم اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کے لئے یہ عُمدہ طریق سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کسی اخبار کے ذریعہ سے پختہ طور پر ہم کو یہ اطلاع دیں کہ ہاں میری یہی رائے ہے کہ قرآن شریف میں وصالِ الٰہی اور لذّاتِ روحانی کا کہیں ذکر نہیں۔ مگر وید میں ایسا بہت کچھ ذکر ہے تو اس صُورت میں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ صرف تین یا چار ہفتہ تک ایک مستقل رسالہ اسی بارہ میں بغرض مقابلہ وید و قرآن طیار کر کے جہاں تک ہو سکے بہت جلد چھپوا دینگے اور سو روپیہ بطور انعام ایک نامی اور فاضل برہمو صاحب کے پاس جو آریوں کے بھائی بند ہیں امانت رکھ دینگے پھر اگر ماسٹر صاحب بپابندی اپنے چاروں ویدوں کی سنگتا کے جنکو وہ الہامی

سمجھتے ہیں رُوحانی لذات اور وصالِ ربانی کے بارے میں جو نجات یابوں کو حاصل ہوگا۔ قرآنِ شریف کا مقابلہ کر کے دکھلادیں اور وُہ برہمو صاحب اُسکی تائید اور تصدیق کریں تو وُہ سو روپیہ ماسٹر صاحب کا ہوگا ورنہ بجائے اُس سو روپیہ کے ہم ماسٹر صاحب سے کچھ نہیں مانگتے صرف یہی شرط کرتے ہیں کہ مغلوب ہونے کی حالت میں ایسے وید سے جو بار بار اُنہیں ندامت دلاتا ہے دست بردار ہو کر اسلام کی سچی راہ کو اختیار کرلیں۔ (یار غالب شو کہ تا غالب شوی) اور اگر ماسٹر صاحب اِس رسالہ کی اشاعت کے بعد ایک ماہ تک خاموش رہے اور ایسا مضمون کسی اخبار میں اور نہ اپنے کسی رسالہ میں شائع کیا تو اے ناظرین آپ لوگ سمجھ جائیں وہ بھاگ گئے۔

رہا یہ اعتراض کہ شراب جو دُنیا میں بھی ممنوعات اور محرمات میں سے ہے وُہ کیونکر بہشت میں روا ہو جائے گی۔ اِس کا جواب وُہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے کہ بہشتی شراب کو اس دُنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا[1]۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا[2]۔ یعنے جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اُن کا خُدا اُنکو ایک ایسی شراب پلائیگا جو اُنکو کامل طور پر پاک کردیگی۔ نیک لوگ وُہ جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے یعنے اُنکے دل وہ شراب پی کر غیر کی محبت سے بکلّی ٹھنڈے ہو جاویں گے۔ وہ کافوری شراب ایک چشمہ ہے جس کو اسی دُنیا میں خُدا کے بندے پینا شروع کرتے ہیں۔ وُہ اُس چشمہ کو ایسا رواں کر دیتے ہیں کہ نہایت آسانی سے بہنے لگتا ہے اور وسیع اور فراخ نہریں ہو جاتی ہیں۔ یعنے ریاضتِ عشقیہ سے سب روکیں اُنکی دُور ہو جاتی ہیں اور نشیب و فرازِ بشریت کا صاف اور ہموار ہو جاتا ہے اور جنابِ الٰہی کی طرف انقطاعِ کلّی میسّر آکر معارفِ الٰہیہ میں وسعتِ تامّہ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۔ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ[3]۔

[1] الدھر: ۲۲ [2] الدھر: ۶-۷ [3] الواقعہ: ۱۹-۲۰

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا۔[1] وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔[2] وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۔[3] اور شراب صافی کے پیالے جو آبِ زلال کی طرح مصفّٰی ہونگے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے۔ وہ شراب اُن سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ دردِ سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اُس سے طاری ہو۔ بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سُننے میں نہیں آئیگی اور نہ کوئی گناہ کی بات سُنی جائیگی بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت اور خوشی کی نشانی ہے سُننے میں آئے گا۔ اُس دن مومنوں کے مونہہ تر و تازہ اور خوبصورت ہوں گے اور وہ اپنے رب کو دیکھیں گے اور جو شخص اِس جہان میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی گیا گذرا۔ اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ وہ بہشتی شراب دُنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں سے مُبائن اور مخالف ہے اور کسی جگہ قرآن شریف میں نہیں بتلایا گیا کہ وہ دنیوی شرابوں کی طرح انگور سے یا قندِ سیاہ اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی جائے گی بلکہ بار بار کلامِ الٰہی میں یہی بیان ہوا ہے کہ اصل تخم اُس شراب کا محبت اور معرفتِ الٰہی ہے جس کو دنیا سے ہی بندہ مومن ساتھ لیجاتا ہے۔ اور یہ بات کہ وہ رُوحانی امر کیونکر شراب کے طور پر نظر آجائیگا۔ یہ خدائے تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں پر مکاشفات کے ذریعہ سے کُھلتا ہے اور عقلمند لوگ دُوسری علامات و آثار سے اُس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ رُوحانی اُمور کا جسمانی طور پر متمثّل ہوجانا کئی مقامات قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ تسبیح اور تقدیسِ الٰہی کی باتیں پھلدار درختوں کی طرح متمثّل ہونگی۔ اور نیک اعمال پاک اور صاف نہروں کی طرح دکھلائی دیں گے اسی کی طرف دُوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ

[1] الواقعۃ: ۲۶-۲۷ [2] القیمۃ: ۲۳، ۲۴ [3] بنی اسرائیل: ۷۳

وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ[1] یعنے پاک کلمات پاک درختوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کی جڑھ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں اور ہمیشہ اور ہر وقت تروتازہ پھل دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مقام میں اللہ تعالےٰ نے اُمورِ ایمانیہ کو باغات سے تشبیہ دی ہے اور اعمالِ صالحہ کو نہروں سے جو اُس باغ کے نیچے بہتی ہیں اور اُسکی جڑوں کو پانی پہنچا کر اس کو تروتازہ رکھتی ہیں۔ اور ایک جگہ قرآنِ شریف میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ جب عارف لوگ بہشت میں کسی قسم کی لذت حسّی طور پر پائیں گے تو اُنکو یقین ہوگا کہ یہ لذات اُنہیں رُوحانی لذات سے مشابہ ہیں جن کو ہم دُنیا میں عشق اور محبتِ الٰہی کی وجہ سے پاتے تھے ایسا ہی قرآنِ شریف میں بیسیوں مقامات میں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ عالمِ آخرت میں جو جسمانی طور پر لذّات بہشتیوں کو دی جائیں گی حقیقت میں وہ سب رُوحانی لذّات کے اظلال و آثار ہونگے اگر وہ سب مقامات قرآنی بحوالۂ آیات اس جگہ لکھے جائیں تو اس رسالہ میں بہت سا طول ہو جائیگا۔ سو ہم جیسا کہ وعدہ کر چکے ہیں ماسٹر مرلیدھر صاحب کی درخواست سے یہ سب اُمور مفصّل طور پر کسی الگ رسالہ میں تحریر کرینگے اور واضح رہے کہ لذّاتِ رُوحانی کا جسمانی طور پر متمثّل ہونا جو بہشت کی نسبت بیان کیا گیا ہے کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کو جدید اور دُور از فہم خیال کیا جائے۔ دیکھنا چاہیئے کہ عالمِ رویا یعنے عالمِ خواب میں بھی (جو اُس دوسرے عالم سے بشدّت مشابہ ہے گویا اسکی دُوسری شاخ ہے) کیسے اُمورِ معقول محسوس طور پر مشہود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک عقلمند انسان اپنے ذاتی تجربہ سے عالمِ رویا میں معقولات کا محسوسات کے پیرایہ میں متمثّل ہونا بخوبی جانتا ہوگا بارہا ہم تم اپنے سرور اور خوشی کی حالت میں جو ایک رُوحانی امر ہے عالمِ رویا میں ایک نہایت سرسبز باغ دیکھتے ہیں جس میں ہم سیر کر رہے ہیں یا عُمدہ میوؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کو ہم کھا رہے ہیں سو حقیقت میں یہ وُہی رُوحانی خوشی اور راحت ہوتی ہے جو جسمانی طور پر ہم کو نظر آجاتی ہے۔ ایسا ہی کبھی غم کی حالت سانپ یا بچھو یا اژدہا عقرب یا کسی

[1] ابراھیم: ۲۵-۲۶

درندہ یا زلزلہ کی شکل میں دکھائی دیتی ہے یا ناقص اور مکروہ چیزوں کی صورت میں جیسے پیاز یا مولیاں یا مرچیں یا بدبودار چیزیں یا نجاست آمیز کیچڑ وغیرہ کے رنگ میں نمودار ہوتی ہیں غرض یہ بات محققین اور مجربین کے مشاہدات کثیرہ متواترہ سے ثابت ہو چکی ہے جس سے فلسفیوں نے بھی اتفاق کر لیا ہے کہ عالم رویا اور عالم آخرت مرایا متقابلہ کی طرح واقعہ ہیں جو کچھ فطرت اور قدرتِ الٰہی نے عالم خواب میں خواص عجیبہ رکھے ہیں اور جس عجیب طور سے روحانی اُمور محسوس و مشہود طور پر اس عالم میں دکھائی دیتے ہیں بعینہٖ یہی حال عالم آخرت کا ہے یا یوں کہو کہ عالم خواب عالم آخرت کے لئے اس عکسی آئینہ کی طرح ہے جو ہوبہو فوٹوگراف آثار دکھائے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت اور خواب دو حقیقی بہنیں ہیں جن کا حلیہ اور شکل اور لوازم اور خواص قریب قریب ہیں اور اگر ہم اسی زندگی دُنیا میں عالم آخرت کے کچھ اسرار بغیر ذریعہ الہام اور وحی کے دریافت کرسکتے ہیں تو بس یہی ایک ذریعہ عالم رویا کا ہے سو دانشمندوں کو چاہیئے کہ اگر اس عالم کی کیفیت کچھ دریافت کرنا چاہیں تو عالم رویا پر بہت غور اور توجہ کریں کیونکہ جن عجائبات سے یہ عالم رویا بھرا ہوا ہے اُسی قسم کے عجائبات عالم آخرت میں بھی ہیں اور جس طور کی ایک خاص تبدیل وقوع میں آکر عالم رویا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اُس میں یہ عجائبات کھلتے ہیں عالم آخرت میں بھی اُسی کے مشابہ تبدیل ہے سو جبکہ خدائے تعالیٰ کا قانونِ قدرت عالم رویا میں یہی ہے کہ وہ رُوحانیات کو جسمانیات سے متمثل کرتا ہے اور معقولات کو محسوسات کا لباس پہناتا ہے سو وہی قانونِ قدرت دوسرے عالم میں بھی سمجھنا چاہیئے اور یہ خیال آریوں کا کہ عالم آخرت میں صرف رُوح اکیلی رہ جائے گی اور اُسکے ساتھ جسم نہیں ہوگا اور لذتیں بھی صرف روحانی اور معقولی طور پر ہوں گی یہ سراسر تحکم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں یہ بات نہایت صاف اور بدیہی الثبوت ہے کہ انسان ترقیات غیر متناہیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ذریعہ اُن ترقیات کا اُسکی وہ جسمی ترکیب ہے جس کو قادر مطلق

نے ایسی حکمت کاملہ سے صورت پذیر کیا کہ تکمیلِ نفس ناطقہ انسان کے لئے عجیب آثار اُس سے مُترتب ہوئے گویا حکیم مطلق نے رُوح انسان کو اپنے مراتب عالیہ تک پہنچنے کے لئے ایک ضروری سیڑھی عطا کر دی سو جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ ان مراتب عالیہ کے کوئی انتہا نہیں ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سیڑھی کی بھی ہمیشہ کے لئے ضرورت ہے اور یہ کیونکر ہو سکے کہ وہ ذریعہ ترقیات جسکی ہمیشہ کے لئے روح کو ضرورت ہو اس سے الگ کیا جائے ماسوا اِسکے ترقیات تو ایک طرف رہیں علوم حاصل کردہ بھی بغیر شمول جسم کے محفوظ نہیں رہ سکتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم کے ماؤف ہونے کے ساتھ ہی انسانیت کے افعال میں فتور پڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر سر پر کوئی چوٹ لگ جائے تو جس مقام پر اس چوٹ کا صدمہ پہنچے اُس مقام کی دماغی قوت ساتھ ہی خلل پذیر یا معطل ہو جاتی ہے اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لے پس جبکہ صدورِ افعال انسانیت کے لئے جسم کی صحت و درستی نہایت ضروری ہے اور جسمانی اختلال کو رُوحانی اختلال لازم پڑا ہوا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری رُوح بغیر شمول جسم کے انسانی لوازم اور کمالات اور حفظِ کمالات کا مظہر و مصدر نہیں ہو سکتی ہم دنیا میں صریح دیکھتے ہیں کہ جسم کے آفت زدہ ہونے سے رُوحانی کاروبار میں ابتری واقع ہو جاتی ہے۔ مجانین یعنے سودائیوں اور پاگلوں کی جب جسمی حالت درست نہیں رہتی اور دماغی اعتدال میں کچھ فرق واقع ہو جاتا ہے تو مجرّد رُوح کے ہونے سے افعالِ انسانیت ہرگز اُن سے صادر نہیں ہو سکتے۔ بعض آدمیوں کو دماغی فتوروں سے اس قدر مُتاثرہ دیکھا گیا ہے کہ تمام علوم یک دفعہ اُنکو بھول گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنا نام بھی یاد نہیں رہا اور بار بار دُوسروں سے پُوچھتے ہیں کہ میرا نام کیا ہے اب جبکہ ایک تھوڑے سے جسمی خلل سے انسانی افعال میں اس قدر آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ہم کس طور سے یقین کر لیں اور کونسی دلیل ہمارے ہاتھ میں ہے جس سے ہم اِس بات کے باور کرنے کے لئے بکلّی تیار ہو جائیں کہ جب رُوح جسم سے قطعی طور پر الگ ہو جائیگی

تب اس مفارقت تامہ سے کوئی ضرر انسانی کمالات کے عاید حال نہیں ہوگا ہم جانتے ہیں کہ ضرور ہوگا تجارب طبی ہمارے لئے دلیل کافی ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اختلال جسمانی اختلال روحانی کا موجب ہے اور جسمانی صحت یا مرض کو روحانی صلاح یا فساد پر ایک قوی اثر ہے اب جو شخص اس بدیہی دلیل کے برخلاف رائے رکھتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسانیت کاملہ کے خواص بلا ترکیب جسم جیسا کہ چاہیئے مجرد روح سے صادر ہوسکتے ہیں تو بار ثبوت اُسی کی گردن پر ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا کیونکہ محققین کے تجارب اس بات کی تائید میں انتہا تک پہنچ گئے ہیں کہ صدور افعال کاملہ انسانیت کے لئے ترکب جسم مع الروح ضروری ہے اور جب جسم آیا تو جسمانی لوازم بھی ساتھ آئیں گے۔ ہاں چونکہ وہ بہشتی جسم ایک لطیف اور نورانی بدن ہوگا۔ اس لئے اُس کے لوازم بھی لطیف اور نورانی ہی ہوں گے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ قریب بقیاس اور قانون قدرت کے موافق اور دلائل طبعیہ اور طبیہ سے تائید یافتہ اور ثابت شدہ وُہ بہشت ہے جس کو قرآن شریف نے نہایت پاکیزگی سے بیان کیا ہے اور براہین شافیہ سے اُسکا ثبوت دیا ہے یا وُہ وہمی اور خلاف قیاس اور منحوس مکتی خانہ جس کا وید میں ذکر ہے یعنے یہ کہ مجرد روحیں پتھر کی طرح پڑی رہیں گی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مکتی خانہ سے باہر نکالی جائیں گی۔ کیا انسان کی انتہائی سعادت یہی ہے کہ وہ مجرد روح رہ کر اُن بابرکت اور نہایت مفید حواس کو کھو بیٹھے جو اس کی غیر متناہی ترقیات کا موجب ہیں اور پھر اُس پر بھی کفایت نہیں بلکہ مصیبت پر مصیبت یہ کہ انجام کار مکتی خانہ سے ذلیل کرکے نکالا جاتے انصاف کرنا چاہیئے کہ کیا ایسی نامعقول مکتی پر کوئی فلسفی برہان قایم ہوسکتی ہے اور کیا اس جہان میں اور اس زندگی میں کوئی شافی دلیل ہم کو اس بات پر مل سکتی ہے کہ افعال کاملہ انسانیت جو قوئی ظاہری و باطنی سے وابستہ اور دماغی حواسوں سے ظہور پذیر ہیں وُہ مجرد روحوں سے صادر ہوسکتے ہیں اگر کسی آریہ کے نزدیک کوئی ایسی

دلیل پائی جاتی ہے جس سے یہ ثبوت مل سکے تو کس وقت کے لئے مخفی رکھی ہے واجب و لازم ہے کہ پیش کریں۔ خاص کر ماسٹر مُرلیدھر صاحب جو وید کے غایت درجہ کے ثناخوان ہیں اور بقول شخصے کہ دیکھا نہ بھالا صدقے گئی خالہ۔ پہلے اس سے کہ ویدوں کی حقیقت معلوم کریں یوں ہی وید وید کر رہے ہیں۔ اُن پر تو فرض ہے کہ ضرور اس جگہ وید کا فلسفہ پیش کریں۔ تا وید کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا کوئی گوشہ باقی رہ جائے۔

ندارد کسے با تو نا گفتہ کار ✤ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

قولہ۔ مرزا صاحب اپنے اعتراض کی تفصیل اس طرح فرماتے ہیں کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی اور غیر مخلوق مانا جائے تو اس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ انکے ایک تو یہ کہ خدائے تعالے کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جس حالت میں ارواح یعنے جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزاء صغار بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے سے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدائے تعالیٰ کا منکر ہے عذر پیش کر سکتا ہے کہ جس حالت میں تم نے دو چیزوں کا خود بخود ہونا بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ایسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ جن کو نہ تو روح کی ہی کیفیت معلوم ہے کہ وہ کیا ہے اور نہ مادّہ کی ہی کیفیت کہ وہ کیا چیز ہے۔

اقول۔ واہ کیا عمدہ جواب دیا ہے۔ اگر ماسٹر صاحب کسی عدالت کے جج ہوں تو خوب ہی پُربہار فیصلہ لکھیں ماسٹر صاحب کی عقل عجیب کے نزدیک جو لوگ خداوند ذوالجلال قادر مطلق کو جمیع عالم کا صانع سمجھتے ہیں اور ہر یک فیض کا مبدا اور ہر یک وجود کا مُوجِد و قیّوم اور ہر یک سلسلہ کا مُنتہا اسی کو قرار دیتے ہیں اور بغیر اسکے ظاہر کرنے کے کسی چیز کا ظہور خود بخود نہیں مانتے اور بغیر اس کے پیدا کرنے کے کسی چیز کا اپنے آپ ہی پیدا ہو جانا تسلیم نہیں کرتے بلکہ سب چیزوں کا مبدء و مرجع اُسی کو جانتے ہیں اور جمیع اجزاء

عالم کی نسبت یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اُسی کی ایجاد سے موجود اور اُسی کے سہارے سے قائم اور اسی کے رشحات فیض سے پرورش یاب ہے ان کو نہ روح کی کچھ کیفیت معلوم ہے نہ مادہ کی بلکہ بقول ماسٹر صاحب یہ معرفت روح اور مادہ کی انہیں لوگوں کے حصہ میں آگئی ہے کہ جو اپنی روحوں اور اپنے جسمی مادہ کو خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا خیال کرتے ہیں۔ اے لالہ صاحب؟ اگر آپ غیر مخلوق ہو کر اپنے پرمیشر سے مساوی ہیں تو پھر اپنی خدائی کچھ دکھلایئے یا اپنی روح کے غیر متناہی زمانوں کی کوئی کہانی ہی سنایئے ورنہ اگر نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے تو پھر اس فضول گوئی کا ثبوت کیا ہوا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ گیان آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اگر وید کی یہی تعلیم ہے تو پھر منادی کیوں نہیں کرا دیتے کہ آریوں کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ افسوس آپ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ خدا ایسا چاہیئے جو اپنی خدائی کے کام چلانے میں کسی غیر کے اتفاقی وجود کا محتاج نہ ہو بلکہ جن چیزوں پر وہ خدائی کرتا ہو وہ سب اُسی کے ہاتھ سے نکلی ہوں۔ ہائے تم پر افسوس تم کیوں نہیں سمجھتے کہ جس کے مقابل پر کروڑہا وجود خود بخود چلے آتے ہیں وہ کاہے کا خدا ہے اور کونسی خدائی اس میں ہے۔ اے نادانوں اور سمجھ کے ناقصو خدا کی کامل اور پوری خوبی کس بات میں ہے آیا اس میں کہ وہ اپنی قدرت سے کچھ نہ کر سکے اور اُس کی خدائی دوسروں کے سہارے سے چلتی ہو یا اس بات میں کہ وہ سب کچھ کرتا ہو اور اُس کی خدائی اُسی کی غیر متناہی طاقتوں سے چلتی ہو۔ ذرا اکیلے بیٹھ کر سوچو؟ اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے ایک خالص فکر کو اُس کے گہراؤ تک لیجاؤ کہ خدا کی ضرورتیں کہاں سے اور کہاں تک ہیں؟۔ بعض آریہ سماج والے ارواح کے غیر مخلوق اور اپنے وجود کے آپ خدا ہونے کے بارے میں یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اگر ارواح کسی وقت معدوم تھی اور پھر خدائے تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی تو گویا نیست سے ہست ہو گیا اور نیستی سے ہستی ہونا ایسی دُور از فہم بات ہے کہ کوئی عقلمند

اس کو نہیں مانیگا مگر میں کہتا ہوں کہ یوں تو فاسد اور ناقص عقل کے مارے ہوئے خدائے تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے لیکن جس شخص کی عقل سلیم ہے اسکو تو خدائے تعالیٰ کے ماننے کے ساتھ ہی اُس کی وہ تمام صفات بھی ماننے پڑینگے جو مدار اسکی خدائی اور الوہیت کے ہیں اور جو شخص خدائے تعالیٰ کی اس نہایت ضروری صفت کو مان لیگا کہ وہ قادرِ مطلق اور بے انتہا طاقتوں کا مالک ہے تو پھر ہرگز اسکی قدرتوں کو اپنی عقل ناقص کے ساتھ موازنہ نہیں کریگا اور خدائے غیر محدود کی قادرانہ قوتوں کو کسی حد خاص میں محدود نہیں جانیگا۔ اور نیز جب ایک عقلمند دیکھے گا کہ خدائے تعالےٰ ایسا اپنی ذات میں مظہر العجائب و بلند تر از احاطۂ فکر و قیاس ہے جو بغیر اسباب آنکھوں کے دیکھتا ہے اور بغیر اسباب کانوں کے سنتا ہے اور بغیر اسباب زبان کے بولتا ہے اور بغیر حاجت معماروں و مزدوروں و نجاروں و آلات عمارت سازی و فراہمی اینٹوں و پتھروں وغیرہ کے صرف اپنے ارادہ اور حکم کے اشارہ سے ایک طرفۃ العین میں زمین و آسمان بنا سکتا ہے تو بے شک اس بات کا یقین بھی کریگا کہ وہ قادر خدا نیستی سے ہستی بھی کرسکتا ہے یہی تو خدائی ہے اسی وجہ سے تو وہ سرب شکتی مان اور قادرِ مطلق اور غیر متناہی قدرتوں کا مالک کہلاتا ہے۔ اگر اُس کے کام بھی انسانی کاموں کی طرح محتاج باسباب و مواد و اوقات ضروریہ ہوں تو پھر وہ کاہے کا خدا ہوا اور اسکی خدائی کیونکر چل سکے۔ کیا اس کے تمام کام بالا تر از عقل نہیں ہیں؟ کیا اسکی عجائب قدرتیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر نظر ڈالکر عقلِ ناقص انسانی خیرہ رہ جاتی ہے؟ تو پھر کیسی جہالت ہے کہ جو بات اُس کی خدائی کا مدار اور اُس کی الوہیت کی حقیقت ہے۔ اُسی پر اعتراض کیا جائے۔ اگر اس قسم کے جاہلانہ وہم دل سے اُٹھ نہیں سکتے تو پھر ایسے ناکارہ اور عاجز پرمیشر کو ماننا ہی کیا ضرورت ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کے باریک بھیدوں پر عقل انسانی محیط ہو سکتی تو گویا خدائی کی ساری کیفیت و کُنہ معلوم ہو جاتی۔ اگر عقلِ انسانی کی نظر ناقص کسی صفتِ ربانی کے اوّل آخر پر پھر جائے تو وہ

صفت محدود ہو جائیگی اور صفت کا محدود ہونا ذات باری کے محدود ہونے کو مستلزم ہے۔ بھلا وہ خدا کیسا ہوا جس کی ساری قدرتوں پر ایک ذرّہ مخلوق محیط ہو جائے۔ اور ایسا پرمیشر کس بات کا پرمیشر ہے کہ اگر وہ کسی اپنے امر متخیّل کو کہے کہ ہو جا تو کبھی بھی نہ ہو۔ خدا تو اُسی ذات عجیب القدرت کا نام ہے کہ جو اُسکے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جب وُہ اپنے کسی امر مقصود کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فی الفور اُسکی قدرت کاملہ سے نقش وجود پکڑ جاتا ہے یہ راز نہایت دقیق معرفت کا نکتہ ہے کہ سب مخلوقات کلماتِ الٰہیہ ہیں۔ عیسائیوں نے جب اپنی نادانی سے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کلمۃ اللہ ہیں یعنے اُن کی رُوح کلمِ الٰہی ہے جو متشکّل بروح ہوگئی ہے تو خدائے تعالیٰ نے اس کا یہ حقّانی جواب دیا کہ کوئی بھی ایسی رُوح نہیں جو کلمۃ اللہ نہ ہو اور مجرّد الٰہی حکم سے نہ نکلی ہو قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[1]۔ اسی کیطرف اشارہ ہے اور یہ بات جو کلمات اللہ بصورت ارواح و دیگر مخلوق جلوہ گر ہو جاتی ہیں یہ خالقیّت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اور اسرار الٰہیہ میں سے ایک باریک نکتہ ہے جس کیطرف کسی انسانی عقل کو خیال نہیں آیا اور خدائے تعالیٰ کے پاک اور کامل کلام نے اسکو اپنے الٰہی نور سے منکشف کیا ہے اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو خدائے تعالیٰ اپنے ہی کلمہ اور امر سے ارواح اور اجسام کو وجود پذیر کر لیتا ہے۔ تو پھر آخر یہ ماننا پڑیگا کہ جب تک باہر سے اجسام اور رُوحیں نہ آویں پرمیشر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مگر کیا ایسا کم بخت پرمیشر ہو سکتا ہے کہ جو درحقیقت اپنے گھر سے تو دیوالیہ اور مفلس اور تہیدست ہے لیکن کسی عارضی اتفاق سے اُسکی خدائی کا دھندا چل رہا ہو۔ اگر پرمیشر ایسا ہی ہے تو سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور ایسے پرمیشر پر بھروسہ کرنا بھی بڑا معرضِ خطر ہوگا۔

اور یہ کہنا کہ خدائے تعالیٰ کی وہی قدرت قابلِ تسلیم ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کا نام جہالت رکھیں یا تعصّب یا دیوانگی۔ اگر خدائے تعالیٰ کی قدرتوں میں یہ بھی شرط ہے کہ انسان کے اندازہ فہم سے زیادہ نہ ہوں تو بس پھر اُسکی قدرتیں

[1] بنی اسرائیل : ۸۶

ہو چکیں۔ قُدرت ربانی تو اُسی کا نام ہے کہ عقل انسانی اُسکے اسرار تک نہ پہنچ سکے۔ اگر ہم تم الٰہی قدرتوں کے تمام وکمال حقیقت پر احاطہ کر سکتے ہیں تو گویا ہم نے خدا پر ہی احاطہ کر لیا۔ اے عقل کے نوخریدار آریو؟ تم کیوں بے فائدہ ان مسائل کے ساتھ سرٹکراتے ہو جو تمہارے ذہن کی رسائی سے اُونچے ہیں۔ ہم اگر عقلمند ہیں تو ہماری عقلمندی یہی ہے کہ ہم خدائے تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں صرف اتنا کریں کہ کلّی طور پر اِس بات کو تحقیق کر کے دیکھ لیں کہ آیا خدائے تعالیٰ کے اُن کاموں پر نظر کر کے جو ابتک اُس سے کئے ہیں اِس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے یا نہیں کہ اُسکے عجائب کام اور اُس کی غرائب قُدرت ہماری عقولِ ناقصہ کے دائرہ سے باہر ہیں اور جس طور سے اُسکی ربوبیّت اور لایدرک طاقت نے صرف اوقات وحاجت انصار و آلات سے غنی اور بے نیاز ہو کر یہ عالم بناڈالا ہے اس طرف خیال دوڑانے سے ہماری عقلوں کے پر جلتے ہیں سو ہماری دانشوری یہی ہے کہ ہم اسے کلّی طور کی تحقیق سے سبق حاصل کرلیں اور جزئیات عالم کے اُن پیچ درپیچ رازوں کو جو ہمارے اندازۂ عقل اور فہم سے بالاتر ہیں حل کرنے کے لئے اپنے تئیں ناپیدا کنار سمندر میں ڈال کر ہلاک نہ کریں۔

بعض اشخاص یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر عقل ہماری اسرارِ قُدرت کو (جو ماخذ علم وحکمت ہیں) سمجھ نہیں سکتی تو پھر وُہ کس کام کی ہے اور جا بجا ہم قدرت پر ہی ایمان لاکر اور فکر کو معطّل چھوڑ کر علوم حکمیہ کیونکر حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ اُنکو سمجھ کا پھیر لگا ہوا ہے۔ تقریر مذکورہ بالا سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کُلّی تحقیق وتفتیش سے مُونہہ پھیر کر ہر جگہ آمنّا وصدقنا پر ہی کفایت کرنی چاہیئے۔ اور نظر اور فکر کو کہیں اور کسی جگہ کام میں نہیں لانا چاہیئے بلکہ ہمارا مطلب ومُدعا یہ ہے کہ ایسے اُمور کی موشگافی اور تہ بینی کی اُمید سے اپنی عقلوں اور فکروں کو آوارہ مت کرو جو تمہاری بساط سے باہر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ بہتیرے ایسے لوگ ہیں کہ ناجائز فکروں میں پڑ کر اپنی اُس معیّن اور مقرّر وسعت سے

جو قُدرت نے اُن کو دے رکھی ہے باہر چلے جاتے ہیں اور اپنی محدود عقل سے کُل کائنات کے عمیق در عمیق رازوں کو حل کرنا چاہتے ہیں سو یہ افراط ہے جیسے بکلّی تحقیق و تفتیش سے مُونہہ پھیر لینا تفریط ہے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ[1] یعنی اپنی چال میں توسّط اختیار کر۔ نہ ایسا فکر کو منجمد کر لینا چاہیئے کہ جو بزرگ نکات و لطائف الٰہیات قابلِ دریافت ہیں اُنکی تحصیل سے محروم رہ جائیں اور نہ اس قدر تیزی کرنی چاہیئے کہ ان فکروں میں پڑ جائیں کہ خدائے تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے اور یا اُس نے اسقدر ارواح اور اجسام کس طرح بنا لئے ہیں اور یا اُس نے کیونکر اکیلا ہونے کی حالت میں اس قدر وسیع عالم بنا ڈالا ہے۔

اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ ارواح کا حادث اور مخلوق ہونا قرآن شریف میں بڑی بڑی قوی اور قطعی دلائل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ برعایت ایجاز و اجمال چند دلائل اُن میں سے نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔

اوّل یہ بات بہ بداہت ثابت ہے کہ تمام رُوحیں ہمیشہ اور ہر حال میں خدائے تعالےٰ کی ماتحت اور زیرِ حکم ہیں اور بجز مخلوق ہونے کے اور کوئی وجہ موجود نہیں جس نے رُوحوں کو ایسے کامل طور پر خدائے تعالےٰ کی ماتحت اور زیرِ حکم کر دیا ہو سو یہ رُوحوں کے حادث اور مخلوق ہونے پر اوّل دلیل ہے۔

دوم یہ بات بھی بہ بداہت ثابت ہے کہ تمام رُوحیں خاص خاص استعدادوں اور طاقتوں میں محدود اور محصور ہیں جیسا کہ بنی آدم کے اختلاف رُوحانی حالات و استعدادات پر نظر کر کے ثابت ہوتا ہے اور یہ تحدید ایک محدّد کو چاہتی ہے جس سے ضرورت مُحدِث کی ثابت ہو کر (جو مُحدّد ہے) حدوث رُوحوں کا بہ پایۂ ثبوت پہنچتا ہے۔

سوم یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ تمام رُوحیں عجز و احتیاج کے داغ سے آلودہ ہیں اور اپنی تکمیل اور بقا کے لئے ایک ایسی ذات کی محتاج ہیں جو کامل اور قادر اور

[1] لقمٰن: ۲۰

عالم اور فیاض مطلق ہو اور یہ امر انکی مخلوقیت کو ثابت کرنے والا ہے۔
چہارم یہ بات بھی ایک ادنیٰ غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری رُوحیں اجمالی طور پر اُن سب متفرق الٰہی حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہیں جو اجرام علوی و سفلی میں پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے دُنیا باعتبار اپنے جزئیات مختلفہ کے عالم تفصیلی ہے اور انسان عالم اجمالی کہلاتا ہے یا یُوں کہو کہ یہ عالم صغیر اور وُہ عالم کبیر ہے پس جبکہ ایک جزئی عالم کے بوجہ پائے جانے پُرحکمت کاموں کے ایک صانع حکیم کی صنعت کہلاتی ہے تو خیال کرنا چاہیئے کہ وہ چیز کیونکر صنعتِ الٰہی نہ ہوگی جسکا وجود اپنے عجائبات ذاتی کے رُو سے گویا تمام جزئیات عالم کی عکسی تصویر ہے اور ہر یک جزئی کے خواص عجیبہ اپنے اندر رکھتی ہے اور حکمتِ بالغہ ایزدی پر بوجہ اتم مشتمل ہے۔

ایسی چیز جو مظہر جمیع عجائبات صنعتِ الٰہی ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر نہیں رہ سکتی بلکہ وہ سب چیزوں سے اوّل درجہ پر مصنوعیت کی مُہر اپنے وجود پر رکھتی ہے اور سب سے زیادہ تر اور کامل تر صانع قدیم کے وجود پر دلالت کرتی ہے سو اِس دلیل سے رُوحوں کی مخلوقیت صرف نظری طور پر ثابت نہیں بلکہ درحقیقت اجلی بدیہیات ہے ماسوا اِسکے دُوسری چیزوں کو اپنی مخلوقیت کا علم نہیں مگر رُوحیں فطرتی طور پر اپنی مخلوقیت کا علم رکھتی ہیں ایک جنگلی آدمی کی رُوح بھی اس بات پر راضی نہیں ہوسکتی کہ وُہ خود بخود ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی۔[1] یعنے رُوحوں سے مَیں نے سوال کیا کہ کیا مَیں تمہارا ربّ (پیدا کنندہ) نہیں ہوں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں یہ سوال و جواب حقیقت میں اُس پیوند کی طرف اشارہ ہے جو مخلوق کو اپنے خالق سے قدرتی طور پر متحقق ہے جس کی شہادت رُوحوں کی فطرت میں نقش کی گئی ہے۔
پنجم۔ جس طرح بیٹے میں باپ اور ماں کا کچھ کچھ حلیہ اور خُو بُو پائی جاتی ہے اُسی طرح

رُوحیں جو خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں اپنے صانع کی سیرت و خصلت سے اجمالی طور پر کچھ حصہ رکھتے ہیں اگرچہ مخلوقیت کی ظلمت و غفلت غالب ہوجانے کی وجہ سے بعض نفوس میں وُہ رنگِ الٰہی کچھ پھیکا سا ہوجاتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ہریک رُوح کسی قدر وُہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے اور پھر بعض نفوس میں وُہ رنگ بد استعمالی کی وجہ سے بدنما معلوم ہوتا ہے مگر یہ اس رنگ کا قصور نہیں بلکہ طریقۂ استعمال کا قصور ہے۔ انسان کی اصلی قوتوں اور طاقتوں میں سے کوئی بھی بُری قوت نہیں صرف بد استعمالی سے ایک نیک قوت بُری معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر وُہی قوت اپنے موقع پر استعمال کی جائے تو وہ سراسر نفع رسان اور خیر محض ہے اور حقیقت میں انسان کو جس قدر قوتیں دی گئی ہیں۔ وُہ سب الٰہی قوتوں کے اظلال و آثار ہیں۔ جیسے بیٹے کی صورت میں کچھ کچھ باپ کے نقوش آجاتے ہیں ایسا ہی ہماری رُوحوں میں اپنے ربّ کے نقوش اور اُس کی صفات کے آثار آگئے ہیں جنکو عارف لوگ خوب شناخت کرتے ہیں اور جیسے بیٹا جو باپ سے نکلا ہے اُس سے ایک طبعی محبت رکھتا ہے نہ بناوٹی۔ اسی طرح ہم بھی جو اپنے ربّ سے نکلے ہیں اُس سے فی الحقیقت طبعی محبت رکھتے ہیں نہ بناوٹی اور اگر ہماری روحوں کو اپنے ربّ سے یہ طبعی و فطرتی تعلّق نہ ہوتا تو پھر سالکین کو اُس تک پہنچنے کے لئے کوئی صُورت اور سبیل نہ تھی سو اگرچہ دلائل مخلوقیت ارواح جنکو اللہ جلّ شانہٗ نے آپ قرآنِ شریف میں معقولی طور پر بیان کیا ہے اِس کثرت سے ہیں کہ اگر وُہ سب اِس جگہ لکھے جائیں تو خود اُنہیں دلائل کی ایک بڑی کتاب ہوجائیگی مگر ہم بالفعل اِسی قدر پر کفایت کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طالبِ حق کے لئے اِسی قدر کافی ہے۔

اَب ہم اِس جگہ ماسٹر صاحب کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں کہ ہم نے رُوحوں کی مخلوقیت جس سے اُنکی کیفیت بخلی ظاہر ہوتی ہے دلائلِ مُندرجۂ قرآنِ شریف کے رُو سے

بقدر کفایت بیان کر دی ہے اگر ماسٹر صاحب کا وید بھی کچھ علم الٰہی سے حصّہ رکھتا ہے تو انہیں لازم ہے کہ اِس وقت بمقابلہ قرآنِ شریف کے وید کے وُہ دلائل عقلیہ پیش کریں جنکی رُو سے غیر مخلوق اور غیر مُحدث ہونا رُوحوں کا ثابت ہوتا ہے بلکہ اس جگہ ہم مکرر گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ بہتر یُوں ہے کہ ماسٹر صاحب بغرض مقابلہ و موازنہ فلسفہ وید و قرآن شریف ہم کو اجازت دیں کہ تاہم ایک علیحدہ رسالہ رُوحوں کی مخلوقیت اور اُنکی خواص اور قوّتوں اور طاقتوں کے بارے میں اور دیگر نکات اور لطائف علم رُوح کے متعلق اس شرط سے لکھیں کہ کسی بات اور کسی دلیل کے بیان کرنے میں بیانات قرآنی سے باہر نہ جائیں یعنے وُہی دلائل و براہین مخلوقیت ارواح پیش کریں جو قرآن شریف نے آپ پیش کئے ہیں اور وُہی دقائق و معارف علم رُوح لکھیں جو قرآن شریف نے خود لکھے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ماسٹر صاحب بھی بمقابل ہمارے ایسا ہی کریں یعنے وُہ بھی رُوحوں کی غیر مخلوقیت بدلائل عقلیہ ثابت کرنے اور علم رُوح کے بیان کرنے میں وید ہی کی شرتیوں کے پابند رہیں اور وُہی دلائل وغیرہ تحریر میں لادیں جو وید نے پیش کئے ہیں اور ہم دونوں فریق صرف حوالہ آیت یا شرتی پر کفایت نہ کریں بلکہ اُس آیت یا شرتی کو بتمامہ مع ترجمہ و پتہ و نشان وغیرہ تحریر بھی کر دیں۔ اس طور کے مباحثہ و موازنہ سے غالب اور مغلوب میں صاف فرق کُھل جائیگا اور جو اِن دونوں میں سے حقیقت میں خدا کا کلام ہے وُہ کامل طور پر اِن باتوں میں عہدہ برآ ہوگا اور اپنے حریف کو شکست فاش دیگا اور اس کی ذلّت اور رُسوائی ظاہر کریگا۔ لیکن ہم بطور پیشگوئی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایسا مقابلہ وید سے ہونا ہرگز ممکن ہی نہیں کیونکہ وید اپنے بیانات میں سراسر غلطی پر ہے اور وُہ بوجہ انسانی خیالات ہونے کے یہ طاقت اور قوّت بھی نہیں رکھتا کہ خداوند علیم و حکیم کی پاک و کامل کلام کا مقابلہ کر سکے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے علی التساوی یہ شرط پیش کی ہے یعنے اپنے نفس کے لئے اس طرز کے مقابلہ میں کوئی ایسا فائدہ مخصوص نہیں رکھا جس سے فریقِ ثانی مُتمتع نہ ہو سکتا

ہوپس اگراب بھی ماسٹر صاحب کنارہ کر گئے تو کیا یہ اِس بات پر دلیل کافی نہیں ہوگی کہ انکا وید ان کمالات اور خوبیوں اور پاک سچائیوں سے بکلّی عاری اور خالی ہے۔

قولہٗ - مرزا صاحب اور سب اہلِ اسلام کا یہی اعتقاد ہے اور قرآن میں آیا ہے کہ جب آنحضرت (محمدؐ صاحب) سے لوگوں نے پوچھا کہ رُوح کیا چیز ہے تو آپ کچھ نہ بتلا سکے۔ اور اُسوقت آئیت نازل ہوئی کہ اے محمدؐ کہدے کہ رُوح ایک امرِ ربّی ہے سو مسلمانوں نے تو رُوح کو کیا سمجھا ہوگا خدا نے اُنکے ہادی پر بھی رُوح کی کیفیت ظاہر نہیں کی اور خدا کا بھی کیا جواب عُمدہ ہے کہ رُوح امرِ ربّی ہے کیا اور چیزیں امرِ ربّی نہیں۔

اقول اس وقت ماسٹر صاحب کی خوبیٔ فہم اور جلد بازی کا تصوّر کر کے مجھے ایک حکایت یاد آگئی ہے کہ ایک ایسا شخص کسی شہر میں تھا جو ہمیشہ چپ رہا کرتا تھا آخر اُسکی خاموشی سے لوگ اس وہم میں پڑ گئے کہ یہ کوئی بڑا فاضل اور دانشمند ہوگا۔ اسی خیال سے ایک جماعت کثیر اُسکی خدمت میں حاضر رہنے لگی۔ ایک دن اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے اپنی عقلمندی ظاہر کرنے کے لئے کچھ بولنا چاہیئے سو جب اُس نے دو چار باتیں ہی مونھ سے نکالیں تو تمام لوگ سمجھ گئے کہ اگر اس شہر میں کوئی اور نادان بھی ہے تو اس سے بڑھ کر کبھی نہ ہوگا۔ تب اُسکے اردگرد سے سب بھاگ گئے اور ساری جماعت متفرق ہو گئی اور وُہ اکیلا رہ کر بہت دردمند ہوُا۔ بڑی مصیبت سے ایک رات کاٹی صبح ہوتے ہی اس شہر سے کہیں کو چلا گیا اور جاتے وقت ایک دیوار پر لکھ گیا کہ اگر میں پہلے اپنی شکل کو آئینہ میں دیکھ لیتا تو نادانی سے اپنا پردہ فاش نہ کرتا۔

اسی طرح ماسٹر صاحب نے بھی اچھا نہیں کیا کہ لاعلمی اور ناواقفیت اور ناسمجھی کی حالت میں اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولے۔ لالہ صاحب میں آپکی غلطیوں کی کہاں تک اصلاح کرتا جاؤں۔ آپنے یہ کس سے سُن لیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علمِ رُوح نہیں دیا گیا تھا۔ اور آپ نے

قرآن شریف میں کس جگہ اور کہاں دیکھ لیا کہ حضرت ممدوح رُوح کے علم سے بیخبر تھے۔ مَیں جانتا ہوں کہ آپکو اپنی عقلِ ناتمام کی شامت سے اُس آیت کے سمجھنے میں دھوکا لگا ہے جو قرآن شریف میں وارد ہے اور وہ یہ ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا[1] (الجزو ۱۵ سورہ بنی اسرائیل) اور کُفّار تجھ سے (اے محمدؐ) پُوچھتے ہیں کہ رُوح کیا ہے اور کس چیز سے اور کیونکر پیدا ہوئی ہے اِنکو کہدے کہ رُوح میرے ربّ کے امر میں سے ہے اور تمکو اے کافرو علمِ رُوح اور علمِ اسرار الٰہی نہیں دیا گیا مگر کچھ تھوڑا سا۔ سو اس جگہ اے ماسٹر صاحب آپکو اپنے نقصانِ فہم سے یہ غلطی لگی کہ آپ نے اس عبارت کا مخاطب (کہ تمکو علمِ رُوح نہیں دیا گیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لیا حالانکہ لفظ ما اوتیتم جسکا ترجمہ یہ ہے کہ تمکو نہیں دیا گیا جمع کا صیغہ ہے جو صاف دلالت کر رہا ہے جو اس آیت کے مخاطب کفّار ہیں کیونکہ ان آیات میں جمع کے صیغہ سے کسی جگہ آنحضرتؐ کو خطاب نہیں کیا گیا بلکہ جا بجا واحد کے صیغہ سے خطاب کیا گیا ہے اور جمع کے صیغہ سے کُفّار کی جماعت کو بیان کیا گیا ہے کہ وُہ ایسا سوال کرتے سو اگر کوئی ذرا اندھا نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ اِن دونوں آیتوں میں دو جمع کے صیغے وارد ہیں۔ اوّل یسئلون یعنی سوال کرتے ہیں۔ دوم ما اوتیتم یعنے تم نہیں دیئے گئے اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یسئلون کے صیغہ جمع سے مُراد کافر ہیں جنہوں نے رُوح کی کیفیّت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ ما اوتیتم کے صیغہ جمع سے بھی مراد کافر ہی ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو تو کسی جگہ جمع کے صیغہ سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ اوّل مجرّد کاف سے جو واحد پر دلالت کرتا ہے خطاب کیا گیا یعنے یہ کہا گیا کہ تجھ سے کفّار پُوچھتے ہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ تُم سے کُفّار پُوچھتے ہیں۔ پھر بعد اسکے ایسا ہی لفظ واحد سے فرمایا کہ اِنکو کہدے کہ یہ نہیں فرمایا کہ اِنکو کہدو برخلاف بیان حال کُفّار کے کہ اُنکو دونوں موقعوں پر جمع کے صیغے سے بیان کیا ہے سو آیت کے سیدھے سیدھے معنے جو سیاق سباق کلام سے سمجھے جاتے

[1] بنی اسرائیل : ۸۶

ہیں اور صاف صاف عبارت سے نکلتے ہیں یہی ہیں کہ اے محمد کفار تجھ سے رُوح کی کیفیت پُوچھتے ہیں کہ رُوح کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا ہوئی ہے سو اُنکو کہدے کہ رُوح امرِ ربّی ہے یعنے عالمِ امر میں سے ہے اور تم اے کافرو کیا جانو کہ رُوح کیا چیز ہے کیونکہ علم رُوح حاصل کرنے کے لئے ایماندار اور عارف باللہ ہونا ضروری ہے مگر اِن باتوں میں سے تم میں کوئی بھی بات نہیں۔

اب ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے کہ نادانی اور شتاب کاری کی آمیزش سے کیا کیا ندامتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ غور کرنا چاہیئے کہ اِن آیاتِ شریفہ متذکرہ بالا کا کیسا مطلب صاف صاف تھا کہ کفار کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے رُوح کے بارے میں سوال کیا کہ رُوح کیا چیز ہے تب ایسی جماعت کو جیسا کہ صورت موجودہ تھی۔ بصیغہ جمع مخاطب کر کے جواب دیا گیا کہ رُوح عالمِ امر میں سے ہے یعنے کلمۃ اللہ یا ظل کلمہ ہے جو بحکمت و قدرت الٰہی رُوح کی شکل پر وجود پذیر ہو گیا ہے اور اُسکو خدائی سے کچھ حصہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت حادث اور بندہ خدا ہے اور یہ قدرتِ ربّانی کا ایک بھید دقیق ہے۔ جسکو تم اے کافرو سمجھ نہیں سکتے ٭ مگر کچھ تھوڑا سا جسکی وجہ سے تم مکلّف بایمان ہو۔

٭ حاشیہ ٭ یہ ایک سرِّ ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقاتِ الٰہی پیدا ہو جاتی ہے اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر یک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات کلماتِ الٰہی کے اظلال و آثار ہیں یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلماتِ الٰہی ہی ہیں جو بقدرتِ الٰہی مخلوقیت کے رنگ میں آجاتے ہیں کلامِ الٰہی کی عبارت اِن دونوں معنے کے سمجھنے کے لئے وسیع ہے۔ اور بعض مواضع قرآن کی ظاہر عبارت میں مخلوقات کا نام کلمات اللہ رکھا گیا ہے جو تجلیاتِ ربوبیت سے بقدرتِ الٰہی لوازم و خواص جدیدہ حاصل کر کے حدوث کے کامل رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں اور درحقیقت یہ ایک سرّ اُن اسرار خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے اور عوام

تمہاری عقلیں بھی دریافت کرسکتی ہیں۔ اِس کھُلے کھُلے مطلب کے سمجھنے میں ماسٹر صاحب نے کتنی بڑی غلطی کھائی ہے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا یہ خطاب لاعلمی کیفیت رُوح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے لاحول ولا قوۃ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر کاش ماسٹر صاحب نے کچھ تھوڑی سی عربی پڑھی ہوتی یا کچھ تھوڑا سا قاعدہ نحو صرف کا ہی دیکھا ہوتا اے صاحب ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ رُوح کی کیفیت پُوچھنے والے کون لوگ تھے۔ وُہ تو آپکے ہی بھائی بند یعنے مُنکرین دینِ اسلام تھے اُنہیں کو تو یہ جواب دیا گیا تھا کہ رُوح عالم امر میں سے ہے اور تم اِن الٰہی بھیدوں کو اے کافرو کیا جانو ایمان لاؤ تا تمہیں رُوح کی کیفیت اور اُسکے علوم معلوم ہوں اور یہ جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رُوح عالم امر میں سے ہے جسپر ماسٹر صاحب نے اپنی خوش فہمی سے جھٹ پٹ اعتراض بھی کر دیا یہ ایک بڑی بھاری صداقت کا بیان ہے اور اِسکی تفصیل یہ ہے کہ ربوبیّت الٰہی دو طور سے ناپیدا چیزوں کو پیدا کرتی ہے اور

بقیہ حاشیہ کے لئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ ہو گیا اور سب کچھ اُسی کا پیدا کردہ اور اُسی کی مخلوق اور اُسی کے دستِ قدرت سے نکلا ہوا ہے۔ لیکن عارفوں پر کشفی طور سے بعد مجاہدات یہ کیفیّتِ حدوث کھُل جاتی ہے اور نظر کشفی میں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ارواح و اجسام کلمات اللہ ہی ہیں۔ جو حکمت کاملہ الٰہی پیرایۂ حدوث و مخلوقیّت سے متلبّس ہو گئے ہیں مگر اصل مُحکم جس پر قدم مارنا اور قایم رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ اِن کشفیات و معقولات سے قدر مشترک لیا جائے یعنے یہ کہ خدائے تعالیٰ ہریک چیز کا خالق اور مُحدث ہے اور کوئی چیز کیا ارواح اور کیا اجسام بغیر اُسکے ظہور پذیر نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ کلام الٰہی کی عبارت اِس جگہ درحقیقت ذوالوجوہ ہے اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وُہ یہی ہے کہ ہریک چیز خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر

دونوں طور کے پیدا کرنے میں پیدا شدہ چیزوں کے الگ الگ نام رکھے جاتے ہیں۔ جب خدائے تعالےٰ کسی چیز کو اس طور سے پیدا کرے کہ اُس چیز کا کچھ بھی وجود نہ ہو تو ایسے پیدا کرنے کا نام اصطلاح قرآنی میں امر ہے اور اگر ایسے طور سے کسی چیز کو پیدا کرے کہ پہلے وہ چیز کسی اور صورت میں اپنا وجود رکھتی ہو تو اُس طرز پیدائش کا نام خلق ہے خلاصۂ کلام یہ کہ بسیط چیز کا عدم محض سے پیدا کرنا عالم امر میں سے ہے اور مرکب چیز کو کسی شکل یا

بقیہ حاشیہ ہوتی ہے اور کوئی چیز بغیر اُسکے پیدا نہیں ہوئی اور نہ خود بخود ہے سو اسقدر اعتقاد ابتدائی حالت کے لئے کافی ہے پھر آگے معرفت کے میدانوں میں سیر کرنا جسکو نصیب ہوگا اُسپر بعد مجاہدات خود وہ کیفیت کھل جائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔[۱] یعنے جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرینگے ہم اُنکو وہ اپنی خاص راہیں آپ دکھلا دینگے جو مجرّد عقل اور قیاس سے سمجھ میں نہیں آسکتیں اور درحقیقت خدائے تعالےٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصہ پر منقسم کر رکھا ہے۔

(۱) عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواس ظاہری کے ذریعہ اور آلات خارجی کے توسّل سے محسوس ہو سکتا ہے۔

(۲) عالم باطن جو عقل اور قیاس کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۳) عالم باطن در باطن جو ایسا نازک اور لایدرک و فوق الخیالات عالم ہے جو تھوڑے ہیں جو اُس سے خبر رکھتے ہیں وہ عالم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی گئی مگر ظن محض۔ اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے اور نہ اور کسی ذریعہ سے اور جیسی عادت اللہ بدیہی طور پر ثابت اور متحقق ہے کہ اُس نے ان دو پہلے عالموں کے دریافت کرنے کے لئے جن کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے انسان کو طرح طرح کے حواس و قوتیں عنایت کی ہیں۔ اِسی طرح اِس

[۱] عنکبوت: ۷۰

ہیئت خاص مُتَشکّل کرنا عالمِ خلق سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ دُوسرے مقام میں قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[1] یعنے بسائط کا عدم محض سے پَیدا کرنا اور مُرکّبات کو ظہور خاص میں لانا دونوں خدا کا فعل ہیں اور بسیط اور مُرکّب دونوں خدائے تعالےٰ کی پَیدائش ہے اب ماسٹر صاحب! دیکھا کہ یہ کیسی اعلیٰ اور عُمدہ صداقت ہے جسکو ایک مختصر آیت اور چند معدود لفظوں میں خدائے تعالیٰ نے ادا کردیا۔ اس کے مقابلہ پر اگر آپ وید کے عقیدہ کو

بقیہ حاشیہ تیسرے عالم کے دریافت کرنے کے لئے بھی اُس فیاضِ مُطلق نے انسان کے لئے ایک ذریعہ رکھا ہے اور وُہ ذریعہ وحی اور الہام اور کشف ہے جو کسی زمانہ میں بکلّی بند اور موقوف نہیں رہ سکتا بلکہ اس کے شرائط بجا لانے والے ہمیشہ اس کو پاتے رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے۔ چونکہ انسان ترقیاتِ غیر محدُودہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خدائے تعالےٰ بھی عیب بخل و امساک سے بکلّی پاک ہے۔ پس اس قوی دلیل سے ایسا خیال بڑا ناپاک خیال ہے جو یہ سمجھا جائے جو خدائے تعالےٰ نے انسان کے دل میں تینوں عالموں کے اسرار معلوم کرنے کا شوق ڈال کر پھر تیسرے عالم کے وسائل وصول سے بکلّی اس کو محروم رکھا ہے۔ پس یہ وہ دلیل ہے جس سے دانشمند لوگ دائمی طور پر الہام اور کشف کی ضرورت کو یقین کرلیتے ہیں۔ اور آریوں کی طرح چار رشیوں پر الہام کو ختم نہیں کرتے جن کی مانند کوئی پانچواں اس کمال تک پہنچنا اُنکی نظر عجیب میں ممکن ہی نہیں بلکہ عقلمند لوگ خدائے تعالیٰ کے فیاضِ مُطلق ہونے پر ایمان لاکر الہامی دروازوں کو ہمیشہ کُھلا سمجھتے ہیں۔ اور کسی ولائیت اور مُلک سے اُس کو مخصوص نہیں رکھتے۔ ہاں اُس صراطِ مستقیم سے مخصوص رکھتے ہیں جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے یہ برکات حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر یک چیز کے حصُول کے لئے یہ لازم پڑا ہوا ہے کہ اُنہیں قواعد

[1] الاعراف : ۵۵

سوچیں تو جتنا شرمندہ ہوں اُتنا ہی تھوڑا ہے اسی وجہ سے تو ہم نے آپکو ایک خاموش درویش کا قصّہ سنایا اگر آپ ایسے ایسے فضول اور خام شُبہات کے پیش کرنے سے زبان بند رکھتے تو ہیں آپکی حیثیّتِ علمی پر وُہ شک نہ پڑتا جو اَب پڑ گیا ہے۔ بالآخر ہم یہ بھی لکھا چاہتے ہیں کہ اگر ماسٹر صاحب کے دل میں یہ خیال ہے کہ قرآن شریف میں علم رُوح بیان نہیں کیا گیا اور وید میں بیان کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو کیفیت رُوح سے

بقیہ حاشیہ اور طریقوں پر عمل کیا جائے جنکی پابندی سے وُہ چیز مل سکتی ہے۔ غرض عقلمند لوگ عالم کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے بلکہ اُنہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جوادِ مُطلق نے عالم اوّل کے ادنےٰ ادنےٰ اُمور کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو حواس وطاقتیں عنایت کی ہیں وُہ تیسرے عالم کے مُعظّم اور عالی شان اُمور کے دریافت سے جس سے حقیقی اور کامل تعلق خدائے تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے اور سچّی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اِسی دُنیا میں انوار نجات نمایاں ہو جاتے ہیں کیوں انسان کو محروم رکھتا بے شک یہ طریق بھی دوسرے دونوں طریقوں کی طرح کھُلا ہوا ہے اور صادق لوگ بڑے زور سے اس پر قدم مارتے ہیں اور اِس کو پاتے ہیں اور اِس کے ثمرات حاصل کرتے ہیں عجائبات اِس عالم ثالث کے بے انتہا ہیں اور اس کے مقابل پر دُوسرے عالم ایسے ہیں جیسے آفتاب کے مقابل پر ایک دانہ خشخاش۔ اس بات پر زور لگانا کہ اِس عالم کے اسرار عقلی طاقت سے بکُلّی منکشف ہو جائیں۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے ایک انسان آنکھوں کو بند کر کے مثلاً اس بات پر زور لگائے کہ وُہ قابل رؤیت چیزوں کو قوتِ شامہ کے ذریعہ سے دیکھ لے بلکہ عجائباتِ عالم باطن در باطن سے عقل ایسی حیران ہے کہ کچھ دم نہیں مار سکتی کہ یہ کیا بھید ہے۔ رُوحوں کی پیدائش

کچھ خبر نہ تھی مگر وید کے چاروں رشیوں کی خبر تھی تو اس بات کا تصفیہ نہایت سہل اور آسان ہے وہ یہ ہے کہ ماسٹر صاحب مقابلہ کرنے کے عہد پر ہم کو اجازت دیں تا ہم علم رُوح کو جو قرآن شریف میں لکھا ہے جس سے معرفت کاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و کمالیت قرآن شریف ثابت ہوتی ہے ایک مستقل رسالہ میں مرتب کر کے بحوالہ آیات قرآنی شائع کر دیں اور جب یہ رسالہ ہماری طرف سے چھپ کر شائع ہو جائے تو اس وقت ماسٹر صاحب

بقیہ حاشیہ پر انسان کیوں تعجب کرے اسی دنیا میں صاحبِ کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ اُن کی کُنہ کو سمجھنے میں کلّی عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہٖ تعالیٰ اُس کی آواز بھی سُن لیتا ہے اور اس سے زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اس کی آواز سُن لیتا ہے جس کی صورت اس پر منکشف ہوتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف اپنے عالم کشف میں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے ارواحِ گذشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور عام طور پر ملاقات ہر یک نیک بخت روح یا بدبخت روح کے کشف قبور کے طور پر ہوسکتی ہے چنانچہ خود اس میں مؤلف رسالہ ہذا صاحبِ تجربہ ہے اور یہ امر ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کی بیخ کنی کرنیوالا ہے اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحبِ کشف اپنی توجہ اور قوت تاثیر سے ایک دوسرے شخص پر باوجود صدہا کوسوں کے فاصلہ کے باذنہٖ تعالیٰ عالمِ بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا وجود عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے سو وہ محال اس عالم ثالث میں ممکن الوقوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صدہا عجائبات کو عارف

پر واجب و لازم ہوگا کہ اُسکے مقابل پر وید کی شُرتیوں کے ساتھ ایک رسالہ مُرتب کریں،
جس میں رُوح کے بارے میں وید کی فلاسفی بیان کی گئی ہو کہ وُہ کیونکر غیر مخلوق اور خُدا
کی طرح قدیم اور خُدا سے الگ چلی آتی ہے اور اس کے خواص کیا کیا ہیں مگر ہم دونوں فریقوں
پر لازم ہوگا کہ اپنی اپنی کتاب سے باہر نہ جائیں اور کوئی خود تراشیدہ خیال پیش نہ کریں۔
بلکہ وہی بات پیش کریں جو اپنی کتاب الہامی نے پیش کی ہے اور اُس آیت یا شُرتی کو بہ تپہ

بقیہ حاشیہ بچشم خود دیکھتا ہے اور اُن کور باطنوں کے انکار سے تعجب پر تعجب کرتا ہے۔ جو
اس عالم ثالث کے عجائبات سے قطعًا منکر ہیں۔ راقم رسالہ ہٰذا نے اِس عالم
ثالث کے عجائبات اور نادر مکاشفات کو قریب پانچہزار کے بچشم خود دیکھا اور
اپنے ذاتی تجربہ سے مشاہدہ کیا اور اپنے نفس پر انہیں وارد ہوتے پایا ہے۔ اگر
اُن سب کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بڑی بھاری کتاب تالیف ہوسکتی ہے۔
اِن سب عجائبات میں سے ایک بڑی عجیب بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ بعض کشفی
اُمور جن کا خارج میں نام ونشان نہیں محض قدرت غیبی سے وجود خارجی
پکڑ لیتے ہیں۔ اگرچہ صاحب فتوحات و فصوص و دیگر اکابر متصوفین نے
اس بارے میں بہت سے اپنے خود گذشت قصے اپنی تالیفات میں لکھے ہیں۔
لیکن چونکہ دید و شنید میں فرق ہے اس لئے مجرد اِن قصوں کی سماعت سے
ہم کو وُہ کیفیت یقینی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ جو اپنے ذاتی مشاہدہ سے
حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ مَیں نے عالم کشف میں دیکھا کہ بعض
احکام قضاءُ قدر مَیں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں۔ کہ آئندہ زمانہ میں ایسا
ہوگا۔ اور پھر اس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مُطلق جلّ شانہٗ کے
سامنے پیش کیا ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مکاشفات اور رویا صالحہ میں اکثر

خاص معہ ترجمہ لکھ بھی دیں تا کہ ناظرین رائے لگا سکیں کہ آیا وہ بات اُس سے نکلتی ہے یا نہیں۔ سو اگر اس شرط سے ماسٹر صاحب مقابلہ کر دکھائیں یا کوئی اور شخص جو آریوں کے ممتاز علماء میں سے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو خواہ ماسٹر صاحب ہوں یا منشی اندرمن صاحب مراد آبادی یا منشی جیونداس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور یا کوئی اور صاحب جو اس گروہ میں مسلّم العلم ہوں سو روپیہ نقد انعام دوں گا۔ اور یہ روپیہ

بقیہ حاشیہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض صفات جمالیہ یا جلالیہ الٰہیہ انسان کی شکل پر متمثل ہو کر صاحب کشف کو نظر آجاتے ہیں اور مجازی طور پر وہ یہی خیال کرتا ہے کہ وہی خداوند قادر مطلق ہے اور یہ امر ارباب کشوف میں شائع و متعارف و معلوم الحقیقت ہے جس سے کوئی صاحب کشف انکار نہیں کر سکتا) غرض وہی صفت جمالی جو بعالم کشف قوت متخیلہ کے آگے ایسی دکھلائی دی تھی جو خداوند قادر مطلق ہے اُس ذات بے چون و بیچگون کے آگے وہ کتاب قضاء و قدر پیش کی گئی اور اُس نے جو ایک حاکم کی شکل پر متمثل تھا اپنے قلم کو سُرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اُس سُرخی کو اس عاجز کی طرف چھڑکا اور بقیہ سُرخی کا قلم کے مونہہ میں رہ گیا اُس سے اُس کتاب پر دستخط کر دیئے اور ساتھ ہی وہ حالت کشفیہ دور ہو گئی اور آنکھ کھول جب خارج میں دیکھا تو کئی قطرات سُرخی کے تازہ بتازہ کپڑوں پر پڑے۔ چنانچہ ایک صاحب عبد اللہ نام جو سنور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور اُس وقت اس عاجز کے پاس نزدیک ہو کر بیٹھے ہوئے تھے دو یا تین قطرہ سُرخی کے اُن کی ٹوپی پر پڑے۔ پس وہ سُرخی جو ایک امر کشفی تھا وجود خارجی پکڑ کر نظر آگئی۔ اسی طرح اور کئی مکاشفات میں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے مشاہدہ کیا گیا ہے اور اپنے ذاتی تجارب سے ثابت ہو گیا جو بلاشبہ امور کشفیہ کبھی کبھی باذنہٖ تعالیٰ وجود خارجی پکڑتے ہیں یہ اُمور عقل

فریق مخالف کی تسلی خاطر کے لئے پہلے ہی کسی فاضل برہمو صاحب کے پاس جیسے بابو نوبین چندر رائے صاحب و پنڈت شیو نارائن صاحب اگنی ہوتری ہیں بطور امانت جمع کرایا جائے گا اور انہیں اختیار ہوگا کہ اگر وہ اپنی رائے میں دیکھیں کہ حقیقت میں آریہ صاحب نے وید کا مقابلہ کر دکھایا تو خود بخود بغیر اجازت ایں جانب وہ روپیہ اُس آریہ صاحب کے حوالہ کر دیں۔ لیکن اگر اس مضمون کو پڑھ کر پھر بھی ماسٹر صاحب یا ان کے کوئی دوسرے

بقیہ حاشیہ کے ذریعہ سے ہرگز ذہن نشین نہیں ہو سکتے بلکہ جو شخص عقل کے گھمنڈ اور غرور میں پھنسا ہوا ہے وہ ایسی باتوں کو سنتا ہے نہایت تعجب سے کہیگا کہ یہ سراسر محال اور خیال باطل ہے اور ایسا کہنے والا یا تو دروغگو ہے یا دیوانہ یا اسکو سادہ لوحی کی وجہ سے دھوکا لگا ہے اور بباعث نقصان تحقیق بات کی تہ تک پہنچنے سے محروم رہ گیا ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ان عقلمندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ وہ اُمور جن کی صداقت پر ہزارہا عارف و راستباز اپنے ذاتی تجارب سے شہادتیں دی گئی ہیں۔ اور اَب بھی دیتے ہیں اور صحبت گزین پر ثابت کر دینے کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ اپنی ذمہ داری لیتے ہیں کیا وہ ایسے خفیف اُمور ہیں جو صرف منکرانہ زبان ہلانے سے باطل ہو سکتے ہیں۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ عالم کشف کے عجائبات تو ایک طرف رہے جو عالم عقل ہے یعنے جس عالم تک عقل کی رسائی ہونا ممکن ہے اُس عالم کا بھی ابھی تک عقل نے تصفیہ نہیں کیا اور لاکھوں اسرار الٰہی پردۂ غیب میں دبے پڑے ہیں۔ جن کی عقلمندوں کو ہوا تک نہیں پہنچی۔ ایک فصلی مکھی جو پلید اور ناپاک زخموں پر بیٹھتی ہے اور اکثر گدھے یا بیل وغیرہ جو زخمی اور مجروح ہوں اُن کو ستاتی ہے اُسکے اِس عجیب خاصہ پر کوئی فلسفی دلیل عقلی نہیں بتلا سکتا کہ وہ اکثر برسات میں نکھوں کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کی اولاد صرف کیڑے ہوتے ہیں کہ جو ایک ایک

باعلم بھائی خاموش رہے اور مجھ کو بوعدہ مقابلہ ایسے رسالہ کی تالیف کے لئے تحریک نہ کی تو پھر تمام ناظرین کو سمجھنا چاہیئے کہ اُنکی سب آوازیں طبل تہی ہیں اور صادقوں کے طریق پر وہ چلنا چاہتے ہی نہیں۔ بھلا یہ کیا اوباشانہ طریق ہے اوّل خدائے تعالیٰ کی پاک کلام اور اُس کے کامل نبی کی نسبت ہتک اور توہین کے کلمات مونہہ پر لائیں اور جب مقابلہ وید وقرآن کے لئے کہا جائے تو پھر ایسے چُپ ہوں کہ گویا دُنیا سے کوچ کر گئے۔ ناظرین

بقیہ حاشیہ سیکنڈ میں دس دس بیس بیس تیس تیس اُسکے اندر سے نکلتے جاتے ہیں کیا یہ عقل کے برخلاف ہے یا نہیں کہ مادہ اور نر دونوں نوع واحد میں داخل ہوں اور اُنکے بچے ایسے ہوں کہ اُس نوع سے کُلّی خارج ہوں۔ ایسا ہی اگر چھپکلی کو (جس کو پنجاب میں کرلے کہتے ہیں) درمیان سے کاٹا جائے تو اس کا نیچے اور اُوپر کا دھڑ دونوں الگ الگ تڑپتے ہیں اور مضطربانہ حرکت کرتے ہیں اگر بقول پنڈت دیانند صاحب رُوح بھی جسم کی قسم ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو گیا ہوا اور اگر رُوح کو جسم اور جسمانی ہونے سے منزہ خیال کریں اور اُس کا تعلق جسم سے ایسا ہی مجہول الکیفیت و برتر از عقل وفہم خیال کریں جیسے رُوح کا حدوث برتر از عقل وفہم ہے تو پھر البتہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن پنڈت دیانند کا مذہب جڑھ سے اُکھڑتا ہے۔ اسی طرح عقلمندوں کی عقل ناقص کے تراش وخراش پر بہت اعتراض اُٹھتے ہیں اور انکو آخر کار نہایت شرمساری سے مُونہہ کے بل گرنا پڑتا ہے اور پھر انجام کار بہت خوار اور ذلیل ہو کر اسی بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے بے انتہا عجیب وغریب قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کا کام نہیں۔

ہرچہ دانا کند کند نادان لیک بعد از کمال رسوائی

منہ

سوچ لیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا صفائی کی بات ہوگی کہ ہم مغلوب ہونے کی حالت میں سَو روپیہ نقد دینا وعدہ کرتے ہیں اور غالب ہونے کی حالت میں ہم کچھ بھی نہیں مانگتے صرف یہ اُمید رکھتے ہیں کہ کوئی رُوح بے راہی کے طریق سے نادم ہوکر سچائی کا طریق اختیار کرے سو اب ہم منتظر رہیں گے کہ کب لالہ مرلیدھر صاحب یا اُنکے کوئی اور آریہ بھائی جو اپنی قوم میں امتیاز علمی رکھتے ہیں ایسی درخواست کرینگے۔ تا سیہ رُوئے شود ہر کہ درو غش باشد۔

قولہ۔ اسی طرح اسلام نے مادہ کی کیفیت کو بھی نہیں سمجھا اور نہ مادی دُنیا کو ہی معلوم کیا کہ زمین و سُورج وچاند وغیرہ کیا بستو ہیں زمین جو کہ کُرہ ہے اُسکی حقیقت اور گردش و کشش وغیرہ جو ہے اُن سب کے خلاف ہے سارے مسائل اسلام کے ہیں۔

اقول۔ آپ اس خیال پر اختلال میں بھی سراسر غلطی پر ہیں اور یہ آپ کا قول بالکل جھوٹ اور افترا یا بے خبری یا بے علمی کا تقاضا ہے جو آپ تعلیم قرآنی کی نسبت ایسا خیال کر رہے ہیں بلکہ تعلیم قرآنی میں جیسی واقعی اور حقانی طور پر کیفیت رُوح اور اُس کے خواص بیان کئے گئے ہیں ایسا ہی زمین و سُورج وچاند وغیرہ مادی اشیا کی نسبت قرآن شریف میں صحیح صحیح اور واقعی بیان مُندرج ہے اور ایسے بلند و عمیق اسرارِ طبعی و ہیئت و طبابت و دیگر لطائف فلسفہ اُس میں پائے جاتے ہیں جن کی طرف کسی حکیم یا فلسفی کا ذہن سبقت نہیں لے گیا۔ اگر آپ اس میں بھی کچھ آزمائش کرنا چاہیں تو حسب تحریک آپکے ہم ایک ہی رسالہ میں جیسا کہ قول گزشتہ میں ہم وعدہ کر چکے ہیں بمراد مقابلہ وید و قرآن یہہ دونوں طور کے مسائلِ علمِ رُوح و مسائلِ علمِ اشیائے مادی قرآنِ شریف سے لیکر بیان کر سکتے ہیں مگر اُسی شرط مُتذکرہ بالا کے رُو سے یعنے یہ کہ جس طرح ہم اپنے بیان میں قرآن شریف سے باہر نہ جائیں ایسا ہی بمقابل ہمارے آپ بھی کر دکھائیں۔ اور آپ یاد رکھیں کہ آپ کی ساری باتیں فضول اور نری دعویٰ ہی دعویٰ ہیں۔ ورنہ وید تو خالق اور مخلوق میں بھی فرق نہیں کر سکا پھر دُوسری صداقتیں کیا بیان کرے گا۔ ایک وید کا

دعویٰ تناسخ ہی دیکھیں یعنے جونوں کا مسئلہ کہ کس قدر مخالف طبعی و طبابت و ہیئت ہے بموجب قرار داد وید کے جو لوگ نہایت درجہ کے ذلیل گناہ کرتے ہیں وہ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض بنتے ہیں اور انسان کی جُون اُنہیں کو ملتی ہے جن کا گناہ کچھ خفیف ہو۔ اب ایک محقق عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس سے لازم آتا کہ کیڑوں مکوڑوں کا کثرت سے پیدا ہونا ہمیشہ کثرت گناہوں کے تابع ہو حالانکہ یہ بات بہ بداہت نظر سراسر باطل معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدائے تعالےٰ کا قانون قُدرت صاف صاف یہی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر کیڑے مکوڑے اور مینڈکیں اور چھوٹے چھوٹے پردار اور دُوسرے جانور موسم برسات میں ہی پیدا ہوتے ہیں تو کیا اب یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ خلقت خدا کی برسات کے دنوں میں ہی کثرت سے گناہ کرتی ہے کسی اور دنوں میں نہیں کرتی۔ دیکھو یہ عقیدہ کس قدر علم طبعی کے برخلاف ہے۔ ایسا ہی جمیع اطباء کی تحقیقات سے اکثر طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد اور عورت کی دو منیوں کے ملنے سے لڑکا لڑکی پیدا ہوتا ہے مگر دیانند صاحب فرماتے ہیں کہ وید کے رُو سے صرف عورت کا نطفہ موجب حمل ہو جاتا ہے اور رُوح شبنم کی طرح کسی بوٹی پر گرتی ہے اُس کو کوئی عورت کھا کر حاملہ ہو جاتی ہے دیکھو یہ کسقدر منافی مسائل طبابت ہے۔ ایسا ہی وید میں یہ بھی لکھا ہے کہ اندر نے ایک رشی کی لڑکی کو حمل کر دیا۔ بلکہ آپ ہی اُسکے پیٹ سے پیدا ہو گیا۔ آپ لوگوں کے بزرگ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ بعض رشی کان کی راہ سے بعض مونہہ کی راہ سے بعض کسی اور دُوسرے حیوان کے پیٹ سے پَیدا ہوئے ہیں ایسا ہی آپ کا وید بہت سے ایسے خواص چاند اور سُورج کی طرف منسوب کرتا ہے جنکی زمانہ حال کی نئی تحقیق نے صاف صاف بکمال ثبوت تکذیب کی ہے۔ اگر ہم اِس وقت وید سے نقل کر کے جو ہمارے سامنے رکھا ہے اُن سب باتوں کو جو خلاف مسائل ثابت شُدہ طبعی و طبابت و ہیئت اُس میں بھری پڑی ہیں لکھیں تو یہ رسالہ ایک بڑی کتاب ہو جائیگی اِس لئے بالفعل ہم اُن تمام اُمور کو اُس مستقل رسالہ پر موقوف رکھتے ہیں۔

جس کا ہم بشرائط متذکرہ بالا وعدہ کر چکے ہیں۔

قولہ۔ آج تک مسلمانوں کو چاند وغیرہ کی حقیقت معلوم نہیں کہ کب نکلتا ہے اور کب چھپتا ہے ایک عید ہی آتی ہے تو سب مسلمان شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ چاند کونسے دن نکلتا ہے۔

اقول۔ بھلا غنیمت ہے کہ چاند وغیرہ کی حقیقت آپ لوگوں نے تو اچھی طرح سمجھ لی ہے اے ماسٹر صاحب مَیں نہیں جانتا کہ اس قسم کے بیہودہ اور بے اصل باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ اگر اس نکتہ چینی سے آپکا مُدعا یہ ہے کہ عوام مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ علوم طبعی وہیئت سے بےخبر ہیں تو مَیں کہتا ہوں کہ اس وصف کے عوام الناس کس قوم میں نہیں پائے جاتے بلکہ ہندوؤں کے عوام پر تو گویا سادہ لوحی وہم پرستی عجائب پرستی ختم ہے ابھی کسی اخبار میں لکھا تھا کہ ایک ہندو صاحب نے ریل کو دیکھ کر جھک کر اُسے سجدہ کیا کہ تیرا دھن بل ہے تو ماتا دیوی ہے کیا ان لوگوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ انکو بھی طبعی یا فلاسفی کی بُو پہنچی ہے بھلا آپ ہی فرمایئے کہ ایسے خیالات کے مالک قریب قریب حیوانات کے ہیں یا نہیں۔ کیا جو لوگ آفتاب اور ماہتاب سے لیکر زمین کے تمام عناصر بلکہ پتھروں اور بوٹیوں تک بھی پرستش کرتے ہیں اُنکو اس فلسفہ حقہ پر کچھ اطلاع ہے کہ یہ سب چیزیں مخلوق اور ایک صانع قادر کے قبضہ قدرت میں ہیں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کچھ نقصان کر سکتی ہیں۔ ایسا ہی جابجا آریہ صاحبوں کے عوام کیا بلکہ خواص بھی علوم فلسفیہ سے بکُلّی بےخبر اور غافل محض پائے جاتے ہیں۔ دیکھو ایک طرف آریہ لوگوں کی فلاسفی یہ بتلاتی ہے کہ گائے جو ایک حیوان ہے مسئلہ اواگون کے رُو سے کسی زمانہ میں برہمن کی قوم میں سے یعنی ایک برہمنی تھی اور پھر کسی پلید اور بُرے کام کے ارتکاب سے بعض کہتے ہیں کہ زنا کے باعث سے سزایاب ہو کر گائے کی جُون میں آئی۔ اور پھر دُوسری طرف دیکھو کہ اسی مجرمہ فاسقہ عورت کے ہنڈوں

کے خیالات میں کس قدر تعظیم و تکریم جمی ہوئی ہے کہ گویا اُسی کی دُم پکڑ کر پار ہو جانا ہے۔ یہاں تک اسکی بزرگی تسلیم کی جاتی ہے کہ اسکے عوض میں کسی انسان کا خون کرنا اُن کے نزدیک کچھ بھی گناہ نہیں بلکہ ثواب کی بات ہے اگرچہ ایسی ایسی حرکات کبھی کبھی اب بھی ہندو لوگ شوخی کی راہ سے کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ کوکوں کا بمقام امرتسر کئی قصابوں کو بے رحمی سے قتل کرنا ایک ایسا تازہ واقعہ ہے جس میں کچھ زیادہ مدت نہیں گذری۔ لیکن سِکھوں کے عہد حکومت میں تو بڑے زور و شور سے بحکم حکام ایسی وارداتیں ہوتی تھیں۔ سِکھوں کا دَورِ حکومت پنجاب میں پچاس برس کے اندر اندر شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا اس زمانہ کی تحریروں اور واقف کاروں کے بیانات تائیدی سے یہ پُردرد ماجرا معلوم ہوتا ہے کہ اِس حیوان کے کسی اتفاقی زخم لگ جانے پر یا کبھی کبھی کسی فاقہ کش کے ہاتھ سے ذبح کئے جانے پر چار ہزار سے کچھ زیادہ مسلمان متفرق مقامات اور دفعات میں زمانہ عملداری سِکھوں میں نہایت دردانگیز اور بے رحمی کے طریقوں سے قتل کئے گئے اور جلائے گئے اور پھانسی دیئے گئے اور اُس سِکھّاں شاہی میں ہمیشہ اس منحوس جانور کی حمایت میں ہندوؤں سے ایسی ایسی ہی ظالمانہ حرکتیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ آخر مظلوموں کی فریاد جنابِ الٰہی میں سُنی گئی اور اِس جانور اور اِسکے حامیوں پر منعم حقیقی کا غضب بھڑکا اور اُس نے عنانِ حکومت ہمیشہ کے لئے ہریک زمان و مکان سے ان کے ہاتھ سے چھین لی اور ایک ایسی مہذّب قوم کو ابرِ رحمت کی طرح دُور سے لایا جس میں انسان اور حیوان میں فرق کرنے کی لیاقتیں موجود تھیں اور جسکو قابلیت رعیّت پروری و ملکداری و قدرشناسی اشرف المخلوقات حاصل تھی اس قوم فاتح اور قابلِ شکر (یعنی گورنمنٹ برطانیہ) کی حکومت پنجاب میں قائم ہونے سے سب مسلمان اُس عذاب سے رہائی پا گئے کہ جو بنی اسرائیل کی طرح ایک مدت مدید سے سِکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھ سے اُٹھاتے تھے اور وہ ہزارہا شریف انسانوں کے خون جو اِس ایک حیوان کے عوض میں اُس پر ظلم

حکومت میں بہائے گئے تھے اسی طرح اُن ظالم ہزاروں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور آخر اُن کے خونوں سے بھی زمین سُرخ ہو گئی اور گائے پر بھی جو کچھ یہ غضب الٰہی وارد ہوا اور اب تک ہمیشہ کے لئے وارد ہو رہا ہے اُس کے بیان کرنے کی تو کچھ حاجت ہی نہیں۔ تا دلِ مردان حق نامد بدرد٭ ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد۔ اب دیکھو کہ ایک لایعقل حیوان کو انسان سے بہتر جاننا اور پہلے آپ ہی اس حیوان کو ایک فاسقہ عورت کی بگڑی ہوئی جُون قرار دینا اور پھر اُسکی ایسی عزت کرنا کہ اُسکے ادنیٰ زخم پر ہزارہا انسانوں کے خون کرنے کو تیار ہو جانا یہ کس قسم کی فلاسفی ہے۔ اگر تلاش کرو تو تمام دُنیا میں ایسا وحشیانہ جوش ایک حیوان کے لئے کسی قوم میں ہرگز پایا نہیں جائیگا جیسا کہ ہندوؤں کو گائے کے لئے ہے۔ بعض متعصب برہمنوں کو یہ بھی کہتے سُنا ہے کہ اصل میں گائے کا جُرم تو خفیف ہی تھا مگر پرمیشر نے اُسکو مصلحت سے سخت سزا دیدی۔ شاید یہ پردہ پوشی اور پرمیشر کو ظالم ٹھہرانا اس خیال سے ہے کہ اُنکے مجنونانہ زعم میں گائے دراصل اُنہیں کی بہن یعنے برہمنی ہے اور برہمن ویدوں کے رُو سے ایک ایسی چیدہ قوم ہے کہ کئی قسم کے گناہ بھی اُنکو معاف ہیں اور اگر کوئی شُودر ہو کر برہمن کی نسبت کوئی بُرا لفظ کہے تو منوسمرت میں لکھا ہے کہ اُسکی زبان چھید نی چاہیئے اور اگر ہندوؤں میں سے بجُز برہمن کسی دُوسری قوم کا آدمی بے اولاد ہو تو شاستروں کا حکم ہے کہ اپنی عورت کو برہمن کے پاس بھیجدے اور وہ اُس سے ہم صحبت ہو کر اُسکے حاملہ ہو جانے کا فکر کریگا۔ ایسا ہی قریب بتّیس کے عجیب عجیب حقوق برہمنوں کے ہیں جنکو شاستروں نے کھیوٹ بندوبست کی طرح برہمنوں کے لئے قائم کر رکھا ہے چنانچہ منوشاستر اور دوسرے شاستروں کے پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ یہ سب باتیں وید سے لی گئیں ہیں اور وید میں درج ہیں اور باوا نانک صاحب تو سب پرانوں اور شاستروں کو وید کی طرح ایشر کرت ہی یعنی خدا کا کلام ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے گرنتھ میں لکھتے ہیں۔

قُدرت بید پُوران کتیباں قُدرت سرب بچار ۔ یعنے بید پوران شاستر سب خُدا کا کلام ہی ہے سو وُہ لوگ جو سکھ ہو کر آریہ سماج میں داخل ہیں اور دو دو ہاتھ کے برابر کیس سر پر رکھے ہوئے ہیں اُن پر تو واجب ہے کہ اپنے گورو نانک صاحب کے شبد پر عمل کرکے سب پورانوں کو ایشر کا کلام ہی سمجھیں ۔ غرض جب منوسمرت اور پُرانوں کے رُو سے ایسی عزّت اور ایسے حقوق برہمن کو حاصل ہیں تو پھر درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر نے بہت بیجا کام کیا کہ ایک برہمنی کو ایک ادنیٰ گناہ سے سخت سزا دیدی ۔ درحقیقت ایسی سخت سزا دینے سے پرمیشر کی عدالت پر بڑا دھبّہ لگتا ہے کہ اُس نے ایسی سنگین اور سخت سزا دی کہ غریب برہمنی کو اپنی اصلی صورت سے مسخ کرکے قیدیوں کی طرح سخت اور خود غرض لوگوں کے حوالہ کر دیا ۔ جن میں سے کوئی تو اُس کے بچّے کو بھوکا چھوڑ کر اس کا دُودھ پی جاتا ہے اور کوئی اُس کی ہڈّیوں اور چمڑہ کے فکر میں رہتا ہے اور کوئی اُسکے بچّوں پر جُوا رکھکر دن رات ان کی جان کو مارتا ہے اور کوئی باربرداری سے اُنکو ریش اور مجروح کرتا ہے غرض کوئی کسی طرح سے اور کوئی کسی طرح سے اُن پر ظلم کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ خود آریہ لوگ بھی اس پر رحم نہیں کرتے ۔ اور غلاموں کی طرح اُسکی خرید اور فروخت جاری رکھتے ہیں اور ہمیشہ قید رکھکر سختی پر سختی کرتے رہتے ہیں ۔ سو اگر گائے کے اُن پُر درد واقعات کو بمقابل جنگلی چرندوں اور پرندوں کے دیکھا جائے یا دریا کے جانوروں کے مقابل پر وزن کیا جائے تو حقیقت میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پرمیشر نے گائے کو بڑی سخت سزا دی ہے ۔ اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر نے اس لئے یہ سخت سزا دی کہ تا آئندہ کوئی برہمنی ایسا بُرا کام نہ کرے ۔ تو یہ جواب بھی پوچ ہے ۔ کیونکہ اگر پرمیشر کا یہی مطلب ہوتا تو گائے کو انسان کی طرح زبان گویائی دیتا تا وہ برہمنوں کے گھر جا کر اپنی بہنوں کو سمجھاتی کہ اے بہنو! میرا حال دیکھو اگر تم بھی ایسا کرو گی تو تم بھی ایسا ہی پاؤ گی یا ایسا کرتا کہ پھر جب کبھی گائے آدمی کی جُون میں آجاتی ۔ تو وُہ تمام مصیبتیں

گائے بننے اور دُکھ درد اُٹھانے کی اُسکو یاد دلا دیتا تا وُہ پھر کبھی ایسا بُرا کام نہ کرتے۔ سو جبکہ پرمیشر نے ایسی سخت سزا تو دی مگر کبھی ایک دفعہ ایسا نہ کیا کہ گائے کو زبان گویائی دیتا یا مجسے آدمی کی جُون میں آنے کے بعد اُس پہلی پُر مصیبت جُون کی اطلاع کر دیتا تو بھی وجہ معلوم ہوتی کہ ابتک گائے کی جُون کا انسداد نہیں ہوا بلکہ اس گناہ کے نامعلوم رہنے کی وجہ سے اس حیوان کی نسل نے ایسی ترقی کی ہے کہ کروڑ ہا گائیں زمین پر پھیل گئی ہیں۔ اگر پرمیشر سے یہ بد انتظامی ظہور میں نہ آتی تو اس نابکار حیوان کی اس قدر ترقی کیوں ہوتی بلکہ گائیوں کا زمین پر نام و نشان نہ رہتا۔ مگر اب بھی اس منحوس جُون کے کاٹنے کے لئے ایک عمدہ تجویز خیال میں گذرتی ہے اگر آریہ صاحبان اس کو پسند کرلیں تو انکی کوشش سے یہ لائقِ رحم برہمنی اس منحوس جُون سے مخلصی پا سکتی ہے اور وُہ یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کی تمام گائیوں اور بیلوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کرکے ایک ہی دفعہ کسی تدبیر سے اس جہانِ فانی سے زاویہ عدم میں بھیجا جاوے۔ اگر پھر بھی ہندوؤں کا پرمیشر کسی برہمنی کو ایسی سخت سزا دینے کی جرأت کرے تو اس کے ہم ذمہ دار ہیں بشرطیکہ کسی اور مُلک سے کوئی جوڑہ بیل اور گائے کا جدید طور پر نسل جاری کرنے کے لئے منگوا نہ جاوے کیونکہ اگر آریہ صاحبان ایسا کریں تو گویا پھر خود ان کی مرضی ہے کہ اس منحوس جُون سے کبھی برہمنوں کو نجات نہ ملے۔ غرض ہم نے ایک نسخہ بتا دیا ہے آئندہ اُس کا کرنا نہ کرنا آریہ صاحبوں کے اختیار میں ہے۔

اب ذرا عقلمند آریوں کو شرمندہ ہونا چاہیئے کہ اُنکے وید کی فلاسفی نے کس درجہ کے مجنونانہ خیالات تک اُن کو پہنچا دیا ہے۔ کیا وید وِدّیا کی یہی تعلیم ہے کہ اوّل ایک حیوان کو بلا دلیل وحجت ایک فاسقہ عورت قرار دینا اور پھر اُسی پلید اور نابکار جانور کے دُودھ پینے کے لئے رغبت دلانا۔ اے بھائیو آریو خدا تمھیں سمجھ اور ہدایت بخشے تمھیں ذرہ غیظ اور غضب کو الگ کرکے سوچنا چاہیئے اور عالمانہ اعتراض کا عالمانہ جواب دینا چاہیئے کہ اگر حقیقت

میں گائے ایک نابکار اور سزا یافتہ عورت ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اُسکو متبرک اور قابلِ تعظیم سمجھا جائے بلکہ اُسکی شکل دیکھنے سے بیزار ہونا چاہیئے اور ڈرنا چاہیئے اور دُور سے توبہ توبہ کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اُسکو بابرکت خیال کرکے صبح اُٹھ کر پہلے اُسی کا درشن کریں اور مرنے کے وقت وُہی برہمن کو بھی سنکلب کرکے دیجائے اور اگر کسی آدم زاد کے ہاتھ سے اتفاقًا ایک ادنیٰ زخم بھی اس کو پہنچ جائے تو جب تک اُس آدمی کے ٹکڑہ ٹکڑہ نہ کرلیں صبر نہ آوے کیا آپکے وید کا یہی فلسفہ ہے کیا وید ددّیا اِسی کا نام ہے کیا اِسی شیخت سے مسلمانوں کے عوام پر آپ نے اعتراض کیا ہے کہ سُورج اور چاند کی اُنہیں کیفیت معلوم نہیں بھلا آپ ایمانًا بتلادیں کہ قانونِ انصاف کا جاننا اور سمجھنا زیادہ تر مقدم ہے یا چاند اور سورج کا۔ آپکے وید کے مسایل ایسے ہیں کہ اُنہوں نے نہ آپکے پرمیشر کی کچھ عزّت بحال رکھی اور نہ انسان اور حیوان کا فرق قائم رکھا اور نہ قانونِ انصاف میں سے آپکو کوئی حرف پڑھایا۔ جہاں دیکھو بے انصافی ہے جس طرف نظر ڈالو ناحق پرستی پائی جاتی ہے اوّل خدائے تعالٰے کو خالق اور رحیم اور کریم ہونے سے جواب دیا پھر اُسکے بندوں کو ہمیشہ کی نجات سے محروم رکھا الہام کو خواہ نخواہ چار رشیوں میں محدود کردیا الہامی کتاب کا نازل ہونا اسے آریہ دیس کا حق ٹھہرایا گیا۔ سنسکرت پرمیشر کی زبان مُقرر کی گئی تمام مجاہدین اور عابدین کو خواہ وہ کیسے اخلاص سے ہی عبادت وبندگی کریں۔ اُن چار وید کے رشیوں کی طرح ملہم اور عارف باللہ ہونے سے ہمیشہ کے لئے جواب دیا گیا کیا یہ باتیں قانونِ انصاف سے نکلی ہیں۔ کیا اِن تعلیموں کا بانی مُبانی منصف مزاج کہلا سکتا ہے۔ کیا کسی عقلمند کے نزدیک یہ بات شانِ فیّاضی الٰہی سے مناسبت رکھتی ہے کہ وُہ ہمیشہ کے لئے اپنی نبوّت اور الہام یابی کا آریہ دیس کے چار رشیوں کو ہی ٹھیکہ دے رکھے اور باقی تمام بندگانِ خُدا اُسکے وسیع اور آباد مُلکوں کی ہمیشہ کے لئے اُس سے محروم رہیں سو جس کتاب نے قانونِ انصاف یہ بتلایا ہے اُس سے دُوسری صداقتوں کی کیا اُمید رکھیں تمام عارفوں کے نزدیک سُورج چاند

اور دوسرے اجرام و اجسام کی شناخت سے اصلی غرض یہ ہے کہ تا اُن مصنوعات پر غور کرنے سے صانع حقیقی کی طرف خیال رجوع کر جائے لیکن جس مذہب میں خدائے تعالیٰ کو صانع کامل ہونے سے ہی جواب دیا گیا۔ اگر اُس مذہب میں کوئی شخص طبعی اور ہیئت یا دوسرے علوم سے کسی قدر بہرہ بھی حاصل کرلے تو اُسے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ برکات قرآن شریف میں ہی ہیں کہ اُس نے ان تمام علوم طبعی و طبابت و ہیئت وغیرہ سے خداشناسی کے لئے خدمت لی ہے سو حقیقت میں یہ علوم مسلمانوں کے کام آتے ہیں نہ آریوں کے جنہوں نے خدا کو ہی خدائی سے جواب دے رکھا ہے۔

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کرکے کہتے ہیں کہ اب تک ہم نے ماسٹر مُرلی دھر صاحب کے قول کی ردّ میں صرف عوام مسلمانوں کے مقابل پر عوام ہنود کے خیالاتِ علمی کو بغرض مقابلہ و موازنہ پیش کیا ہے لیکن اگر ماسٹر صاحب کا اپنی نکتہ چینی سے یہ مطلب ہے کہ عموماً کل مسلمان علوم طبعی و ہیئت سے بے بہرہ ہیں اور یہ سب علوم ہندوؤں کی وراثت ہے تو اس چھیڑ چھاڑ سے اور بھی ماسٹر صاحب کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔ اہلِ اسلام وہ قوم ہے جنکو جابجا قرآن میں یہی رغبت دی گئی ہے کہ وہ فکر اور خوض میں مشق کریں اور جو کچھ عجائبات صنعت زمین و آسمان میں بھرے پڑے ہیں اُن سے واقفیت حاصل کریں۔ مومنوں کی تعریف میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا۔[1] یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو خدائے تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور جو کچھ زمین و آسمان میں عجائب صنعتیں موجود ہیں ان میں فکر اور غور کرتے رہتے ہیں اور جب لطائف صنعتِ الٰہی اُن پر کھلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدایا تُو نے اُن صنعتوں کو بیکار پیدا نہیں کیا یعنے وہ لوگ جو مومن خاص ہیں صنعت شناسی اور ہیئت دانی سے دُنیا پرست لوگوں کی طرح صرف اتنی ہی غرض نہیں رکھتے

[1] آل عمران: ۱۹۲

کہ مثلاً اسی پر کفایت کریں کہ زمین کی شکل یہ ہے اور اُس کا قُطر اسقدر ہے اور اُسکی کشش کی کیفیت یہ ہے اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں سے اُسکو اس قسم کے تعلّقات ہیں بلکہ وُہ صنعت کی کمالیت شناخت کرنے کے بعد اور اس کے خواص کھلنے کے پیچھے صانع کی طرف رجوع کر جاتے ہیں اور اپنے ایمان کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر دُوسری جگہ فرماتا ہے یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا[1] یعنے خدائے تعالیٰ جسکو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسکو حکمت دی گئی اُس کو خیر کثیر دی گئی۔ پس دیکھنا چاہیئے کہ ان آیات میں مُسلمانوں کو کس قدر علم و حکمت حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ یعنی علم کا طلب کرنا ہر یک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ہاں یہ سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے احکامِ دین سہل و آسان کرنے کی غرض سے عوام النّاس کو صاف اور سیدھا راہ بتلایا ہے اور ناحق کی دقتوں اور پیچیدہ باتوں میں نہیں ڈالا مثلاً روزہ رکھنے کیلئے یہ حکم نہیں دیا کہ تم جب تک قواعد ظنّیہ نجوم کے رُو سے یہ معلوم نہ کرو کہ چاند اُنتیس ۲۹ کا ہوگا یا تیس کا۔ تب تک رؤیت کا ہرگز اعتبار نہ کرو۔ اور آنکھیں بند رکھو کیونکہ ظاہر ہے کہ خواہ نخواہ اعمالِ دقیقہ نجوم کو عوام النّاس کے گلے کا ہار بنانا یہ ناحق کا حرج اور تکلیف مالایطاق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حسابوں کے لگانے میں بہت سی غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں سو یہ بڑی سیدھی بات اور عوام کے مناسب حال ہے کہ وُہ لوگ محتاج مُنجّم و ہیئت دان نہ رہیں اور چاند کے معلوم کرنے میں کہ کس تاریخ نکلتا ہے اپنی رویت پر مدار رکھیں صرف علمی طور پر اتنا سمجھ رکھیں کہ تیس کے عدد سے تجاوز نہ کریں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقت میں عند العقل رؤیت کو قیاسات ریاضیہ پر فوقیت ہے۔ آخر حکمائے یورپ نے بھی جب رؤیت کو زیادہ معتبر سمجھا تو اس نیک خیال کی وجہ سے بتائید قوّتِ باصرہ طرح طرح کے آلات دُور بینی و خورد بینی

[1] البقرۃ : ۲۷۰

ایجاد کیئے اور بذریعہ رویّت تھوڑے ہی دنوں میں اجرام علوی و سفلی کے متعلق وہ صداقتیں معلوم کر لیں۔ کہ جو ہندوؤں بیچاروں کو اپنی قیاسی اٹکلوں سے ہزاروں برسوں میں بھی معلوم نہیں ہوئی تھیں اب آپ نے دیکھا کہ رویّت میں کیا کیا برکتیں ہیں انہیں برکتوں کی بنیاد ڈالنے کے لئے خدا تعالیٰ نے رویّت کی ترغیب دی ذرہ سوچ کر کے دیکھ لو کہ اگر اہل یورپ بھی رویّت کو ہندوؤں کی طرح ایک ناچیز اور بے سُود خیال کر کے اور صرف قیاسی حسابوں پر جو کسی اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھ کر لکھے گئے مدار رکھتے تو کیونکر یہ تازہ اور جدید معلومات چاند اور سُورج اور نئے نئے ستاروں کی نسبت انہیں معلوم ہو جاتے سو مکرر ہم لکھتے ہیں کہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ رویّت میں کیا کیا برکات ہیں اور انجام کار کیا کیا نیک نتائج اس سے نکلتے ہیں۔

ماسوائے اس کے خود یہ خیال کہ اہلِ اسلام تحصیل علوم طبعی و ہیئت وغیرہ سے بکلّی بے بہرہ چلے آتے ہیں ایسا متعصّبانہ خیال ہے جس سے اگر ماسٹر صاحب ذرا انصاف پر آویں تو انہیں بہت شرمندہ اور نادم ہو جانا چاہیئے ہمیں اس جگہ کچھ ضرورت نہیں کہ بات کو طول دیکر اہلِ اسلام کے علمی فضائل کا ثبوت دیں بلکہ اس مقام میں ہم صرف اُن چند سطروں کا لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو اف جان دیون پورٹ صاحب نے اپنی کتاب میں جس کا ترجمہ ہو کر مؤیدالاسلام نام رکھا گیا ہے لکھیں ہیں سو وہ یہ ہیں۔

صفحہ ۹۴ سے تا صفحہ ۹۸ عبارت کتاب جان اوبرٹ صاحب

مشم صاحب کا قول ہے کہ مؤرخان معتبر کے نزدیک یہ بات قرار پا گئی ہے کہ دسویں صدی میں یورپ غایت درجہ کی جہالت میں پڑا ہوُا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہلِ عرب یعنی اہلِ اسلام نے مُلک ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے مدرسے جاری کئے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طُلباء عیسائی عربی فارسی اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو مدارسِ اسلام سے لاکر عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے۔

ہمیں اس بات کا اقرار کرنا چاہیئے کہ تمام قسم کے علم یعنی طب وطبعیات وفلسفہ وریاضی جو دسویں صدی سے یورپ میں جاری ہوتے ہیں یہ سب اصل میں اہل عرب مسلمانوں کے فلسفی مدارس سے سیکھے گئے تھے خصوصاً ہسپانیہ کے اہل اسلام بانی فلسفہ یورپ خیال کئے جاتے ہیں اہل اسلام کو علمی ترقی بھی ایسی ہی جلدی حاصل ہوئی جیسے اُن ملکوں پر فتحیں حاصل ہوتی تھیں۔ سول سے اصفہان تک اہل عرب کا علم بہت جلد پھیل گیا اور بغداد اور کوفہ اور قاہرہ اور بصرہ اور فیز اور مراکو اور گورڈووا اور گرینڈا اور دین شیا اور سول میں اہل عرب کی حکمت نے بہت جلد رواج پایا۔ حقیقت میں اہل عرب مسلمانوں نے تمام علوم کو نئے سرے ترقی دی اور یونان اور روما کے علوم میں دوبارہ جان ڈالی۔ نویں ۹ صدی سے چودھویں صدی تک عرب کے علم وفضل سے یہ نور حاصل ہوتا رہا اور اہل یورپ کو تاریکی جہالت سے روشنئ علم وعقل میں لایا۔ اگر آٹھواں خلیفہ عبدالرحمٰن ہسپانیہ میں مدرسے اور مکتب خانے جاری نہ کرتا تو ہمیں بے شک اہل عرب کے علم وفضل سے مطلق فائدہ نہ ہوتا کیونکہ بغداد اور بخارا اور مصر کے مدارس بہت مشہور تھے مگر وہ اس قدر دُور تھے کہ طلباء یورپ کو واں جانے میں بہت دقت پڑتی تھی۔ مذہب اسلام اپنی ترقی کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ اپنی ابتدائی حالت میں ہی اور مذہبوں کی نسبت علم کی طرف بہت مائل تھا۔ آں حضرت نے خود فرمایا ہے کہ جس آدمی میں علم نہ ہو وہ قالب بے رُوح ہے یہ تمام عبارت جان ڈیون پورٹ صاحب کی ہے جس کو ہم نے ماسٹر صاحب اور اُن کے دوستوں کے ملاحظہ کے لئے اس جگہ تحریر کیا ہے اس سے منصفین کو ایک محکم شہادت ملتی ہے کہ اہل اسلام ایک علم دوست قوم ہے جن کی فطرت وخمیر میں علم چلا آتا ہے اور جن کی شاگردی کے اہل یورپ باوصف ہمہ فضائل علمی اقراری ہیں پھر دیکھنا چاہیئے کہ یہی صاحب ڈیون پورٹ اپنے رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۷۲ سے صفحہ ۸۳ تک قرآن شریف کی بدیں الفاظ تعریف ومدح کرتے ہیں۔ چنانچہ اصل عبارت ان کی لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

مسلمان قرآن شریف کی ایسی عظمت کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے اپنی انجیل کی کبھی ایسی تکریم ہوتے نہیں دیکھی قرآن شریف میں صرف احکام مذہبی وتہذیب اخلاق ہی کا ذکر نہیں بلکہ گبن صاحب کا قول ہے کہ اوقیانوس سے گنگا تک قرآن شریف مجموعہ قوانین مانا جاتا ہے۔ قرآن میں قوانینِ دیوانی وفوجداری وسلوک باہمی پائے جاتے ہیں اور وہ مسائل نجات رُوح وحقوقِ عامہ وحقوقِ شخصی ونفع رسانی خلائق وغیرہ پر حاوی ہے منجملہ محاسن وخوبیوں قرآن کے جس پر اہلِ اسلام کو ناز کرنا بجا ہے وہ باتیں نہایت عُمدہ ہیں اوّل قرآن شریف کی وہ خوش بیانی جس میں خدائے تعالیٰ کا ذکر ہے اور جس کے سُننے سے آدمی کے دل پر ایک طرح کا اثر پیدا ہوتا اور خوف آتا ہے۔ دُوسرے قرآن تمام اُن خیالات سے مُبرّا ہے جو خلافِ تہذیب خیال کئے جا سکتے ہیں اور اس کے تمام اصول ایسے ہیں جو کوئی ان میں سے خلافِ عقل نہیں مگر افسوس کہ یہ عیب یہودیوں کی مقدس کتابوں میں اکثر واقعہ ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اُصول میں سب کو اتفاق ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی ماننی پڑے اور سمجھ میں نہ آوے فقط۔

یہ بیان قرآن شریف کی نسبت تو جان بوسٹ صاحب کا ہے اور ایسا ہی کارلائل صاحب اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ صادق کا کلام ہے اور صداقت سے پُر ہے۔ اب دیکھئے کہ یوروپ کے بڑے بڑے فلاسفر جن کے گھر میں گویا آج طبعی اور ہیئت نے جنم لیا ہوا ہے اور جو سورج اور چاند وغیرہ کی کیفیت آپ لوگوں سے بہتر جانتا اور سمجھتے ہیں وہ کس قدر قرآن شریف کے معقولانہ مسائل کے قائل اور مداح ہیں اور کیسی اپنی صاف طینتی کی وجہ سے صاف اقرار کرتے ہیں کہ قرآن شریف کے مسائل علومِ عقلیہ کے خلاف نہیں ہیں اور کوئی اُس میں ایسا اعتقاد نہیں جو زبردستی ماننا پڑے پس جس حالت میں ایسے لوگ جو فلاسفی

کے پتلے خیال کئے جاتے ہیں۔ قرآن شریف کے حکیمانہ طور و طریق کی کھلی کھلی شہادتیں دیتے ہیں تو پھر اگر آپ اے ماسٹر صاحب یا آپکا کوئی اور بھائی جن کی آنکھیں انہیں لوگوں کے علوم پڑھنے سے کچھ کچھ کھلی ہیں اور یہی لوگ آپ کے معلّم اور اُستاد ہیں فضائل قرآنی سے انکاری رہیں تو اس سے قرآن شریف کا کیا نقصان ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر یورپ اور ایشیا کے تمام مخالف فضائل قرآنیہ سے انکار کرتے تو بھی کچھ نقصان کی بات نہ تھی آفتاب بہرحال آفتاب ہی ہے چاہے کوئی اس کی روشنی کا اقراری ہو یا نہ ہو مگر یورپ کے فاضل اور صاحب علم لوگ اس قدر قابل تحسین ہیں کہ انہوں نے بیسیوں کتابیں تالیف کرکے قرآن شریف کے بارہ میں شہادت حقہ کو ادا کر دیا ہے اور باستثناء نیم ملّاں پادریوں کی جو تنخواہیں پاکر اسلام سے عناد رکھتے ہیں باقی جس قدر واقعی دانا اور فلاسفر ہیں اُن کے دلوں میں دن بدن عظمت اسلام کی پیدا ہوتی جاتی ہے لیکن آپ لوگوں کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لادیں کہ ناحق بموجب سراسر عناد اور بخل کی راہ سے نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں آپ لوگوں کے اعتراض اسی رنگ کے ہیں۔ کہ جیسے ایک شخص قوافی سے ناواقف عروض سے جاہل تقطیع سے بے خبر ربط معانی و الفاظ سے بے تمیز درستی وزن و زحافات کی شناخت سے ناآشنا محض بلکہ زباندانی سے محروم مطلق یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ سعدی و حافظ شیرازی و ظہیر فاریابی و فردوسی و طوسی و انوری و سنائی وغیرہ شعرائے نامدار بالکل سخن گوئی و سخن فہمی سے ناواقف و محروم مطلق تھے اور اس پر دلیل یہ پیش کرے کہ میں اُن کے اشعار کو سمجھ نہیں سکتا پس آپ لوگوں کا یہی حال ہے خداتعالےٰ رحم فرماوے۔

قولہ۔ جو لوگ رُوح اور مادہ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سرشتی کرم جس کو مرزا صاحب بہت ہی چھوٹے اور حقارت کے لفظوں میں جوڑنا جاڑنا تحریر فرماتے ہیں اتنا بڑا اور عالی شان کام ہے کہ اس کو سوائے اُس سچدانند سرب گیہ اور دانائی کامل کے کوئی

نہیں بنا سکتا بنانا تو درکنار اس کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بابت کہ یہ کس طرح بنی لاکھ کاریگروں میں سے ایک لاکھواں حصہ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اگر یہ ایسا حقیر کام ہے جس کو صرف جوڑنا جاڑنا کہا ہے تو مرزا صاحب یا کوئی اور شخص جو دعوٰی رکھتا ہو مرزا صاحب کی سمجھ میں بڑا طاقت والا ہو تو بڑی چیزوں سیارات وغیرہ کو تو کیا بناویگا ایک دانہ گندم یا باجرہ کا ہی بنا کر دکھلاوے یا کچھ تھوڑے بہت اس کی کاریگری کے اصول ہی سمجھا دے۔

اقول۔ ہائے اے ماسٹر صاحب آپ کدھر کو کھسک گئے ذرا اوّل غور کر کے میرے سوال کو تو سمجھا ہوتا سخن فہمی بھی تو آپ ہی پر ختم ہے میں نے آپ کو کب اور کس وقت کہا تھا کہ خدائے قادرِ مطلق کی مانند کوئی دوسرا شخص بھی کوئی صنعت بنا سکتا ہے یا بجز اُس کے کوئی صنعت کا کام اس کے کاموں سے مشابہ ہو سکتا ہے یہ اعتقاد تو آپ لوگوں کا ہی ہے جس پر میں نے اعتراض کیا تھا یعنی آپ لوگ ہی تو یہ بات کہتے ہیں کہ جو جو صنعتیں عالمِ غیب سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں جن کو دانشمند لوگ کسی ناقص کی طاقت سے برتر سمجھ کر ایک صانع کامل اور قادر اور حکیم اور حیّ قیوم کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تمام صنعت کے کام بزعم آپ لوگوں کے اُس خداوند کامل اور قادر کے ہاتھ سے نہیں نکلتے بلکہ اُن میں سے صرف جوڑنا جاڑنا اُس کا کام ہے اور باقی سب حکمت اور صنعت کے کام اور طرح طرح کے خواصِ عجیبہ جو ارواح اور اجسام کی ذات میں پائے جاتے ہیں وہ سب بقول آپ کے قدیم سے خود بخود چلے آتے ہیں جن کا کوئی مُوجد اور خالق نہیں اور نہ خالق کی اُن کو کچھ حاجت و ضرورت ہے سو آپ کے اسی عقیدہ پر میں معترض ہوا تھا اور اسی وجہ سے میں نے آپ کو جواب لکھنے کی تکلیف دی تھی کہ جس حالت میں آپ نے روحوں کے وجود کو جن میں ایسی عجیب صنعتیں اور خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو اجمالی طور پر تمام دنیا کے عجائبات پر مشتمل ہیں خود بخود بغیر حاجت پرمیشر کے مان لیا ہے ایسا ہی آپ نے اجسام کو اور اُن کے تمام خواص کو جو اُن میں پائے جاتے ہیں خود بخود تسلیم کر لیا ہے تو پھر صرف جوڑنے

جاڑنے کے لئے جو ایک ادنیٰ کام ہے کیوں پرمیشر کی ضرورت ٹھہری سو آپ سوچیں کہ کیا اس سوال کے جواب میں یہی لکھنا مناسب تھا جو آپ نے لکھا مَیں متعجب ہوں کہ آپ اس سوال کے جواب پر کس غرض اور کس خیال سے یہ بحث لے بیٹھے کہ ایک دانہ گندم یا باجرہ بھی کوئی دوسرا شخص بغیر پرمیشر کے نہیں بنا سکتا۔ مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی دوسرا شخص گندم یا باجرہ کے دانہ بنانے سے عاجز ہے تو کیا ایسا شخص اُن عجائب حکمت وصنعت کے کام کرنے پر قادر ہو سکتا ہے جو رُوحوں میں پائے جاتے ہیں پھر جس حالت میں کوئی شخص اُن عجائب حکمت وغرائب صنعت کے کاموں پر جو رُوحوں یا اجسام میں پائے جاتے ہیں مقابلہ کرنے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتا تو پھر اگر آپ تالیفِ اجسام یعنی خدا تعالیٰ کے جوڑنے جاڑنے کو بوجہ بے نظیر ہونے اُس فعل کے صانع کے وجود کی دلیل ٹھہراتے ہیں اور اسی دلیل سے یعنی تالیف اجسام سے ایک مؤلّف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو پھر رُوحوں میں بھی بوجۂ اولیٰ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس جگہ بھی ایک مُوجد کی ضرورت ہے کیونکہ جب دو چیزیں ایک ہی صورت اور شکل کی ہوں تو جو احکام ایک پر صادر ہوں وہی احکام دوسرے پر بھی صادر کرنے پڑیں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ اور جب ایک جگہ آپ اس بات کو روا رکھ لیں گے کہ اگرچہ یہ کام بے نظیر اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے مگر پھر خود بخود ہے اور پرمیشر کے بنانے کی اس میں ضرورت نہیں پڑی تو پھر اسی صورت اور شکل کے کام کی نسبت دوسری جگہ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پرمیشر کی خواہ نخواہ ضرورت پڑ گئی ہے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر پرمیشر کے وجود کی ضرورت ہے تو دونوں طور کے کاموں میں ہو گی نہیں تو اُن میں سے کسی کام کے لئے بھی اس کی ضرورت ماننی نہیں چاہیئے یہ کیسا مکابرہ ہے اور کس قسم کی منطق ہے آپ تالیف اجسام میں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ سے جوڑنا جاڑنا ظہور میں آیا ہے وہ بے نظیر ہے اور انسان اس کی مثل بنانے پر قادر نہیں اس لئے اس تالیف سے ایک مؤلّف

کی ضرورت ثابت ہوتی ہے لیکن جب آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ وُہی بے نظیری اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہونا اُن عجائبات قدرت میں بھی پایا جاتا ہے جو روحوں میں ہیں تو تب آپ اُس طرف سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اب کوئی آپ کی اس سمجھ پر رو دے یا ہنسے کہ آپ دو چیزوں کے مشترک استحقاق کو دیکھ کر ایک چیز کو پرمیشر کی مصنوعیت سے باہر رکھ لیتے ہیں اور دوسری چیز کو جو ایک ادنیٰ اور عارضی کام ہے اپنے پرمیشر پر تھاپتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اور کسی طور کی حجت آپ کے اس مطلب کی تائید نہیں کرسکتے کہ تمام عالم میں سے آدھا دھڑ خود بخود اور آدھا پرمیشر کا محتاج ہے اور یہ جو مَیں نے ابھی لکھا ہے کہ اجسام کو جوڑنا جاڑنا ایک ادنیٰ کام ہے یہ مَیں نے اس لئے لکھا کہ درحقیقت جوڑنے جاڑنے سے کوئی نئی خوبی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہی خواص ارواح و اجسام جو روحوں اور جسموں میں چھپے ہوئے تھے کھُلے کھُلے طور پر نظر آجاتے ہیں جیسے ایک تصویر کو جب ایک مصفا شیشہ کے اندر رکھا جائے تو نہایت صفائی اور خوبی سے نقوش اُس تصویر کے ظاہر ہوجاتے ہیں سو یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ تصویر کو آئینہ میں رکھنے سے خود آئینہ کوئی ایسا نقش اس میں زیادہ کر دیتا ہے جو پہلے اس میں موجود نہ تھا بلکہ وہی نقوش جو پہلی تصویر میں موجود تھے اور مصوّر کے ہاتھ سے نکلے تھے انہیں کو آئینہ نہایت عُمدگی اور صفائی سے نمایاں کر دیتا ہے سو مَیں کہتا ہوں کہ اگر اجزاء صغار اجسام میں بطور خود وہ کشش اتصال کی خاصیت نہ ہوتی جس سے وہ اکٹھے رہ سکتے ہیں تو آپ کا پرمیشر جو خالق اشیاء و خواص اشیاء نہیں ہے کیا کرسکتا تھا اور اگر آفتاب کے باریک ٹکڑوں میں جو بقول آپ کے خود بخود ہیں اپنی ذات میں ہی روشن ہونے کی خاصیت نہ پائی جاتی تو کیونکر اور کس قوت سے پرمیشر ان سب کو اکٹھا کر کے نیّرِ اعظم بنا لیتا سو جاننا چاہیئے کہ اگر خدا تعالےٰ میں ایجادی قوت نہیں یعنی اس نے تمام چیزوں اور اُن کے خواص کو عدم محض سے پیدا نہیں کیا تو صرف بعض بعض ترکیبیں نکال کر خواص موجودہ سابقہ سے کام

لینا کوئی بڑی بات نہیں انسانوں میں سے بھی تو صناع لوگ اپنے علم خواص کے مطابق طرح طرح کی ترکیبیں اور صنعتیں نکالتے رہتے ہیں۔† ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ جس کو علم خواص اسیاء زیادہ ہوا اُس نے زیادہ ترکیبیں نکالیں اور جس کو کم ہوا اُس نے کم نکالیں بہرحال بنی آدم نے بھی بلاشبہ حیرت ناک کام کر دکھائے ہیں اور جہاں کہیں اُن کو کوئی خاصہ جدیدہ اشیاء مادی اور اُن کی اشکال واوضاع یا ان کے باہم اختلاط و امتزاج کا مل گیا ہے وہیں اُنہوں نے اُسی ذریعہ سے کوئی کل یا آلہ بنا ڈالا ہے چنانچہ سارا جہان انسان کی عجیب عجیب دستکاریوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے اگر تم گھر میں بیٹھے ہوئے اپنے گھر کی تمام ضروریات و اسباب خانہ داری پر نظر ڈالو اور جائیداد غیر منقولہ سے لیکر ایک ایک چیز منقولہ پر نظر اُٹھا کر دیکھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ وہ سب چیزیں جو تمہارے امور معیشت میں کام آتی ہیں انسان کی دستکاریاں ہیں ایسا ہی برّی و بحری سفروں میں جو کچھ انسان نے اپنی فکر و غور سے

---

† **حاشیہ** اب تک دانشمند لوگوں نے کچھ کچھ خواص ارواح و خواص اجسام و اوضاع پر اطلاع پاکر اور علوم طبعی و ہندسہ سے مدد لیکر صدہا عُمدہ عُمدہ کلیں اور ترکیبیں نکالی ہیں اور جیسے جیسے انسان کا علم وسیع ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ صنعت سازی میں ید طولیٰ حاصل کرتا جاتا ہے ریل کا بخاری طاقت سے چلانا تار کا بنانا چھاپہ کی ترکیبیں ایجاد کرنا کیسی کیسی مفید صنعتیں ہیں جن سے گویا تمام بنی آدم کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ایسا ہی انسان نے دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں صدہا طور کی کلیں ایجاد کرلی ہیں ہر قسم کی عُمدہ عُمدہ گھڑیاں جو خود بخود وقت بتلاتی ہیں سینے کی مشین۔ آٹا پیسنے کی کل۔ کپڑا بُننے کی کلیں۔ برف بنانے کی کل۔ دودھ میں پانی کی آمیزش شناخت کرنے کا آلہ۔ بجلی کا صندوقچہ۔ خود بخود چلنے والا پنکھا۔ طاؤس جو چابی دینے سے مثل زندوں کے چلتا اور پھرتا اور ناچتا ہے۔ مُرغی کہ بجز کُنجی دینے سے چلتی ہے بجواد کتا جو کُنجی دینے سے چلتا ہے۔ باجہ دار کرسیاں جن کو کُنجی دینے

صنعتیں ایجاد کی ہیں وہ سیاحوں اور واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں ہے اب ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر میں بھی صرف اتنی ہی خوبی ہے کہ مادی وغیر مادی اشیاء کے خواص جو اُسے معلوم ہیں اُنہیں میں دست اندازی کرکے اور بعض اشیاء کو بعض سے جوڑ کر صنعتیں نکالتا ہے تو یہ کچھ بڑی بات نہیں اور اس صورت میں تو ہمیں اُس کی ساری خُدائی کی حقیقت معلوم ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ اُس میں اور انسان میں صرف علم کی کمی بیشی کا کچھ فرق ہے اور ممکن ہوگا کہ انسان بھی اپنے معلومات میں ترقی کرتا کرتا کسی وقت پرمیشر ہی بن جاوے۔ جس حالت میں شہد کی مکھی میں بھی یہ ہنر پایا جاتا ہے کہ وہ ایسی عقل مندی سے شہد بناتی ہے کہ کوئی انسان اس کی نظیر بنانے پر قادر نہیں پھر اگر

بقیہ حاشیہ سے چند عرصہ تک باجا بجتا رہتا ہے ایسا ہی صدہا اور کلیں چھوٹی بڑی ہیں جو حال کے صناعوں نے طیار کری ہیں۔ اور بمبئی اور کلکتہ اور اکثر دیگر مقامات میں سوداگروں کی دکان پر مل سکتی ہیں اور یورپ کے اکثر کاریگر دانتوں کی جگہ دانت اور آنکھ کی پتلی کی جگہ آنکھ کی پتلی اور ٹانگوں کی جگہ ٹانپ اور بالوں کی جگہ مصنوعی بال لگا کر گذارہ چلا دیتے ہیں بعض حکیموں نے چاند بنا کر اور چڑھا کر محدود حد تک اس کی روشنی سے کام لیا ہے بعض نے پرند بنا کر کُنجی دینے سے ایک حد تک انہیں اُڑا کر دکھلا دیا ہے اور بعض نے مینہ برسنے کی ترکیب نکالی اور کسی حد کے اندر اندر مینہ برسا دیا ایسا ہی قسم قسم کے پھول اور پھل اور موتی اور دیگر جواہرات کا ایسے بنائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو حیران کر دیا ہے اور ابھی انسان کی صانعیت کی کچھ انتہا نہیں کیونکہ وہ ترقیات غیر محدود کے لئے پیدا کیا گیا ہے جن کی تحصیل کے لئے وہ فطرتاً مشغول ہے۔

منہ

ہنّدوؤں کے پرمیشر میں ایجادی قدرت نہیں تو اگر اُس شہد کی مکھی کی طرح صرف جوڑنا جاڑنا اُس کا بے نظیر بھی ہوا تو بھلا یہ کیا کمال ہوا۔ اس جگہ کوئی انجان یہ دھوکا نہ کھائے کہ آریہ سماج والے تو اس بات کو مانتے ہیں کہ گو پرمیشر پیدا کرنے پر قادر نہیں لیکن وہ اجسام اور ارواح کے جوڑنے جاڑنے سے طرح طرح کی مفید چیزیں تو بناتا ہے جیسے اس نے چاند بنایا سورج بنایا زمین کو عمدگی سے بچھایا انسان کو آنکھیں دیں کان دیئے قوّتِ ناطقہ شامہ بخشی سو کیا ایسے ایسے عجائب کاموں سے اُس کی قدرت ثابت نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ علمی وسعت پر موقوف ہے ایجادی قُدرت جو کسی شئے اور اُس کے خاصہ کو عدم سے پیدا کرنے کو کہتے ہیں وہ اسی قدر فعل سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ وہ تب ہی ثابت ہوتی ہے کہ جب ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ صرف اشیاء کا جوڑنے جاڑنے والا نہیں بلکہ وہ ان تمام اشیاء اور اُن کے جمیع خواص کو پیدا کرنے والا بھی ہے کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے اور خدائے تعالیٰ کا صرف اسی قدر اختیار و اقتدار سمجھا جائے کہ وہ بعض اشیاء کو بعض سے پیوند کر کے اُن کے اصلی خواص کو متجلّی کر کے دکھا دیتا ہے تو اس سے صرف اس کے معلومات کی فراخی ثابت ہوتی ہے نہ قادریت کاملہ۔ وجہ یہ کہ جب جمیع اشیاء خود بخود قدیم سے موجود مان لی جائیں تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اُن اشیاء کے خواص بھی جو بحالت بساطت مخفی طور پر اُن میں پائے جاتے ہیں یا بحالت ترکیب کھُلے کھُلے طور پر اُن سے ظہور میں آتے ہیں وہ بھی سب قدیم ہی ہیں گو ہم اُن پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نے جو آنکھوں کو نہایت عجیب طور سے بنایا ہے سو اس میں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنکھوں کی صرف مجموعی ترکیب کے پیدا ہونے کے بعد خاصہ رویت اُس میں پیدا ہوگیا ہے بلکہ صحیح فلاسفی اس میں یہ ہے کہ جو کچھ مجموعی ترکیب میں رویت پیدا ہونے کا نتیجہ نکلا ہے وہ نتیجہ مخفی طور پر اُن تمام اجزا میں پایا جاتا تھا۔ جو پیچھے سے رطوبات و طبقات اور

عصبہ مجوفہ وغیرہ کی شکل پر متشکل ہوگئے جن کو آریہ لوگ قدیم اور انادی اور پرمیشر کے دست قدرت سے بالاتر خیال کرتے ہیں چنانچہ اس بات کو پنڈت دیانند صاحب بھی اپنے وید بھاش میں مانتے ہیں اور اپنا اعتقاد یہی ظاہر کرتے ہیں کہ نیستی سے ہستی کبھی نہیں ہوتی جو ہے وہی ظہور میں آتا ہے اور جو نہیں وہ کبھی ظہور میں نہیں آسکتا۔ پس اس جگہ انہوں نے آپ ہی تسلیم کرلیا ہے کہ ترکیب اشیاء یعنے جوڑنے جاڑنے میں کوئی ایسی نئی بات پیدا نہیں ہوتی جو پہلے نیست محض ہو اور پھر نیستی سے اس کی ہستی ہوگئی ہو بلکہ وہی خواص قدیمہ ظہور میں آتے ہیں کہ جو اوّل میں سے ہی الگ الگ جزول میں مخفی طور پر موجود تھے۔ اب جب کہ یہ ثابت ہوگیا۔ کہ ترکیب اشیاء میں انہیں خواص کا ظہور و بروز ہوتا ہے جو پہلے ہی سے الگ الگ ہونے کی حالت میں اُن اشیاء میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں تو اس صورت میں ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مثلاً پرمیشر نے انسان کے جسم کی آنکھ بنائی اور جو اجزاء کارآمد آنکھ کے الگ الگ موجود تھے انہیں ایک جگہ اکٹھا کرکے کام لیا تو ایسے بنانے میں اس کی کونسی بڑی بھاری خوبی ثابت ہوگئی کیونکہ دراصل سب اجزاء جن سے آنکھ بن سکتی تھی پہلے ہی سے موجود تھے۔ ہاں ظہور اس خاصیت کا اس خاص ترکیب اور وضع پر موقوف تھا سو پرمیشر نے اپنی علمی وسعت سے اُس خاص وضع و شکل پر اطلاع پاکر اُس خاصہ قدیم کو جو بغیر حاجت پرمیشر کے پایا جاتا تھا ظاہر کرکے دکھلا دیا پس اگر پرمیشر کا اتنا ہی منصب اور اسی قدر اُس میں لیاقت ہے کہ وہ خواص اشیاء پر وسیع اطلاع ہونے کی وجہ سے تراکیب مختلفہ میں اُن خواص کو ظاہر کرتا رہتا ہے تو اُس میں اور دُوسرے صناعوں میں کونسا بڑا فرق رہا صرف اتنا ہوا کہ وہ کچھ ہنر میں زیادہ اور دُوسرے اُس کے چھوٹے بھائی ہوئے۔

قولہ۔ رہا مادہ سو وُہ چیز ہے جس کو ہندی میں جڑ پدارتھ کہتے ہیں جس میں ارادہ یا طاقت ہلنے جلنے کی نہیں غرض دونوں چیزیں (رُوح و مادہ) جو دُنیا میں موجود ہیں جن کو مرزا

صاحب نے ایک دہریہ کی طرف سے پیش کیا تھا ایسی ثابت ہوئیں کہ مرزا صاحب کے جوڑنے جاڑنے سے بالکل عاجز اور بے خبر ہیں اور انادی ہونے کی صورت میں خود بخود اُن کا جوڑ جاڑ نہیں ہو سکتا سو اس سے کسی تیسرے بڑی شان والے اور جوڑنے والے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ وہ وُہی ہے جس کو مَیں سچدانند سروپ اور مرزا صاحب خدائے تعالےٰ کہہ رہے ہیں۔

اقول۔ اے ماسٹر صاحب آپ کی سمجھ اور فہم کی نسبت کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر۔ صاحب من میرا سوال تو یہ تھا کہ جس حالت رُوح اور جیسی مادہ جن کے ذاتی خواص سے فلسفہ میں کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بقول آپ لوگوں کے خود بخود ہیں تو پھر دوسری چیزیں جو اپنی مصنوعیّت میں رُوح اور مادہ کے عجائب اور پُرحکمت وجود سے کچھ زیادہ نہیں ہیں کیوں محتاج صانع سمجھے جائیں آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ جوڑنا جاڑنا بجز پرمیشر کے خود بخود نہیں ہو سکتا تو گویا آپ کا یہ مذہب ہوا کہ پیدا ہونا بجز خدا کے خود بخود ہو سکتا ہے مگر جوڑنا جاڑنا بغیر اُس کے ممکن نہیں سو اسی مذہب پر مَیں اعتراض کر رہا ہوں۔ مَیں پُوچھتا ہوں کہ کیا بڑا بھارا کام پَیدا کرنا ہے یا جوڑنا۔ ظاہر ہے کہ پَیدا کرنا ہی بڑا بھارا کام ہے سو جب آپ لوگوں کی عقل عجیب نے اس بات کو روا رکھ لیا کہ تمام ارواح و مواد معہ جمیع خواص و عجائبات اپنے کے بغیر پیدا کرنے کسی پَیدا کنندہ کے خود بخود قدیم سے ہیں تو آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ بعض اشیاء کا بعض سے خود بخود جوڑے جانا بھی روا رکھ لیں کیونکہ جوڑنا جاڑنا اصل ایجاد اشیاء کی نسبت ایک ناکارہ کام ہے سو وُہ بوجہ اَولیٰ خود بخود ہونا چاہیئے۔ میرا تو یہ مذہب نہیں ہے کہ جوڑے جانا یا پیدا ہونا خود بخود ہو سکتا ہے تا مجھے آپ بار بار کہیں کہ کوئی دانۂ گندم یا دانۂ باجرہ ہی بنا کر دکھلا دیں تو آپ کے ہی مذہب پر رو رہا ہوں کہ جس حالت میں ایک دانۂ گندم یا ایک دانہ باجرہ نہ خود بخود بن سکتا ہے نہ اُس کو

کوئی دوسرا بنا سکتا ہے تو کروڑہا اور بے شمار رُوحیں اور بے شمار جسم کے ٹکڑے کیونکر خود بخود سمجھے جائیں آپ سوچ کر دیکھ لیں کہ آپ نے اتنے ورق تو سیاہ کئے مگر ان چیزوں کے خود بخود ہونے پر دلیل کونسی پیش کی اور جب کہ آپ نے کُل پر حکمت وجودوں کا جو عالم میں پائے جاتے ہیں خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے ہونا بغیر دلیل کے مان لیا ہے تو پھر یہی فتویٰ تالیف اجسام یعنے جوڑنے جاڑنے پر کیوں نہیں لگایا۔ بے شک واقعی امر تو یہی ہے کہ کسی عقل مند کا دل اس بات سے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں کہ خدائے تعالےٰ کے کام بے نظیر ہیں مگر آپ لوگ کب انہیں بے نظیر سمجھتے ہیں۔ آپ لوگوں کے وید پر یہ بات سیاہ سے سیاہ دھبہ سے بڑھ کر ہے کہ جو ذات کُل فیضوں کا مبداء ہونا چاہیئے اس کو ایسا گھٹاتے گھٹاتے محو کر دیا ہے کہ بس خاک میں ملا دیا۔ سوچو اے آریہ صاحبو سوچو! کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی ایسی رُوح نہیں کہ جو ذرہ دل کو آلائش تعصب سے پاک کر کے سوچے۔ اس سوال پر غور کرو کہ وہ چیز جسے رُبوبیّت کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ اس بات کو ذرہ دل لگا کر جانچو کہ خدا کس بات کا نام ہے؟ قوم کیا ہے برادری کیا چیز ہے کوئی کسی کا نہیں آؤ خدا سے ڈرو اور ایسی باتیں مُنہ پر مت لاؤ جن میں اُس بے انتہا طاقتوں والے کی توہین ہے کیا تمھیں یہ بات کہتے کچھ بھی شرم نہیں آتی کہ ہماری رُوحیں بھی بلکہ ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ پرمیشر کی طرح خود بخود ہی حق ظاہر ہو گیا اور مخلوق ہونے کی تم پر ڈگری ہو چکی اب خدا کا بندہ ہونے سے مت بھاگو۔

قولہ ۔ کوئی دہریہ یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کی طرف سے نہیں بلکہ اتفاقی طور سے ہو گیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اتفاقی طور پر خود بخود باہم مل جانا پرکرتی کا سبھاؤ نہیں ہے کیونکہ اس میں حرکت کرنے کی طاقت نہیں رہا جیو یہ اگر اتفاقی طور پر مل سکے تو کہیں اس کا نمونہ ظاہر ہونا واجب ہے اور اگر لوگ موجودہ طریقہ ہی اپنا ثبوت پیش کریں (یعنی یہ کہیں کہ پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کس نے دیکھا ہے جو کچھ ہو رہا ہے طبعی

طور پر خود بخود ہو رہا ہے سو یہی نمونہ کے لئے کافی ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ گو پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کسی نے نہیں دیکھا مگر اتفاقی طور پر ملنے والی چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضروریہ نہیں ہُوا کرتے جواب موجود ہیں لہذا ثابت ہے کہ ان چیزوں کا جوڑے جانا خود بخود نہیں بلکہ ان کا جوڑنے جاڑنے والا بڑا منتظم کامل قدرت والا ہے۔

اقول - ماسٹر صاحب آپ دہریہ یعنی خدائے تعالیٰ کے منکروں سے کیوں جھگڑا لے بیٹھے درحقیقت آپ لوگ تو تمام ارواح اور اجسام کے ذرّہ ذرّہ کی نسبت یہی مانتے ہیں کہ اُن کا وجود اتفاقی طور سے ہے یہ نہیں کہ کسی وقت پرمیشر نے اُن کو پیدا کیا ہے سو جبکہ آپنے روحوں اور اجسام کے ذرّہ ذرّہ کا ہونا خود ہی اتفاقی طور سے مان لیا تو پھر آپ تو دہریوں کے ایسے مددگار ہوئے جن کا اُنہیں شکر کرنا چاہیئے تو پھر اُن سے جھگڑا کرنے کا کیا موجب اور بحث مباحثہ کی کیا وجہ؟ یار صادق اور دوست موافق سے بھی کوئی لڑتا جھگڑتا ہے؟

کسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص ایک جگہ سے زنا کرکے یا شراب پی کر نکلا اور نکلتے ہی اُس نے شیطان پر لعنت بھیجی شیطان بھی اس وقت پاس کھڑا تھا اس نے بہت محبت اور نرمی کی راہ سے کہا کہ اے بھائی تو تو درپردہ بکلّی میرے موافق اور میرا مددگار اور فرمانبردار اور میری مرضی کے موافق کام کرنے والا ہے تو پھر کیا وجہ کہ بظاہر میرے پر لعنت بھیجتا ہے اور مجھ سے ناراض ہوتا ہے اسی طرح آریہ سماج والوں کی حالت ہے کہ درحقیقت وہ لوگ دہریہ مذہب پھیلانے کے لئے بڑی کوشش کر رہے ہیں اور ان کوششوں کے لحاظ سے دہریوں کے بڑے لائق خدمت گذار اُنہیں سمجھنا چاہیئے۔ لیکن بظاہر دہریوں سے ناراض ہیں یہ ناراضگی اُس قسم کی ہے جو ہم نے مثال مذکورہ بالا میں بیان کی ہے بھلا جس حالت میں جو بات دہریوں کے عین مدّعا اور مراد تھی۔ یعنی کوئی چیز خدا کی پیدا کردہ نہیں سب چیزیں خدا کی طرح قدیم اور غیر مخلوق ہیں وہ بات تو ان لوگوں نے آپ ہی مان لی اور اپنے مذہب کی

بنیاد قرار دی تو پھر باقی کیا رہ گیا اونٹ تو نکلا گیا اب اگر دُم باقی رہ گئی ہے تو اُس کے اندر جانے میں کون سی مشکلات ہیں ہاں آپ کو اپنے دہریوں بھائیوں سے مل کر موجد حقیقی کے ماننے والوں کے ساتھ بحث کرنی چاہیئے اور اُن کو بطور مددگار لانا چاہیئے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ بعض آریہ ناچار ہو کر دہریوں سے مشورہ لیتے ہیں تا کسی طرح خود بخود اور غیر مخلوق ہونے پر کوئی دلیل نکل آوے مگر اے ماسٹر صاحب آپ لوگ ہزار مخلوق ہونے سے کنارہ کش ہوں ہم تو آپ کو بندۂ خدا بنا کر چھوڑیں گے آپ کب تک بھاگیں گے اور کدھر بھاگیں گے اور کہاں جائیں گے بھلا اس تقریر سے جو مقولہ متذکرۂ بالا میں آپ نے کی ہے کونسا اثر ہمارے اعتراض پر پڑا بجز اس کے کہ آپ اپنے ہی قول سے آپ ہی قائل ہو گئے کہ جن چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضروریہ پائے جاتے ہیں وہ خود بخود نہیں ہو سکتیں پس دیکھو اجزاء لایتجزی میں جن کو ہندی میں پرکرتی کہتے ہیں خاصیت کشش اتصال پائی جاتی ہے تب ہی تو بجز قسر قاسر کسی جسم کے اجزائے متفرق نہیں ہو سکتے اور کشش اتصال تعلقاتِ ضروریہ کی جڑ ہے۔ کیونکہ اگر جز لایتجزی یعنی پرکرتی میں قوت کشش اتصال نہ پائی جاتی تو جسم کے اجزا میں باہمی تعلقات پیدا ہونا اور بعض جزوں کا بعض سے مل جانا اور ملے رہنا ممتنع اور محال ہوتا۔ اور رُوحوں کے وجود میں جس قدر صنعت صانع اور کاری گری پائی جاتی ہے وہ تو ہم کسی قدر بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ کسی موقع پر بیان کریں گے۔ اور جیسے خدا تعالیٰ نے اجزاء لایتجزی میں کشش اتصال رکھی ہے ایسا ہی روحوں میں قبولیت تعلق جسم کے لئے ایک قوت اور استعداد رکھی ہے یعنی رُوحوں میں بھی اجسام کی کشش اتصال کی طرح قبولیت تعلق جسم کی ایک قوت پائی جاتی ہے جس سے وہ بلا نفرت وکراہت جسم سے ایسے طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتے ہیں جیسے ایک محب اپنے محبوب سے یا ایک عاشق اپنے معشوق سے تعلق پکڑ لیتا ہے جس تعلق کا صدمہ موت سے چھوڑنا اور مفارقت اختیار کرنا اُن کو

بالطبع شاق اور ناگوار گذرتا ہے سو یہ انتظامی امر ہے جو حکیم مطلق نے رُوح اور جسم کے باہم ملانے کے لئے پہلے سے قائم کر دیا ہے اگر رُوحیں اتفاقی ہوتیں اور کوئی اُن کا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ بے شمار اور کروڑ ہا رُوحوں میں سے کوئی بھی ایسی رُوح نہ پائی جاتی جو مناسبت تعلق بالجسم سے خالی اور اس کے برخلاف ہوتی پھر اگر اتفاق سے یہ مصیبت پیش آجاتی کہ پرمیشر کو سب رُوحیں ایسی ہی ملتیں جن میں قوت قبولیّت تعلق جسم پائی نہ جاتی تو اس صُورت میں پرمیشر کیا کر سکتا کس کاریگر کو کہتا کہ ان تمام رُوحوں کو توڑ کر نئے سرے مجھے ایسی رُوحیں بنا دے جن میں تعلق بالاجسام کی قوت پیدا ہو جائے سو اب لیجئے وہ سب باتیں کاریگری و انتظام وغیرہ کے جو آپ نے ابھی بیان کی تھیں وہ رُوحیں اور جسم کے ٹکڑوں میں پائی گئیں جس سے بقول آپکے واجب ہُوا کہ اُن کا کوئی موجد ضرور ہو سو لو صاحب اب تو آپ پر اتیالی ڈگری ہو گئی۔

اخیر پر ہم آپ کو یہ بھی اطلاع دے دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کا یہ دعویٰ جو آپ کہتے ہیں کہ اگر تمام ارواح اور جسمی مادوں کو معہ جمیع عجائب وغرائب خواص اُن کے کے خود بخود بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے سمجھ لیں جیسے اصول آریہ سماج کا ہے یعنی یہ خیال کرلیں کہ ارواح و مواد اجسام معہ جمیع خواص اپنے کے خود بخود ہیں تو اس سے اثباتِ صانع میں کوئی حرج عائد نہیں ہو سکتا بلکہ جوڑنا جاڑنا جس کے آریہ سماج والے قائل ہیں اثبات صانع کے لئے کافی ہے یہ تقریر آپ کی صاف ثابت کر رہی ہے کہ آپ میں فطرتی طور پر مادہ ثبوت غیر ثبوت کی شناخت کرنے کا نہایت ہی کم ہے مَیں نے آپکی غلطی اقوال متذکرہ بالا میں کھول دی ہے دانشمند کے لئے تو اُسی قدر کافی ہے لیکن مَیں محض خیرخواہی کے رُو سے آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو بحث مباحثہ کا شوق ہے تو کسی سے ایک رسالہ منطق کا ضرور پڑھ لیجئے۔ یہ کام مباحثات مناظرات کا بڑا نازک کام ہے اس کے انصرام کے لئے صرف جوش مذہبی کافی نہیں ہے اتنا تو ہو کہ انسان دعویٰ اور دلیل میں فرق معلوم کر سکے اور بیہودہ

دعووں کو دلیل کے محل پر استعمال نہ کرے۔ بھلا خیال فرماویں کہ میرے اعتراض کے جواب میں جو آپ نے لکھا ہے کہ گو ارواح و اجزاء صغار اجسام یعنی جیو اور پرکرتی اور اُن کے تمام خواص اور تمام کاریگری کی باتیں جو اُن میں پائی جاتی ہیں وید کے رُو سے سب غیر مخلوق اور انادی ہیں جن کو پرمیشر کا ہاتھ بھی نہیں لگا مگر تاہم فقط جوڑنے جاڑنے سے پرمیشر کا پرمیشرپن ثابت ہوتا ہے یہ کس قسم کی تقریر ہے اگر اس کو قوانین استدلال کی طرف ردّ کیا جائے تو کونسی شکل صحیح منطقی اس سے پیدا ہو سکتی ہے اگر کچھ یاد ہے تو بھلا پیش تو کریں۔ ماسٹر صاحب آپ کو یہ بات بُری نہ لگے آپ مدلّل غیر مدلّل کی شناخت سے بکلی بے خبر ہیں آپ کے مُنہ سے کوئی معقول بات کیا خاک امید رکھیں آپ تو خواہ نخواہ اپنی قوم کو شرمندہ کر رہے ہیں لو ہم ہی رُوحوں کے مخلوق ہونے پر شکل اول جو بدیہی الانتاج ہے بنا کر سُناتے ہیں اُس پر غور کرو اور اپنے بے جا دعووں سے باز آؤ اور وہ شکل یہ ہے

موجودات عالم میں سے رُوحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت وحکمت پائے جاتے ہیں۔ اور کُل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت وحکمت پائے جائیں اُن کا ایک مُوجد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری ہے نتیجہ یہ نکلا کہ رُوحوں کا ایک مُوجد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری ہے۔

ثبوت مفہوم صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ موجوداتِ عالم میں سے رُوحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت وحکمت پائے جاتے ہیں اس طرح پر ہوتا ہے کہ نقیض اُس کی یعنی یہ کہ رُوحوں میں کوئی عجوبہ حکمت و قُدرت کا نہیں پایا جاتا بدیہی البُطلان ہے اور دُنیا کی ذی علم قوموں میں سے کوئی قوم بھی اس بات کی قائل نہیں کہ ارواح عجائبات قدرت وصنعت الٰہی سے خالی ہیں۔ بلکہ علم الٰہیات کے جاننے والے اس باریک صداقت تک پہنچ گئے ہیں کہ دُنیا کی تمام مخلوقات میں جو خواص متفرقہ ہیں وہ سب رُوحوں کے وجود

میں یکجائی طور پر پائے جاتے ہیں پس صغریٰ اس شکل کا نہایت بیّن الثبوت ہے۔ ثبوت کبریٰ کا یعنی اس قضیّہ کا جو کُل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت و حکمت پائے جائیں اُن کا ایک مُوجِد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری ہے اس طرح پر ہے کہ اگر بعض چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جو عجائب قدرت و حکمت سے بھری ہوئی ہیں ایسی بھی ہوں جن کا کوئی مُوجِد ہونا ضروری نہیں تو پھر کسی چیز کو کسی مُوجِد کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس بات کی صحت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کہ ہم ایسی چند چیزوں میں سے کہ اپنی وجوہ احتیاج موجد میں بکلّی ہم رنگ اور مساوی ہیں بعض چیزوں کو بلا دلیل مستغنی عن الموجد قرار دیدیں اور دوسری بعض چیزوں کو بلا دلیل اپنے وجود میں مُوجِد کی محتاج سمجھ لیں بلکہ ہم پر لازم ہوگا کہ اگر عالم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی یہ حکم دیں کہ وہ بوجہ پُر حکمت کاموں کے جو اُس کے وجود میں پائے جاتے ہیں کسی مُوجِد کی محتاج ہے تو یہی حکم اُس کے باقی ہم شکل چیزوں کی نسبت بھی جو عالم میں پائی جاتی ہیں صادر کریں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی پس بالضرورت شکل ہذا کے کبریٰ کا مفہوم بھی سچا ماننا پڑا جس سے صداقت اس نتیجہ کی کھل گئی کہ رُوحوں کا ایک مُوجِد کامل و قادر و حکیم ہونا ضروری ہے اور یہی مطلب تھا۔ جاننا چاہیئے کہ یہ دلیل مخلوقیت ارواح دہریہ کے مقابل پر نہیں بلکہ آریہ سماج والوں کے مُلزم اور لاجواب کرنے کے لئے ہے کہ جو عالم کے ہم رنگ و ہم خاصیّت چیزوں میں سے بعض کو جو صرف جوڑنا جاڑنا ہی ایک صانع قادر و حکیم کا فعل خیال کرتے ہیں اور بعض دیگر کو جو اس فعل سے بڑھ کر قدرت و حکمت الٰہی پر دال ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر سمجھتے ہیں لیکن دہریہ کے مقابل پر الگ دلائل ہیں جو ہماری کتاب براہین میں اپنے موقع پر مندرج ہیں اس جگہ تو صرف آریہ سماج والوں کو اُن کی مُنہ زوری پر متنبہ کرنا ہے ✠ کہ وہ کیسے طریقہ مستقیمہ

✠**حاشیہ** اس جگہ اگر کوئی آریہ بطور نقض کے یہ عُذر پیش کرے کہ خود خدائے تعالےٰ کی ذات

دلائل منطقیہ سے بے راہ چل رہے ہیں اور وید کی محبت میں ایسے مست و مدہوش ہو گئے کہ خداداد عقل اور فہم کو یک لخت کھو بیٹھے مگر اُنہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اب وید پر چلنے چلانے کا زمانہ نہیں ہے اب ان باتوں پر زور دینے سے کہ ہم قدیم سے خود بخود ہیں ہمارے رُوحوں اور ہمارے جیسی مادہ کا کوئی ربّ نہیں جلد تر وید پر وبال آئے گا۔ حال کی ذُرّیّت ایسی موٹی عقل کی نہیں کہ اُن کو اِن تعلیموں پر طفل تسلّی دے سکیں

بقیہ حاشیہ بھی عجائب قدرت وحکمت پر مشتمل ہے توکیا اس کے لئے بھی کسی موجد کی ضرورت ہے اس کا جواب یہی ہے کہ ہم ابھی شکل اوّل کے دونوں مقدمات میں جن سے مخلوقیت روحوں کی ثابت ہوتی ہے موجودات کے لفظ کو اسی لحاظ سے عالم کے لفظ سے مشروط اور مقید کر چکے ہیں۔ یعنی موجوداتِ عالم کا لفظ لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دلیل فقط موجودات عالم کے متعلق ہے یعنی ان چیزوں کے متعلق ہے جو عالم میں داخل ہیں لیکن خدائے تعالےٰ عالم سے باہر ہے اور خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ اس کی ذات میں بھی طرح طرح کی طاقتیں اور قوتیں اور عجائب صفتیں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کا بھی کوئی مُوجِد چاہیئے۔ یہ خیال اُنہیں لوگوں کے دلوں میں اُٹھتا ہے جن کو معرفتِ الٰہی سے ایک ذرہ بھی حصہ نہیں کیونکہ خدائے تعالےٰ کے وجود کی نسبت یہ تو پہلے ہی سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے کہ جس کی ذات اور ذاتی طاقتیں اور قوتیں اور کامل صفتیں غیر محدود اور غیر متناہی ہیں جو کسی تحدید اور کسی دائرہ عقلی یا قیاسی یا وہمی میں نہیں آسکتیں اور یہ بھی ابتدا ہی سے قبول کیا جاتا ہے کہ اس کا وجود سب وجودوں پر غالب اور سب وجودوں سے افضل اور سب وجودوں سے اوّل اور اس کی طاقتیں سب طاقتوں سے بڑھ کر ہیں اور اُس کی قوتیں سب قوتوں سے زیادہ تر اور اُسکی کامل

کہ بغیر دخل مالک الملک کے تمام رُوحیں اور ذرّہ ذرّہ اجسام کا خود بخود قدیم سے چلا آتا ہے بلکہ وہ تو پُورا پُورا فیصلہ کرلیں گے یا تو اپنے باپ دادوں کے خیالات کو کسی ٹھکانہ لگا کر ٹھیک ٹھیک دہریہ بن جائیں گے اور یا اگر سعادت مند ہوئے تو ربّ العلمین پر ایمان لائیں گے اور اپنی مخلوقیّت کا اقرار کرلیں گے مگر دونوں صورتوں میں ویدؔ کے پنجہ سے نکل جائیں گے وہ وقت گذر گئے جب لوگ ویدؔ کے کہے کہانے سے چاند سُورج کی

بقیہ حاشیہ صفتیں سب صفتوں سے اکمل اور اتم ہیں اور یہ بجائے خود ثابت کیا گیا ہے کہ تمام ایسے وجودوں کیلئے جو محدود اور مقید اور ناقص اور ناتمام ہیں ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جس کو من کل الوجوہ کمال تام ہو اور حدود و قیود سے پاک اور برتر ہو۔ پس جبکہ اُس کو کامل تام اور غیر متناہی اور غیر محدُود اور سب برتروں سے برتر مان لیا گیا اور تمام ناقصوں کا مبداء فیوض اُس کو ٹھرایا گیا تو پھر اُس کی نسبت یہ خیال کرنا اُس کا بھی کوئی موجد ہونا چاہیئے یہ غایت درجہ کی وحشیانہ جہالت اور بُرے طور کی نادانی ہے کیونکہ اگر وہ کسی اور مُوجد کا محتاج ہے تو پھر وُہ اس صورت میں نہ کامل رہ سکتا ہے نہ غیر محدود حالانکہ اس کی خُدائی کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کو کمال تام حاصل ہو اور اُس کی ذات حدود و قیود سے منزّہ اور پاک ہو غرض اس بات کا قائل ہو کر کہ وہ غیر متناہی اور سب طاقتوں سے بڑھ کر اور کامل تام ہے پھر یہ خیال کرنا کہ با ایں ہمہ اس کو کسی مُوجِد کی بھی ضرورت ہے گویا نقیضین کو جمع کرلینا ہے کیونکہ جب پہلے ہی اس کی ذات پر ایمان لانے کے وقت صحت ایمان اسی بات پر موقوف ہے کہ اس کو اکمل و اتم و بے انتہا اور ہریک ضعف اور نقصان سے خالی سمجھا جائے تو پھر یہ خیال کہ اس کا کوئی موجد ہونا چاہیئے اس صفت ایمان سے بکلی انکار اور کنارہ کشی ہے اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ

پوجا کرتے تھے اور اگنی کے آگے ہاتھ جوڑتے تھے اور ہندوستان کے تمام عجائبات کو معبود بنا رکھا تھا اب وید کا نیک وقت شاید اُس زمانہ میں آوے کہ جب پھر لوگ ویسی ہی موٹی عقل کے ہو جائیں کہ جیسے وُہ وید کے زمانہ میں تھے مگر پھر اس تنگ و تاریک حالت کی طرف زمانہ کا پلٹا کھانا قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا اُس زمانہ میں بڑے بڑے بوڑھے پنڈت یہ خیال کرتے تھے کہ کوہِ ہمالیہ کے پرے اور کوئی ملک ہی نہیں

بقیہ حاشیہ مخلوق کی نسبت خالق کا اعلیٰ ہونا لازم ہے اور جب کہ ہم اُس ذاتِ اکمل و اتم کو خدا کہتے ہیں جس سے اعلیٰ کوئی نہیں تو اُس کو خود بخود ماننا پڑا غرض انتہائی درجہ کا کامل خیال کرنا تحقق خدائی کے لئے واجب ہے اور انتہائی درجہ کے کمال کو خود بخود ہونا لازم پڑا ہوا ہے۔ یہ قاعدہ کہ ہم پُرحکمت چیز کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کی عجائب صنعتیں پائی جاتی ہیں ایک صانع حکیم کا ایجاد اُس کو سمجھتے ہیں یہ تو اُن اشیاء عالم سے متعلق ہے جن کا ناقص ہونا اوّل ہم ثابت کر لیتے ہیں اور جن کا محدود و مقید ہونا اور اپنی تکمیل ذات کے لئے غیر کی طرف محتاج ہونا دلائل کاشفہ سے ہم پر کھل جاتا ہے تب جو جو کاریگری کے کام ایسے ناقص وجودوں میں پائے جاتے ہیں اُن کی نسبت بطور یقین اور قطع کے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اُن عجائب کاموں کا کرنے والا ضرور در پردہ موجود ہے جو قادر و حکیم و کامل ہے اور یہ بھی ہر یک پر واضح ہے کہ ہم عالم کی چیزوں میں سے جتنی چیزوں کے وجود پر نظر ڈال کر ایک موجد کامل و قادر کا انہیں محتاج پاتے ہیں یا اُن کی نسبت حکم صادر کرتے ہیں کہ ان موجودات کا کوئی موجد چاہیئے وہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کسی نہ کسی طور سے بلاواسطہ وسائل دیگر ہماری نظر اور فکر کے آگے محسوس اور معلوم الوجود ہوتے ہیں بجز ایک ذات پروردگار جل شانہٗ کے جو ہم اُس کے وجود کو بغیر ذریعہ وحی یا مصنوعات کے جو اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں

اور یہ اعتقاد کیا گیا تھا کہ چونکہ ہگی و تمامی جائیداد پرمیشر کی یہی آریہ دیس ہے اس لئے پرمیشر کو اس اپنی جاگیر سے بڑی محبت ہے اور اُس نے ہمیشہ کے لئے آریوں کو ٹھیکہ دے رکھا ہے کہ ہمیشہ میرا کلام تم میں ہی اُترے گا سنسکرت میری زبان ہوگی آریہ دیس میرا دیس ہوگا اور وید میرا ہمیشہ کلام ہوگا اَوروں سے مجھے کیا غرض اور کیا واسطہ لیکن اس زمانہ میں ایک دس برس کا بچہ بھی کچھ تھوڑا سا جغرافیہ پڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ

بقیہ حاشیہ

اور کسی طرح شناخت ہی نہیں کر سکتے سو درحقیقت اس کا وجود اور چیزوں کے وجود کی طرح معلوم التعیّن نہیں تا اُس کے موجد اور تعین کنندہ کا خیال دل میں گذر سکے بلکہ وہ تمام مصنوعات پر غور کرنے کا ایک ضروری نتیجہ ہے جو اپنی ذات میں خیال اور قیاس اور گمان اور وہم سے بلند تر و برتر ہے۔ غرض اُس کا وجود اور چیزوں کی طرح نہیں بلکہ اُس کے وجود سے مُراد وہ آخری وجود ہے جو تمام چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد اُس کی ضرورت ثابت ہوتی ہے سو جس خاص طور سے اُس کا وجود تمام عالم کے اطوار شناخت سے الگ پڑا ہوا ہے وہی طور خاص اس بات کو سمجھا دیتا ہے کہ اس کے لئے مُوجد کا ہونا ممتنع اور خلاف عقل ہے اور بجز اُسی کی ذات کامل اور غنی مُطلق و غیر محدود کے اور کسی چیز کو ہم ایسی نہیں دیکھتے جو داغ نقصان اور احتیاج الی الغیر سے خالی ہو اور دوسری طرف ہم اُس کی غیر میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کیا ارواح اور کیا اجسام اپنی ذات اور صفات میں طرح طرح کے پُرحکمت خواص اپنے وجود کے اندر رکھتے ہیں اس لئے ہم کو ایسے مصنوعات پر نظر ڈال کر بضرورت ماننا پڑتا ہے کہ کسی صانع قدیم و حکیم و قادر کامل کے ہاتھ سے یہ سب چیزیں نکلی ہیں لیکن خدائے تعالیٰ کی نسبت جو اپنی ذات میں کامل اور احتیاج غیر سے منزّہ اور غیر محدود اور غیر متناہی طاقتوں والا ہے یہ خیال پیدا نہیں ہوتے کیونکہ غیر متناہی سے بڑھ کر اور کون ہوگا جو

کی زمین کیسی کیسی آبادیوں پر مشتمل ہے اور کیونکر کروڑہا رنگا رنگ کی مخلوقات پردۂ زمین پر آباد ہو رہی ہے اور خدائے تعالیٰ نے کیسی اُن کو عقل میں فہم میں دنیا میں دین میں آریوں کی نسبت بہت زیادہ ترقیات بخشی ہیں کیا اتنے بڑے جہان کا مالک ایک خسیس اور بخیل آدمی کی طرح ہمیشہ کے لئے ایک خاص مُلک تک اپنے فیوض الہامی محدود رکھ سکتا ہے پھر وُہ الہام جس پر اس قدر ناز ہے یعنی وید عجیب قسم کا الہام ہے کہ اوّل سے

بقیہ حاشیہ اُسے پیدا کرنے والا ہوگا اس لئے عالم کی چیزوں کے ساتھ اس کا قیاس نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تو لا یدرک ذات ہے جو تمام عالم کی چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد ضروری طور پر ماننا پڑتا ہے نہ احاطہ عقلی یا رؤیت کے طور پر سو جو اس طرح لابدّی طور پر مانا گیا ہے۔ اُسے کامل برتر از عقل و فہم کا نام خدا ہے سوائے اُس کے تمام موجودات کی ایجاد کی نسبت تو وہ اپنے الہام کے ذریعہ سے آپ ہو ویدا ہو گیا۔ اور پاک ملہموں کی روح میں ہو کر اس نے کلام کیا کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ خالی نقصان سے نہیں اس سب کا موجد میں ہی ہوں جو کامل ہوں اور یہ ملہم لوگ ایسے نادر الوجود نہیں جو صرف چار ہی ہوں اور کوئی پانچواں نہ ہو بلکہ بے شمار ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہمیشہ الہامات کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ہر ایک شخص صراط مستقیم پر قدم مارنے سے جو قانون تحصیل مرضیات الٰہی ہے حسب دائرہ حوصلہ و استعداد اپنے کے الہامات کو پا سکتا ہے اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ غرض جس حالت میں خدائے تعالیٰ بذریعہ اپنے الہام کے قدیم سے انا الخالق کا دعویٰ کرتا چلا آیا ہے اور ہر یک رُوح بوجہ اپنے نقصان ذاتی اور احتیاج ایک رب کے جو تدارک اُس نقصان کا کرے اپنے نفس میں اُس کی ضرورت بھی پاتی ہے۔ تو اس صورت میں اُس خالق کامل الصفات کا خالق ہونا بدیہی الثبوت ہے۔ لیکن اس خالق حقیقی کے

آخر تک بجز مخلوق پرستی کے بات نہیں کرتا پنڈت دیانند نے تاویلات میں بہت کوشش کی مگر کوئی کج کو سیدھا ظاہر کرنے میں کہاں تک ٹکریں مارے آخر کچھ بھی نہ ہو سکا وید کی تعلیم مخلوق پرستی کے ایک آدھ مقام میں تو نہیں کہ چھپ سکے وہ تو سارا انہیں خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ تمام دُنیا کے پردے میں گھوم آؤ تمام قوموں کو پوچھ کر دیکھ لو کوئی قوم ایسی نہ پاؤ گے کہ جو وید کو پڑھے اور اس کو موحدانہ تسلیم سمجھے ہم سچ سچ کہتے ہیں اور زیادہ باتوں میں وقت کھونا نہیں چاہتے کہ جو کچھ قرآن شریف کے دس ورق سے توحید کے معارف آفتاب عالمتاب کی طرح ظاہر ہوتے ہیں اگر کوئی شخص وید کے ہزار ورق سے بھی نکال کر دکھلا دے تو ہم پھر بھی مان جائیں کہ ہاں وید میں توحید ہے اور جو چاہے حسب استطاعت ہم سے شرط کے طور پر مقرر بھی کرالے ہم قسمیہ بیان کرتے ہیں اور خدائے واحد لاشریک کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بہرحال ادائے شرط مقررہ پر جس طور سے فیصلہ کرنا چاہیں حاضر ہیں لیکن ناظرین خوب یاد رکھیں اور اے آریہ کے زعم زدگرفتار دام بھی یاد رکھو کہ وید میں ہرگز توحید محض نہیں ہے وہ جابجا مشرکانہ تعلیم سے مخلوط ہے ضرور مخلوط ہے کوئی اس کو بَری نہیں کر سکتا اور زمانہ آتا جاتا ہے کہ اس کے سارے پردے کُھل جائیں سو تم لوگ اُس خُدا سے ڈرو جس کی عدالت سے کسی ڈھب رُو پوش نہیں ہو سکتے آریہ سماج والوں میں نانک صاحب کے چیلے بھی کچھ کچھ داخل ہیں اُنہیں ہم بطور

بقیہ حاشیہ لئے کوئی اور خالق تب تجویز کیا جائے جب اوّل کوئی اس کے سر پر خود پیدا ہو کر اس کا میں خالق ہوں اور اس کو مغلوب اور محکوم کر کے دکھلا دے مگر جب کہ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات ثابت نہیں اور من کل الوجوہ خدائے تعالےٰ کامل الذات والصفات اور اپنی ذات میں واحد لاشریک اور درحقیقت سب برتروں سے برتر ہے تو پھر ایسا خیال سراسر دیوانگی اور حماقت ہے۔ منہ

خاص نصیحت کرتے ہیں کہ تمہارے گرو صاحب نے جا بجا وید سے مخالفت کی ہے اور جہاں تک اُن کی علمی حیثیت تھی اُنہوں نے دین اسلام کے عقاید کو پسند کیا ہے بلکہ ایک صاحب نرائن سنگھ نام گرنتھ خوان واعظ نے ایک سَو سے زیادہ آدمیوں کے مجمع میں ہمارے رُو برو بیان کیا کہ وہ بعض اوقات اعمال عبادت بھی اسلام کے طور پر بجا لاتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ در پردہ حق کے قبول کرنے کے لئے بہت کچھ تیار ہو گئے تھے۔ وہ اپنے گرنتھ میں فرماتے ہیں کہ جو ہمیشہ خود بخود بغیر کسی کے پیدا کرنے کے چلا آیا ہے وہی پرمیشر ہے جیسے اُن کا یہ شبد ہے۔ تھاپیا نہ جا کیتا نہ ہو۔ آپے آپ نرنجن سو۔ یعنی جو بغیر کسی کے پیدا کرنے کے خود بخود قدیم سے چلا آیا ہے وہی خدا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر رُوحوں کو قدیم اور خود بخود مانا جائے تو اس تعریف کے رُو سے اُن سب رُوحوں کا خدا ہونا لازم آتا ہے تو پھر یہ پرمیشر کی کیا تعریف ہوئی جس میں سارا جہان داخل ہے۔ اور اگر ہم اس تعریف کو غلط اور خلاف عقائد ہنود سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ نانک صاحب نے بوجہ نہ ہونے علم وید کے اپنے پرمیشر کی ایسی تعریف کر دی ہے جو صریح وید کے اصولوں کے برخلاف ہے تو اس میں نانک صاحب کی کسر شان ہے کیونکہ وہ اپنے گرنتھ کے کئی مقامات میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ مَیں نے وید پڑھا ہؤا ہے اور چاروں دیدوں کی تعلیمیں مجھ سے پوشیدہ نہیں اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ وید تناسخ کو مانتا ہے جس کی بنیاد رُوحوں کا غیر مخلوق ہونا ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ وید کی تعلیم کو اس جگہ نانک صاحب نے قبول نہیں کیا اور جا بجا یہ بھی جتلا دیا کہ مَیں دیدوں کی تعلیم سے ناواقف نہیں اور نہ بے علم ہوں بلکہ چاروں ویدوں کو مَیں نے پڑھا اور خوب کنٹھ کیا ہؤا ہے سو اتنے بڑے دعوےٰ سے نانک صاحب کا وید کے اس اصل الاصول سے دست بردار ہو جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ نانک صاحب ویدوں کے اس بھاری عقیدہ سے جو مدار تناسخ ہے اپنی زندگی میں بیزار ہو چکے تھے اور ہادی مطلق نے اُن کے دل کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ یہ تحریر ویدوں

کی بالکل جھوٹی اور غلط ہے پس جب کہ نانک صاحب حسب تعلیم قرآن شریف خدا تعالیٰ کے خالق اور رب العالمین ہونے پر ایمان لے آئے تھے اور دیدوں کی ایسی ایسی تعلیموں کو انہوں نے یک لخت چھوڑ دیا تھا اس لئے اُن صاحبوں کی خدمت میں جو نانک صاحب کے سکھ ہو کر اور کشن سنگھ بشن سنگھ نارائن سنگھ بھگوان سنگھ وغیرہ نام رکھوا کر پھر اپنے گورو کے گرنتھ سے باہر چلے جاتے ہیں بادب تمام عرض کیا جاتا ہے کہ وہ بھی دید کی ایسی ایسی تعلیموں سے دست کش ہو جائیں ورنہ اگر نانک صاحب سے رُوحانی موافقت نہیں تو پھر خواہ نخواہ ایک ٹوکرا کیسوں کا سر پر اٹھائے رکھنا اور حرارت اور عفونت کی تکلیفیں اٹھانا ضرورت ہی کیا ہے نانک صاحب رُوحوں کے مخلوق ہونے کے بارے میں اپنے گرنتھ میں کافی شہادت دے گئے ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ایتی کیتی ہور کرے تا آکھ نہ سکے کئی کے یعنی اگر اس قدر ارواح واجسام جو پہلے خدائے تعالیٰ پیدا کر چکا ہے اور پیدا کرے تو وہ کر سکتا ہے اور اُس کی قدرتوں کے مقابل اور ہمقدم تعریفیں چل نہیں سکتیں۔ یہ مقولہ نانک صاحب کا بالکل قرآن شریف کی ایک آیت کا گویا ترجمہ ہے اور سراسر اس کے مطابق ہے چونکہ نانک صاحب اکثر دلی اخلاص سے علماء اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور دینی باتیں سنتے تھے اس لئے کسی مولوی صاحب کی زبانی انہوں نے یہ مضمون آیت کا سُن لیا ہوگا کیونکہ مسلمانوں سے اکثر اُن کی صحبت رہتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بعض اوقات وہ نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد اُن کا یہ شبد ہے جو نیچے لکھا جاتا ہے۔ جیسے وڈ بھاوے تے وڈ ہو۔ نانک جانے ساچا سو۔ آفرین اے نانک آفرین یہ شبد بھی قرآن شریف کی اس آیت کے سراسر مطابق زبان سے نکل گیا ہے اور آیت یہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ یعنی تمام محامد اور تمام کمالات اور تمام تعریفیں اور تمام بزرگیاں اور خوبیاں جو مرتبہ جلیلہ خالقیت کے لئے ضروری ہیں وہ سب اللہ جل شانہٗ کو حاصل اور اُس کی ذات میں جمع

ہیں جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی اور وہ تمام عالمین کا ربّ اور پیدا کنندہ ہے پس اسی آیت شریفہ کے مطابق نانک صاحب کا شبد ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ جو بزرگی اور عظمت اور قدرت خدائے تعالیٰ کو چاہیئے وہ سب اُسے حاصل ہے۔ اے نانک جو اس بات کو جانتا ہے وہی صادق ہے۔ افسوس اس بات کو وید کیوں نہیں جانتا آریہ لوگ کیوں نہیں جانتے دیانند صاحب کیوں جانے بغیر کوچ کر گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشنا ایک کمال ہے جو بڑی تعریف کے لائق ہے اور خدا وہ ہونا چاہیئے جس میں سب کمالات اور سب تعریف کی باتیں پائی جائیں مگر وید کے پرمیشر پر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی کہ وہ اس بھاری درجہ کے کمال سے کہ جو تمام کارخانہ خدائی کی کُنجی ہے بے نصیب رہ گیا۔ دیکھو اے کیسوں والے آریو! جو نانک صاحب کے چیلہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو کہ نانک صاحب قرآنی آیت کی تصدیق کر کے کہتے ہیں کہ صادق وُہی ہے کہ جو اُن سب بزرگیوں اور تعریفوں کا قائل ہے کہ جو خدا تعالیٰ کو اپنے کمال تام کے لئے مطلوب ہیں ورنہ جھوٹا اور دروغگو ہے سوتم اب تو وید کا پیچھا چھوڑو کہ تمہارے گورو صاحب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں اور اپنے شبد تمہیں سُنا رہے ہیں اور پھر دیکھو کہ وہ مخالفوں پر ناراض ہو کر آگے کیا فرماتے ہیں۔ جے کو آکھے بول بگاڑ۔ تا لکھی سر گواراں گوار یعنی اگر کوئی یہ بات تسلیم نہ کرے اور اس کا مخالف کچھ مُنہ پر لاوے تو اُس کو جاہلوں کا سردار لکھنا چاہیئے۔ اے نانک صاحب آپ کہاں اور کدھر ہو اب تو آپ ہی کے چیلے آریہ سماج میں بیٹھ کر بول بگاڑ رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں بلکہ وہ تو وید کی شرتیوں کو سچ سچ درست سمجھ کر خدائے تعالیٰ کا خالق اور ربّ العالمین ہونا غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اگر کسی کے مُنہ سے بھولے سے یہ کلمہ بھی جائے کہ میری رُوح کا ربّ اور پیدا کنندہ پرمیشر ہے تو اُس کو بہاں پاپی خیال کرتے ہیں اور اپنے پرمیشر کو صرف اس قدر

طاقت والا جانتے ہیں کہ اُس کو فقط جوڑنا جاڑنا آتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ آپ نے توقرآن شریف کے مطابق انہیں یہ سبق پڑھایا تھا کہ وہ تمام انتہائی درجہ کی قدرتیں اور عظمتیں اور تعریفیں جو ذہن میں آسکتی ہیں اور وہ سب کمالات اعلیٰ سے اعلیٰ جو خدا ہونے کے لئے زیبا و شایاں ہیں وہ سب پرمیشر کو حاصل ہیں مگر آپ کے چیلے تو چار دن آریہ سماج میں بیٹھ کر اور ویدوں کو ملحدانہ شرتیوں کو سُن کر آپ کے اُس گورمنتر کو چھوڑ بیٹھے اور وہ پٹڑی ہی بھول گئے جس پر آپ نے انہیں جمایا تھا اب اور تعریفیں پرمیشر کی تو طاق پر رہیں انہوں نے تو وہ پہلا حرف ہی جس سے نام پرمیشر کا دنیا میں ظاہر ہوتا یعنی پیدا کرنا اپنے لوحِ دل سے ایسا مٹا دیا ہے کہ گویا کبھی سُنا ہی نہیں تھا۔

اُن کو سَودا ہوا ہے ویدوں کا ۔۔۔ ان کا دل مبتلا ہے ویدوں کا

آریو اس قدر کرو کیوں جوش ۔۔۔ کیا نظر آ گیا ہے ویدوں کا

نہ کیا ہے نہ کر سکے پیدا ۔۔۔ سوچ لو یہ خُدا ہے ویدوں کا

عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو ۔۔۔ کیوں بھروسا کیا ہے ویدوں کا

بے خدا کوئی چیز کیونکر ہو ۔۔۔ یہ سراسر خطا ہے ویدوں کا

ناستک مت کے وید ہیں حامی ۔۔۔ بس یہی مُدعا ہے ویدوں کا

ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے ۔۔۔ کال سر پر کھڑا ویدوں کا

اور واضح رہے کہ یہ تعلیم ویدوں کی کہ دُنیا خود بخود چلی آتی ہے کوئی اُسکے سر پر پیدا کنندہ و مالک نہیں ہے صرف ایک ادھورا سا جوڑنے جاڑنے والا ہے یہ ایک ایسا ناقص اعتقاد ہے جسکے ماننے سے یہ مجبوری یہ ماننا پڑتا ہے کہ اُس جوڑنے جاڑنے والے کو یا تو اپنے مالک معبود نہ کا کچھ بھی

علم نہیں اور یا شاید کچھ ہے تو ایک ناقص اور ناتمام سا علم ہے جیسے ایک موتیابند والے کو جس کی آنکھوں پر نزول الماء اُتر آیا ہو کچھ کچھ اوّل دُھندلا سا نظر آتا ہے٭ اور پھر آخرکار پورا پورا اندھا ہو جاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی خراب تعلیم کو جس کے ایسے ایسے خراب نتائج ہیں کسی صاف دل ہندو کی رُوح بھی قبول نہیں کر سکتی بلکہ پنڈت دیانند کے دل نے بھی اس کو قبول نہیں کیا لالہ شرمپت ایک آریہ اسی جگہ قادیان کے

٭**حاشیہ** یہ ایک نہایت باریک صداقت ہے کہ علم باری تعالیٰ جس کی کاملیت کی وجہ سے وہ ذرہ ذرہ کے ظاہر و باطن پر اطلاع رکھتا ہے کیونکر اور کس طور سے ہے اگرچہ اس کی اصل کیفیت پر کوئی عقل محیط نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی اتنا کہنا سراسر سچائی پر مبنی ہے کہ وہ تمام علم کے قسموں میں سے جو ذہن میں آ سکتے ہیں اشدّ و اقویٰ واتم و اکمل قسم ہے جب ہم اپنے حصول علم کے طریقوں کو دیکھتے ہیں اور اس کے اقسام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اپنے سب معمولی علموں میں سے بڑا یقینی اور قطعی علم وہی معلوم ہوتا ہے جو ہم کو اپنی ہستی کی نسبت ہے کیونکہ ہم اور ایسا ہی ہر ایک انسان کسی حالت میں اپنی ہستی کو فراموش نہیں کر سکتا اور نہ اس میں کوئی شک کر سکتا ہے سو جہاں تک ہماری عقل کی رسائی ہے ہم اس قسم کے علم کو اشدّ و اقویٰ و اتم و اکمل پاتے ہیں اور یہ بات ہم سراسر خدائے تعالیٰ کی ذاتِ کامل سے بعید دیکھتے ہیں کہ جو اس درجہ اور اس قسم کے علم سے اُس کا علم اپنے بندوں کے بارہ میں کمتر ہو کیونکہ یہ بڑے نقص کی بات ہے کہ جو اعلیٰ قسم علم کے ذہن میں آ سکتی ہے وہ خدائے تعالیٰ میں نہ پائی جائے اور اعتراض ہو سکتا ہے کہ کس وجہ سے خدائے تعالیٰ کا علم اعلیٰ درجہ کے علم سے تنزّل رہا آیا اُس کے اپنے ہی ارادہ سے یا کسی قاسر کے قسر سے اگر کہو کہ اُس کے

رہنے والے نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے رُوحوں کی پیدائش کے بارے میں دیانند جی سے دریافت کیا تو لگے باتیں بنانے اور فرمایا کہ پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا آئندہ اگر پرمیشر پیدا کرتا ہی چلا جائے تو اتنا بڑا وسیع مکان کہاں سے لائے جن میں رُوحیں رہا کریں اب دیکھو کہ اس تقریر میں ناچار ہو کر دیانند نے اس قدر مان لیا کہ اوّل پرمیشر نے ضرور رُوحوں کو پیدا کیا تھا لیکن آئندہ اس خوف سے پیدا کرنے سے دست کش ہے کہ کوئی

بقیہ حاشیہ اپنے ہی ارادہ سے تو یہ جائز نہیں کیونکہ کوئی شخص اپنے لئے بالارادہ نقصان روا نہیں رکھتا تو پھر کیونکر خدائے تعالےٰ جو بذاتِ خود کمالات کو دوست رکھتا ہے ایسے ایسے نقصان اپنی نسبت روا رکھے اور اگر کہو کہ کسی قاسر کی قسر سے یہ نقصان اُس کو پیش آیا تو چاہیئے کہ ایسا قاسر اپنی طاقتوں اور قوتوں میں خدائے تعالیٰ پر غالب ہوتا وہ زیادت قوت کی وجہ سے اُس کے ارادوں سے روک سکے اور یہ خود ممتنع اور محال ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ پر اور کوئی قاسر نہیں جس کی مزاحمت سے اُس کو کوئی مجبوری پیش آوے پس ثابت ہوا کہ ضرور خدائے تعالےٰ کا علم کامل تام ہے اور پہلے ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ علم کی تمام قسموں میں سے کامل وتام وہ علم ہے کہ جو ایسا ہو جیسے ایک انسان کو اپنی ہستی کی نسبت علم ہوتا ہے سو ماننا پڑا کہ خدائے تعالیٰ کا علم اپنی مخلوقات کے بارہ میں اسی علم کی مانند اور اسی کی مشابہ ہے گو ہم اس کی اصل کیفیت پر محیط نہیں ہو سکتے لیکن ہم اپنی عقل سے جس کی رُو سے ہم مکلّف ہیں یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بڑا قطعی اور یقینی علم یہی ہے جو عالم اور معلوم میں کسی نوع کا بُعد اور حجاب نہ ہو سو وہ قسم علم کی یہی ہے۔ اور جس طرح ایک انسان کو اپنی ہستی پر مطلع ہونے کے لئے دوسرے وسائل کی ضرورت نہیں بلکہ جاندار ہونا

ایسا بڑا امکان اُسے نہیں ملتا۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت دیانند کو اپنی عُمر کے آخری حصّہ میں وید کی ایسی ایسی تعلیموں کی نسبت بہت کچھ شکوک اور شبہات پڑ گئے تھے بلکہ رسالہ دھرم جیون پندرھویں جولائی ۱۸۸۶ء میں لکھا ہے کہ پنڈت دیانند جاتے وقت اشاروں کنایوں سے بعض معزز برہمو صاحبوں کو سمجھا گئے کہ اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا۔ مَیں کہتا ہوں کہ پنڈت صاحب تو پنڈت صاحب ہی تھے

بقیہ حاشیہ اور اپنے تئیں جاندار سمجھنا دونوں باتیں ایسی باہم قریب واقع ہیں کہ ان میں ایک بال کا فرق نہیں سو ایسا ہی جمیع موجودات کے بارہ میں خُدا تعالیٰ کا علم ہونا ضروری ہے یعنی اُس جگہ بھی عالم اور معلوم میں ایک ذرہ فرق اور فاصلہ نہیں چاہیئے اور یہ اعلیٰ درجہ علم کا جو باری تعالےٰ کو اپنے تحقق الوہیّت کے لئے اس کی ضرورت ہے اُسی حالت میں اس کے لئے مسلّم ہو سکتا ہے۔ کہ جب پہلے اس کی نسبت یہ مان لیا جائے کہ اُس میں اور اُس کے معلومات میں اس قدر قرب اور تعلق واقع ہے جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور یہ کامل تعلق معلومات سے اُسی صورت میں اُس کو ہو سکتا ہے کہ جب عالم کی سب چیزیں جو اس کی معلومات ہیں اس کے دستِ قدرت سے نکلی ہوں اور اس کی پیدا کردہ اور مخلوق ہوں اور اس کی ہستی سے اُن کی ہستی ہو یعنی جب ایسی صورت ہو کہ موجود حقیقی وُہی ایک ہو اور دوسرے سب وجود اس سے پیدا ہوتے ہوں اور اُس کے ساتھ قائم ہوں یعنی پیدا ہو کر بھی اپنے وجود میں اس سے بے نیاز اور اس سے الگ نہ ہوں بلکہ درحقیقت سب چیزوں کے پیدا ہونے کے بعد بھی زندہ حقیقی وہی ہو اور دوسری ہر ایک زندگی اُسی سے پَیدا ہوئی ہو اور اُس کے ساتھ قائم ہو اور بے قید حقیقی وُہی

ایسے ویدوں پر کسی مُنصف مزاج کا ایمان نہیں رہ سکتا بلکہ کون آدمی ایسا دل کا اندھا ہے جس کو یہ موٹی بات بھی سمجھ میں نہ آسکے کہ جس پرمیشر کو پیدا کرنا بھی نہیں آتا اور یوں ہی جائیداد مستعار سے کام چلا رہا ہے وہ کسی بات کا پرمیشر ہے اور جس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر رُوحیں اور مواد نہ ہوں تو پھر اس کا سب پرمیشر پن طاق پر رکھا رہ جائے ایسے نالائق کو کون پرمیشر کہہ سکتا ہے یہ بات ایسی صاف صاف اور انسان کے فطرتی تقاضا

بقیہ حاشیہ ایک ہو اور دوسری سب چیزیں کیا ارواح اور کیا اجسام اُس کی لگائی ہوئی قیدوں میں مقید اور اُس کے ہاتھ کے بندوں سے بندھے ہوئے اور اُس کی مقرر کردہ حدوں میں محدود ہوں اور وہ ہر چیز پر محیط ہو اور دوسری سب چیزیں اس کی رُبوبیّت کے نیچے احاطہ کی گئی ہوں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اُس کے ہاتھ سے نہ نکلی ہو اور اس کی ربوبیّت کا اُس پر احاطہ نہ ہو یا اُس کے سہارے سے وہ چیز قائم نہ ہو غرض اگر ایسی صورت ہو تب خدا تعالیٰ کا تعلق تام جو علم تام کے لئے شرط ہے اپنے معلومات سے ہوگا اسی تعلق تام کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن شریف میں ارشاد فرمایا جیسے وہ فرماتا ہے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید[1] یعنی ہم انسان کی جان سے اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ تر نزدیک ہیں اور ایسا ہی اُس نے قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ فرمایا ہے ھوالحی القیوم یعنی حقیقی حیات اسی کو ہے اور دوسری سب چیزیں اُس سے پیدا اور اس کے ساتھ زندہ ہیں یعنی درحقیقت سب جانوں کی جان اور سب طاقتوں کی طاقت وہی ہے۔ لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ وہ قدیم سے الگ کا الگ چلا آتا ہے اور اس کی رُبوبیّت کا کسی چیز پر احاطہ نہیں اور کوئی چیز اُس سے ظہور پذیر نہیں ہوئی تو اس صُورت میں علم کائنات

[1] قٓ : ۱۷

کے موافق ہے کہ ہر یک پاک دل آدمی بلا تردد اس کے شہادت اپنے دل میں پاتا ہے اور خود ہندو لوگ بھی ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اُن کا پرمیشر ایسے نقصانوں میں مبتلا ہو مجھے یاد ہے کہ ہوشیار پور کے بحث میں جب مَیں نے لوگوں کو سُنایا کہ آریہ سماج والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے سے عاجز ہے تو کئی معزز ہندو جو میرے پاس بیٹھے تھے وُہ یہ سُن کر توبہ توبہ کرنے لگ گئے کہ یہ کیسا خراب

بقیہ حاشیہ تو اُسے کیا ہوگا بلکہ محدود چیزوں میں سے وہ بھی ایک چیز ہوگی جس کا کوئی اور محدّد تلاش کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو چیز غیر مخلوق فرض کی جائے اس کی نسبت یہ تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ خدائے تعالےٰ کو اُس چیز کا علم تام جو اُس سے الگ اور غیر مخلوق اور قدیم ہے کسی طور سے نہیں ہو سکتا اور با ایں ہمہ اس چیز کے نفس وجود پر نظر ڈالنے سے اس قدر بھی لازم نہیں آتا کہ خواہ نخواہ کسی درجہ کا ناقص علم بھی اُس کے بارہ میں خُدائے تعالیٰ کو حاصل ہو اور کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہو سکتی کہ کیوں حاصل ہو ہاں جو چیز ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی ہے وہ ضرور ہے کہ خدائیتعالیٰ کو معلوم ہو اور علیم الٰہی سے باہر نہ ہو کیونکہ جو چیز نامعلوم ہے عطائے وجود اُس کے لئے ممکن نہیں پس علم ممکنات قبل وجود ممکنات خدائے تعالےٰ کے لئے ہونا ضروری ہے اور اس سے بالضرور ثابت ہے کہ ممکنات بالتمام احاطات الٰہیہ میں داخل ہیں لیکن جس چیز کو ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی تسلیم نہ کیا جاتے اور ذات علت العلل کا اُس کو معلول اور محاط نہ ٹھہرایا جائے، اُس پر کوئی برہان عقلی قائم نہیں ہو سکتی کہ کیوں وہ علم الٰہی سے باہر نہیں۔ مثلاً اگر رُوح کو مخلوق اور حادث تسلیم نہ کیا جائے تو اس بات کے

اعتقاد ہے اور جب لالہ مرلی دھر صاحب اُس اعتراض کا جواب لکھنے بیٹھے تو وہ چند ہندو صاحب اُٹھ کر چلے گئے کہ ہم ہرگز ایسا بیہودہ جواب جس میں پرمیشر کی نندیا یعنی توہین ہے سُننا نہیں چاہتے۔ ایسا ہی ایک صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ امرتسر کے مقام میں کوئی آریہ صاحب کسی جگہ بازار میں بکھیان کے طور پر یہ ذکر کر رہے تھے کہ پرمیشر کا پرمیشرپن صرف جوڑنے جاڑنے تک ختم ہے اور اس سے آگے اُسے کچھ طاقت نہیں اس پر کسی دوسرے ہندو نے کچھ بحث کرنا شروع کیا تب وہ لالہ صاحب بات کرتے کرتے گرم ہو کر کہنے لگے کہ ویدوں میں صاف لکھا ہے کہ جیو پرکرتی انادی یعنی رُوح و مادہ خود بخود قدیم سے چلے آتے ہیں جن کو کسی نے پیدا نہیں کیا یہ بات سُنتے ہی اُس

بقیہ حاشیہ تسلیم کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بےتعلق شخص جو فرضی طور پر پرمیشر کے نام سے موسوم ہے رُوح کی حقیقت سے کچھ اطلاع رکھتا ہے اور اُس کا علم اس کی تہ تک پہنچا ہوا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کی نسبت پورا پورا علم رکھتا ہے تو البتہ اس کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور اگر قادر نہیں ہو سکتا۔ تو اس کے علم میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اور اگر پورا علم نہ ہو تو قطع نظر بنانے سے متشابہ چیزوں میں باہم امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سو اگر خدائے تعالیٰ خالق الاشیاء نہیں تو اس میں صرف یہی نقص نہیں ہے کہ اس صورت میں وہ ناقص العلم ٹھہرا بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ کروڑ ہا رُوحوں کے امتیاز اور تمیز اور شناخت میں روز بروز دھوکے بھی کھایا کرے اور بسا اوقات زید کی رُوح کو بکر کی رُوح سمجھ بیٹھے کیونکہ ادھورے علم کو ایسے دھوکے ضرور لگ جایا کرتے ہیں اور اگر کہو کہ نہیں لگتے تو اس پر کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے۔ منہ

ہندو کو بھی جو بمقابل اُس آریہ کے بات کر رہا تھا ایسا جوش آگیا کہ بے اختیار اُس کے مُنہ سے نکل گیا کہ اگر پرمیشر ایسا ہی عاجز ہے تو وہ پھر تیری ایسی تیسی کا پرمیشر ہے چنانچہ اس بات پر اِن دونوں میں ہاتھو پائی اور دست بگریباں ہونے کی نوبت پہنچ چلی تھی مگر لوگوں نے درمیان میں ہو کر اُن دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا پس ان تمام نقر قول سے ظاہر ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے تعصّبات کو الگ کر کے سوچے تو وُہ اِس صاف اور بدیہی اور کُھلی کُھلی سچائی تک نہ پہنچ سکے کہ خدائے تعالیٰ کو اگر اس کی خوبیوں اور قدرتوں سے الگ کیا جاتے تو پھر خود اس کو اپنی خُدائی سے الگ ہونا پڑتا ہے کیا بجز اس کے کہ خدائے تعالیٰ ہر ایک وجود کا موجد ہے کوئی اور بھی بات چھپی ہوئی ہے جس کے رُو سے خدا کو خدا کہا جاتا ہے۔

قولہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ارواح کے غیر مخلوق اور خود بخود ماننے میں دُوسری قباحت یہ ہے کہ ایسا اعتقاد خدائے تعالٰے کو خدائی سے جواب دے رہا ہے۔ کیونکہ جو لوگ علم نفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر روحوں میں عجائب و غرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً روحوں میں ایک کشفی قوت ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات باذنہٖ تعالیٰ دریافت کر سکتے ہیں اور ایک قُوّت اُن میں عقلی ہے جس سے وُہ اُمور عقلیہ کو معلوم کر لیتے ہیں ایسا ہی ایک قوّت محبّت بھی اُن میں ہے جس سے وہ خُدائے تعالٰے کی طرف جھکتے ہیں اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بلا ایجاد کسی موجد کے مان لیا جاتے تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزت ہے گویا یہ کہنا پڑے گا کہ جو عمدہ اور اعلیٰ کام تھے وُہ تو خود بخود ہیں اور جو ادنیٰ اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب کام پائے جاتے ہیں وہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ پرمیشر بھی اُن سے حیران ہے غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خُدا کی خُدائی

پر بڑا صدمہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا اور نیز اسکے وجود پر بھی کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہو سکے گی۔ مَیں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ مرزا صاحب خُدا کی خدائی قائم رکھنے کے لئے ان لوگوں کو شائد مقرر کرتے ہیں جو خواص رُوح سے واقفیّت رکھتے ہوں مگر اسلام میں تو رُوح کے خواص خدا نے ظاہر ہی نہیں کئے جیسا کہ مَیں اُوپر بیان کر چکا ہوں پھر ان کو اس کی کیا خبر ہے۔

اقول ۔ اے لالہ صاحب اگر قرآنِ شریف نے رُوح کے خواص بیان نہیں کئے تو پھر کس نے کئے۔ وید تو صرف اتنا ہی بول کر چُپ ہو گیا کہ میرے مُصنّف کا رُوحوں پر کچھ دعویٰ نہیں اور رُوح غیر مخلوق اور خود بخود ہوتے ہیں اس سے کچھ کم نہیں ہیں لیکن قرآنِ شریف کے نازل کرنے والے نے رُوحوں کو اپنی مِلکیّت ٹھہرائی اور اُنکی مخلوق اور بندہ ہونے کی نسبت دعویٰ کیا اور پھر اس سے زیادہ عقلی دلیلوں کے ساتھ آپ ثابت کیا کہ تمام بنی آدم اور دوسرے حیوانوں کی رُوحیں مخلوق اور بندہ خُدا ہیں اور پھر کھول کر مفصّل طور پر سُنایا کہ کیا کیا طاقتیں اور استعدادیں اور خاصیّتیں اُن میں رکھی گئی ہیں۔ یہ قرآنِ شریف ہی نے نہایت باریک صداقت بیان کی ہے کہ جو کچھ متفرّق طور پر عالمِ علوی وسفلی میں خواصِ عجیبہ پائے جاتے ہیں وُہ سب انسانی رُوح کے وجود میں جمع ہیں لیکن وید کے رُو سے تو روح کچھ چیز ہی نہیں اور اس کے خواص بھی ایسے ناکارہ ہیں کہ جن کا عدم وجود مساوی ہے چنانچہ اس بات کا خود آپکو اقرار ہے اور آگے چلکر ابھی وہ عبارت ناظرین پڑھ لیں گے ۔ اب فرمائیے کہ جس حالت میں آپ وید ہی اقرار کرتا ہے کہ ارواح غیر مخلوق ہیں تو پھر وید کے مُصنِّف کو جو اُن سے بالکل بے تعلّق ہے ان کی اندرُونی حقیقت کیا معلوم ہوگی ۔ یہ بات تو ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ بنانے والے کو جیسی اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز کی خبر ہوتی ہے دوسرے کو جو اُس کے بنانے والا نہیں اور بالکل بے تعلّق ہے ہرگز ایسی خبر نہیں ہو سکتی۔ یہ صداقت نہایت ہی صاف اور روشن ہے اور جب تک کوئی

شخص نرا جاہل اور عقل سے بیگانہ نہ ہو تب تک اس صداقت میں کچھ شک نہیں کر سکتا۔ اس جگہ کم سے کم آریہ صاحبوں کو اسقدر اقرار تو ضرور کرنا پڑے گا کہ جس قدر اُن کے پرمیشر کو اپنے ہاتھ کے کام کے جوڑ جوڑنا جاڑنا ہے اندرونی حقیقت معلوم ہے یہ حقیقت رُوحوں کی کیفیت وجود کی نسبت جن سے وہ بالکل بے تعلق ہے ہرگز اس کو حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جو کام اپنے ہاتھ سے کیا جاتا ہے اس کے جُزئیات دقیقہ ہرگز مخفی نہیں رہ سکتے۔ لیکن جو کام اپنے ہاتھ سے نہ کیا جائے اس کو اگرچہ دُوسرے کے ہاتھ سے ہوتے بھی دیکھ لیں تب بھی اس کا کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن وید کے مُصنّف کو روحوں کی حقیقت اور اُن کے خواص کیونکر معلوم ہو سکیں اُس نے نہ تو آپ کوئی رُوح بنائی اور نہ کسی اور کاریگر کو بناتے دیکھا پس ہندوؤں کے پرمیشر کا یہ اقرار کہ مَیں رُوح بنانے پر قادر نہیں صاف اس دُوسرے اقرار پر بھی مشتمل ہے کہ رُوحوں کی اندرونی حقیقت بھی مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ کسی چیز کی نسبت علم کامل اور وسیع اس چیز کے بنانے پر قادر ہونے کا موجب ہے یعنے جب کسی چیز کی حقیقت پر علم اکمل و اتم حاصل ہو جائے اور جن امور سے ایک چیز کا وجود ظہور پذیر ہے اُن اُمور مخفیہ پر اطلاع کُلّی ہو جائے تو ساتھ ہی اُس چیز کے بنانے پر بھی قُدرت حاصل ہوتی ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں رُوحوں کی مخلوقیت پر منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل بھی پیش کی ہے اور یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے عاجز ہونا ہمیشہ بوجہ نقصان علم ہوا کرتا ہے جب تم ایک چیز کی نسبت پُورا پُورا علم حاصل کر لوگے اور اس کے کُنہ تک پہنچ جاؤ گے اور کوئی حجاب درمیان باقی نہیں رہیگا تو فی الفور تم اس کے بنانے پر قادر ہو جاؤ گے اور اگر وہ اسباب تمہیں میسّر آجائیں گے جو بنانے کے لئے ضروری ہیں تو بلاشبہ وہ چیز تم اپنے ہاتھ سے بنا لوگے ہاں جب تک تمہارے علم میں کچھ نقصان ہے اور ہنوز ایسے اُمور بھی باقی ہیں جو تمہاری

نظر سے چھپے ہوئے ہیں تب تک تم اُس چیز کے بنانے پر قادر نہیں ہو سکتے سو ہندوؤں کا پرمیشر جو رُوحوں کو بنا نہیں سکتا تو اس عجز اور ناتوانی کی درحقیقت یہی وجہ ہے کہ وہ علم کیفیت ارواح اور اُن کے خواص سے بالکل بے بہرہ ہے ۞ سو جبکہ ہندوؤں کا پرمیشر علم رُوح سے آپ ہی بے بہرہ ہے تو پھر وہ دوسروں کو رُوح کا علم کیا سکھائے گا۔ ازخویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پس اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ وُہ الزام عدم علم رُوح جو محض عناد کی راہ سے ماسٹر صاحب اسلام پر اور قرآن شریف پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں وہ درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر اور اس کے وید پر عاید حال ہوتا ہے بلکہ خود وید نے ضمنی طور پر اس الزام کو اپنے مصنّف کے ذمہ مان لیا ہے کیونکہ وید میں صاف اس بات کا اقرار پایا جاتا ہے۔ کہ اس کا فرضی پرمیشر رُوحوں کے پیدا کرنے سے بکلّی عاجز اور مجبور ہے پس جبکہ خود وید کے اقرار سے رُوح غیرمخلوق ہوئی

۞ **حاشیہ** شاید کسی دل کو اس جگہ یہ وسوسہ پکڑے کہ کسی شَے پر پُورا پُورا علمی احاطہ ہونے سے وہ شَے مخلوق ہو جاتی ہے تو علم حق سُبحانہٗ تعالےٰ جو اپنی ذات سے متعلق ہے وُہ بھی بہرحال کامل ہے تو کیا خدائے تعالیٰ اپنی ذات کا آپ خالق ہے یا اپنی مثل بنانے پر قادر ہے اس میں اعتراض کے پہلے ٹکڑے کا تو یہ جواب ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اپنے وجود کا آپ خالق ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ اپنے وجود سے پہلے موجود ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی شَے اپنے وجود سے پہلے موجود نہیں ہو سکتی ورنہ تقدم الشَے علٰی نفسہٖ لازم آتا ہے بلکہ خدائے تعالےٰ جو اپنی ذات کا علم کامل رکھتا ہے تو اس جگہ عالم اور علم اور معلوم ایک ہی شَے ہے جس میں علیحدگی اور دُوئی کی گنجائش نہیں تو پھر اس جگہ وہ الگ چیز کونسی ہے جس کو مخلوق ٹھہرایا جائے سو ذاتی علم خدائے تعالےٰ کا جو اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے

اور پرمیشر کی اُن میں کسی نوع سے مداخلت نہ ہوئی اور رُوحوں کے پیدا کرنے سے پرمیشر قطعًا عاجز ہؤا تو اسی سے دانشمند سمجھ سکتا ہے کہ جس کو روحوں کے پیدا کرنے کا علم یاد نہیں اُس کو روحوں کی نسبت اور دوسرا علم کیا یاد ہوگا۔ ایک چیز کا پیدا کرلینا اور اُس چیز کی حقیقت کامل طور پر جان لینا درحقیقت لازم ملزوم پڑا ہؤا ہے۔ بلکہ اگر زیادہ تر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انتہائی درجہ کا کامل علم اور پیدا کرلینا درحقیقت ایک ہی بات ہے اس صداقت سے شاید وہ ابلہ مزاج انکار کرے جو ایک ناقص علم کو کامل سمجھ بیٹھے۔ لیکن ایک دانا جس کا خیال اس باریک دقیقہ تک پہنچ جائے کہ کامل علم کسے کہتے ہیں۔ اور کس حالت میں کسی علم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ کامل ہے وہ ضرور انشراح قلب سے یقین کرلیگا کہ ضرور علم تام اور عمل میں تلازم بلکہ اتحاد واقعہ ہے غرض یہ بات ہندوؤں کی کی پرمیشر کے لئے بالکل غیر ممکن ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ مجھے کامل طور پر علم رُوح

بقیہ حاشیہ دوسری چیزوں پر اُس کا قیاس نہیں کرسکتے غرض علم ذاتی باری تعالےٰ میں جو اس کی ذات سے متعلق ہے عالم اپنے معلوم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے تا ایک خالق اور ایک مخلوق قرار دیا جاوے ہاں اُس کے وجود میں بجائے مخلوق کہنے کے یہ کہنا چاہیئے کہ وہ وجود کسی دوسرے کی طرف سے مخلوق نہیں بلکہ ازلی ابدی طور پر اپنی طرف سے آپ ہی ظہور پذیر ہے اور خدا ہونے کے بھی یہی معنے ہیں کہ خود آئندہ ہے۔ دوسرا اُنکا اعتراض کا کہ تقریر مذکورۂ بالا سے خدائے تعالےٰ کا اپنی مثل بنانے پر قادر ہونا لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قدرت الٰہی صرف ان چیزوں کی طرف رجوع کرتی ہے جو اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کی منافی اور مخالف نہ ہوں بے شک یہ بات توضیح اور ہر طرح سے مدلل اور معقول ہے کہ جس چیز کا علم خدائے تعالیٰ کو کامل ہو اُس چیز کو اگر چاہے تو پیدا

حاصل ہے اور یا کامل طور پر روح کے خواص کی مجھے خبر ہے بلکہ یہ دعویٰ تو سراسر قرآن شریف کے اُتارنے والے کو (جو ربّ العٰلمین ہے) پہنچتا ہے اور اُسی کو زیبا ہے۔ کیونکہ وہ خالق ارواح ہے اور اُس کو اپنے پیدا کردہ کی اندرونی حقیقت بخوبی معلوم ہے۔

جس نے پیدا کیا وُہی جانے ۞ دوسرا کیونکر اُسکو پہچانے ۞ غیر کو غیر کی خبر کیا ہو ۞ نظرِ دُور کار گر کیا ہو ۞

چونکہ درحقیقت وہ روحوں کا خالق ہے اس لئے اُس نے اپنے علم ذاتی اور تعلق خالقیت کی وجہ سے روحوں کی حقیقت اور اُن کے خواص اس قدر بیان کئے ہیں کہ دُنیا میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں کہ اس بارہ میں اس کا مقابلہ کرسکے اور وید تو خود کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ناظرین انصافاً شہادت دے سکتے ہیں کہ آیا رُوحوں کے علم سے بےخبر ہونا کس کے مناسب حال ہے کیا فی الحقیقت جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں ایسے پرمیشر کے مناسب حال ہے جس نے آپ اقرار کردیا ہے کہ مَیں روحوں کے بنانے سے عاجز

بقیہ حاشیہ بھی کرسکتا ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح اور ضروری نہیں ہے کہ جن باتوں کے کرنے پر وُہ قادر ہو۔ اُن سب باتوں کو بلالحاظ اپنی صفات کمالیہ کے کرکے بھی دکھاوے بلکہ وہ اپنی ہر ایک قُدرت کے اِجرا اور نفاذ میں اپنی صفاتِ کمالیہ کا ضرور لحاظ رکھتا ہے کہ آیا وُہ امر جس کو وہ اپنی قدرت سے کرنا چاہتا ہے اُسکی صفاتِ کاملہ سے منافی و مبائن تو نہیں مثلاً وُہ قادر ہے کہ ایک بڑے پرہیزگار صالح کو دوزخ کی آگ میں جلادے لیکن اُس کے رحم اور عدل اور مجازات کی صفت اِس بات کی منافی پڑی ہوئی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اس لئے وہ ایسا کام کبھی نہیں کرتا۔ ایسا ہی اُس کی قُدرت اس طرف میں رجوع نہیں کرتی کہ وُہ اپنے تئیں ہلاک کرے۔ کیونکہ یہ فعل اس کی صفت حیاتِ ازلی ابدی کی منافی ہے بس اسی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وُہ اپنے جیسا خُدا

اور اُن کے طریق پیدا کرنے سے محض بے خبر ہوں یا اُس قادر مطلق رب العلمین کے مناسب حال ہوسکتا ہے جو ذرہ ذرہ کے پیدا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر یک رُوح کا وجود اور ہر یک جان کی ہستی اپنی قدرت کاملہ کا نقش قرار دیتا ہے۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ سب دانشمند یہی شہادت دیں گے کہ جس کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں اس کو غیر مخلوق چیزوں کی اندرونی حقیقت کا بھی کچھ علم نہیں بلکہ یہ علم کامل اور تام طور پر اسی کامل القدرت کو حاصل ہے جس کو رُوحوں کے پیدا کرنے کی طاقت و قدرت ہے پس اس بیان سے تو ہندوؤں کے پرمیشر اور اُن کے وید کی ساری حقیقت کُھل گئی اور جو کچھ وید کے مصنف کی نسبت آریہ لوگ علم رُوح کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھانڈا بیک بار گی پھوٹ گیا۔ اب بھی اگر ماسٹر صاحب کو وید کے زیادہ تر پردہ ظاہر کرانے کا شوق ہے اور نہیں چاہتے کہ اُس کے عیوب عام لوگوں سے چھپے رہیں تو جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں یہی طریق عمدہ ہے کہ اِس نہایت دقیق اور لطیف بحث کے بارہ میں الگ الگ رسالے لکھے جائیں یعنی مَیں الگ ایک رسالہ مستقلہ علم رُوح کے بارہ میں لکھوں اور ماسٹر صاحب الگ لکھیں اور ہم دونوں فریق جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اپنی اپنی الہامی کتابوں کی ہر یک دلیل اور دعویٰ کے بیان کرنے میں پابند رہیں اور مَیں قسمیہ بیان کرتا ہوں کہ مَیں ماسٹر صاحب کی تحریک پر رسالۃ الرُّوح لکھنے کو طیار اور مستعد ہوں مگر انہیں

بقیہ حاشیہ بھی نہیں بناتا کیونکہ اُس کی صفت احدیّت اور بے مثل اور مانند ہونے کی جو ازلی ابدی طور پر اُس میں پائی جاتی ہے اس طرف توجہ کرنے سے اُس کو روکتی ہے۔ پس ذرہ آنکھ کھول کر سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک کام کے کرنے سے عاجز ہونا اور بات ہے لیکن باوجود قدرت کے بلحاظ صفات کمالیہ امر منافی صفات کی طرف توجہ نہ کرنا یہ اور بات ہے۔ ہاں اسی طرح پردہ

شرائط سے جو اِس رسالہ میں اندراج پا چکی ہیں ماسٹر صاحب بُرا نہ مانیں مَیں سچ سچ کہتا ہُوں بالکل سچ جس میں ذرا مُبالغہ کی آمیزش نہیں کہ قرآن شریف نے جس قدر خوبی اور عُمدگی اور صفائی اور سچائی سے رُوحوں کے خواص اور ان کی قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں اور اُنکے دیگر کوائف عجیبہ بیان کئے ہیں اور پھر ان سب بیانات کا ثبوت دیا ہے وہ ایسا عالی اور باریک اور پُرحکمت بیان ہے اور ایسے کامل درجہ کی وہ صداقتیں ہیں کہ اگر وید کے چاروں رشی دوبارہ جنم لے کر بھی دُنیا میں آویں اور جہانتک ممکن ہو خوض اور فکر سے زور لگاویں تب بھی یہ مقام وسعت علمی اور یہ معارف عالیہ انہیں میسّر نہیں آسکتے اگرچہ فکر کرتے کرتے مر ہی جاویں۔ غصہ منانے کی کیا بات ہے اور ناراض ہونے کا کونسا محل۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ آؤ وید اور قرآن کا مقابلہ کرکے دیکھ لیں۔ اِن دونوں کتابوں کی طاقت علمی آزمالیں۔ دیکھو ہم محض سچائی کی راہ سے دونوں فریق میں سے اُس فریق پر لعنت کرتے ہیں۔ کہ جو اَب حق پوشی کی راہ سے اس بحث سے گریز کر جائے اور اِدھر اُدھر کے بہانوں سے یا بیجا عذروں سے بات کو ٹال دے۔ مگر یاد رہے کہ اس بحث میں کسی دلیل یا دعویٰ میں وید کی شرتی سے باہر نہ جانا ہوگا۔ جیسا کہ ہم بھی آیاتِ قرآن شریف سے باہر نہ جائیں گے اور یہ بھی آپ پر لازم ہوگا کہ ہر یک شُرتی ٹھیک ٹھیک سنسکرت کی زبان میں مگر فارسی خط میں معہ اس کے لفظی

بقیہ حاشیہ اپنی ذات بے مثل و مانند کا نمونہ پیدا کرتا ہے کہ اپنی ذاتی خوبیاں جن پر اُس کا علم محیط ہے عکسی طور پر بعض اپنی مخلوقات میں رکھ دیتا ہے اور کمالات کا انتہائی درجہ جو حقیقی طور پر اس کو حاصل ہے ظلّی طور پر اُس مخلوق کو بھی بخش دیتا ہے جیسا کہ اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ بھی ہے ورفع بعضھم درجٰت[1] اِس جگہ صاحب درجات رفیعہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مُراد ہیں

[1] البقرۃ : ۲۵۴

ترجمہ و پتہ و نشان کے تحریر کریں اور انہیں باتوں کا التزام آیاتِ قرآنی کے بیان کرنے میں ہم پر بھی واجب ہوگا۔

قولہ۔ ایک دو خواص مرزا صاحب نے رُوحوں کے لکھے ہیں مثلاً پوشیدہ باتوں کے دریافت کرنے کی طاقت پیدا کرلینا جس کا مرزا صاحب خود بھی دعویٰ کرتے ہیں اور آجتک کوئی نہیں دکھلایا۔

اقول۔ یہ برکات مکاشفات و مکالمہ و مخاطبہ الٰہی وغیرہ خوارق صراطِ مستقیم پر چلنے سے بیشک خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرمانبردار روحوں کو اصفیٰ و اجلیٰ طور پر عطا کی جاتی ہیں اور جو کچھ راقم رسالہ ہذا پر پیشگوئیاں منجانب اللہ ظاہر ہوئی ہیں ان میں سے قریب ستّر پیشگوئیوں کے گواہ تو خود آریہ سماج والے ہیں جو آپ کے بھائی بند قادیان میں رہتے ہیں بلکہ آپ بھی تو انہیں میں داخل ہیں **دلیپ سنگھ** کے ابتلا کا حال جو آپ نے پیش از وقوع اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں پڑھ لیا تھا اور پھر میری زبانی بھی ایک مجمع عام میں جس میں کئی ہندو صاحب آپکے رفیق بھی شامل تھے سُن لیا تھا۔ یہ تازہ ماجرا اُمید نہیں کہ اس قدر جلد تر عرصہ میں آپ کو بھول گیا ہو اب آپ ذرا بیدار ہو کر دیکھیں کہ یہ پیشگوئی کیسی ہو بہو پوری ہوگئی اور دلیپ سنگھ کو قصد سفر پنجاب میں کیا کچھ غم و غصہ و تلخی و رنج اُٹھانا پڑا۔ اور کیسے وہ ناکامی سے خفیف کرکے واپس لُٹایا گیا۔ کیا آپ حلف

بقیہ حاشیہ جنکو ظلّی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات جو کمالات الوہیت کے اظلال و آثار ہیں بخشے گئے اور وہ خلافتِ حقہ جس کے وجود کامل کے تحقق کے لئے سلسلہ بنی آدم کا قیام بلکہ ایجاد کُل کائنات کا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وجود باجود سے اپنے مرتبۂ اتم و اکمل میں ظہور پذیر ہو کر آئینہ خدانما ہوئے۔ یہ بحث معارف الٰہیہ میں سے نہایت باریک بحث ہے اور ہمارے مخالفین جو ان

اُٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پیش از وقوع دلیپ سنگھ کے ابتلا کی خبر نہیں دی گئی۔ کیا آپ قسم کھا کر بیان کر سکتے ہیں کہ آپ کو جلسۂ عام میں یہ نہیں بتلایا کہ وُہ فقرہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء جس میں لکھا ہے کہ ایک امیر نووارد پنجابی الاصل کی نسبت متوحش خبریں اُس سے مراد دلیپ سنگھ ہے ایسا ہی یہ خبر جابجا صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو جو پانچھو سے کسی قدر زیادہ ہی ہونگے کئی شہروں میں پیش از وقوع بتلائی گئی تھی اور اشتہارات ۲۰ ؍ فروری ۱۸۸۶ء بھی دُور دُور ملکوں تک تقسیم کئے گئے تھے پھر آخر کار جیسا کہ پیش از وقوع بیان کیا گیا اور لکھا گیا تھا وہ سب باتیں دلیپ سنگھ کی نسبت پوری ہوگئیں اور یہ پیش گوئی ایسے وقت میں یعنے ۲۰ ؍ فروری ۱۸۸۶ء میں لکھی گئی اور شہرت دی گئی کہ جب دلیپ سنگھ کی پنجاب میں بالضرور آجانے کی ایک دھوم مچی ہوئی تھی اور بعض دوست اور بھائی بند اُسکی اسی خیالی خوشی میں پیشوائی کے لئے بمبئی تک بھی جا پہنچے تھے۔ سو یہ پیشگوئی کروڑہا شخصوں کے خیالات کے مخالف اور حالاتِ موجودہ کے برعکس کی گئی اور سب نے دیکھ لیا کہ کیسی ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئی۔ اب فرمائیے آپ کا یہ کہنا کہ آج تک کوئی پیشگوئی ہم نے نہیں دیکھی جھوٹ ہے یا نہیں۔ اسی طرح صاحب اخبار عام لاہور کی خدمت میں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنے پرچہ ۱۲ جولائی ۱۸۸۶ء میں اِس پیشگوئی کے انکار میں لکھا ہے اس کے پڑھنے سے ہمیں اُنکے تعصب اور نافہمی پر بہت ہی افسوس آتا ہے وُہ

بقیہ حاشیہ نازک نکات عرفانی سے بیگانہ اور اس کوچہ اسرار الوہیت سے ناآشنا محض ہیں وہ تعجب کرینگے کہ کیونکر کروڑہا اور بے شمار مخلوقات میں سے صرف ایک ہی شخص کو مرتبہ کاملہ خلافت تامہ حقہ کا جو ظلّ مرتبہ الوہیت ہی حاصل ہو سکتا ہے سو اگرچہ اس بحث کے طول دینے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن تاہم اس قدر بیان کر دینا طالب حق کے سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ عادت اللہ یا

فرماتے ہیں کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء سے بہت عرصہ پہلے دلیپ سنگھ صاحب کا عزم ہندوستان کے خاص و عام میں مشہور ہو چکا تھا مگر افسوس کہ انہوں نے نہیں سمجھا کہ اس مشہوری سے پیش گوئی کے مضمون کو کیا تعلق ہے بلکہ پیش گوئی کا مضمون تو صرف اِس بات سے مخصوص ہے کہ دلیپ سنگھ صاحب کو قصد پنجاب میں ناکامی ہے اور اُنکی عزت یا جان یا آسائش پر اس سفر میں صدمہ پہنچیگا۔ اب منصفین خیال کریں کہ اخبارِ عام لاہور کی یہ نکتہ چینی پیشگوئی پر کیا اثر پہنچا سکتی ہے اور اُن کا انصاف اور فہم جو منصب اخبار نویسی کے لئے ایک ضروری شرط ہے کس درجہ کا ہے افسوس کہ بہت لوگ حسد اور عناد کے اشتعال میں پڑکر حقیقت حال کو نہیں سوچتے جیسا کہ اِنہیں پیشگوئیوں کے متعلق ایک صاحب پنڈت لیکھرام نے ناحق اپنا اندرونی بخل اور ناانصافی اور ہٹ دھرمی ظاہر کرنے کے لئے جا بجا اشتہارات شائع کئے اور اس جانب پر یہ الزام رکھا کہ گویا ہم نے کسی اشتہار میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ لڑکا موصوف بصفات جس کا اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ذکر ہے ضرور حمل موجودہ میں ہی پیدا ہو جائیگا ہرگز اُس سے تخلف نہیں کریگا وہ ظہور میں نہیں آئی حالانکہ ایسا اور ان شرائط سے کوئی اشتہار اس طرف سے شائع نہیں ہوا اور اگر ہے تو کیوں پیش نہیں کیا حقیقت حال تو یہ ہے کہ آنکھوں کی نابینائی کچھ ضرر نہیں کرسکتی بلکہ دلوں کی نابینائی جو تعصب کے بخارات سے پیدا ہوتی ہے وہی ضرر کرتی ہے یہ شخص

بقیہ حاشیہ تم یوں ہی سمجھ لو کہ اُس کا قانونِ قدرت جو اُس کی صفت وحدت کے مناسب حال ہے یہی ہے کہ وہ بوجہ واحد ہونے کے اپنے افعال خالقیت میں رعایت وحدت کو دوست رکھتا ہے۔ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے اگر ہم اس سب کی طرف نظر غور سے دیکھیں تو اس ساری مخلوقات کو جو اس دست قدرت سے صادر ہوئی ہے ایک ایسے سلسلہ وحدانی اور با ترتیب رشتہ میں منسلک پائیں گے

جس کا نام ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس نے چالیس دن تک بھی ہماری آزمائش کے لئے ہماری صحبت میں رہنا منظور نہیں کیا حالانکہ ان پنڈت صاحب کو تنخواہ دینا بھی قبول کیا گیا تھا۔ ان صاحبوں کو بجز دشنام دہی اور بدزبانی اور آلائش کی باتوں کے جو ان کے اندر بھری ہوئی ہیں اور کوئی حرف صلاحیت و معقولیت یاد نہیں۔ اگر اب بھی یہ صاحب چالیس دن تک ہمارے پاس رہنا منظور کریں اور ہم الہامی پیشگوئیوں میں جھوٹے نکلیں تو جو ذلیل تر سزا تجویز کی جائے اسی کی ہم لائق ہیں ورنہ چوٹی کٹانا اور مسلمان ہونا اُن پر واجب ہوگا۔ ماسوا اس کے جو کچھ ہمارا دعویٰ پیشگوئیوں کی نسبت ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک دو پیش گوئیوں سے اس کا ثبوت دیا جاتا ہے بلکہ اس دعویٰ کے اثبات کے بارے میں عنقریب رسالہ سراج منیر بفضلِ خداوند قدیر چھپ کر شائع ہونے والا ہے اور وہ تمام رسالہ الہامی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے تب سب لوگ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ ہمارے مخالفین ہماری نسبت طرح طرح کی رائیں لگاتے ہیں اُنکی کیا اصلیت و حقیقت ہے۔ ہم اس رسالہ میں مرزا امام الدّین جو ہماری برادری میں سے ہے اور دین اسلام سے مُرتد ہے اور اب آریہ سماج میں داخل ہوگیا ہے اُسکی نسبت بھی کئی پیشگوئیاں لکھیں گے۔ ہم پر آج بھی جو تیسری اگست ۱۸۸۶ء ہے منجانب اللہ اُسکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی بلاء اہیوں

بقیہ حاشیہ کہ گویا وہ ایک خط مستقیم ممتد محدود ہے جسکی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے اس طرح پر

طرف ارتفاع

طرف انخفاض

اس قدر بیان میں تو ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی میرے ساتھ اتفاق رائے کر سکتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور دائرہ انسانیت میں بہت سی متفاوت اور کم و بیش استعدادیں پائی جاتی ہیں کہ اگر کمی بیشی

کا وبال جلد تر اُسے درپیش ہے اور اگر یہ معمولی رنجوں میں سے کوئی رنج ہو تو اُس کو پیشگوئی کا مصداق مت سمجھو۔ لیکن اگر ایسا رنج پیش آیا جو کسی کے خیال گمان میں نہیں تھا تو پھر سمجھنا چاہیئے کہ یہ مصداق پیش گوئی ہے لیکن اگر وہ باز آنے والا ہے تو پھر بھی انجام بخیر ہوگا یا تنبیہ کے بعد راحت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ دعویٰ ہمارا بالکل صحیح اور نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے سے طالبِ صادق الہامِ الٰہی پا سکتا ہے کیونکہ اوّل تو اس پر تجربہ ذاتی شاہد ہے ماسوائے اس کے ہر یک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس دُنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی معرفت الٰہی کا اعلیٰ رتبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے رب کریم جلّ شانہٗ سے ہم کلام ہو جائے۔ یہی درجہ ہے جس سے رُوحیں تسلّی پاتی ہیں اور سب شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں اور اسی درجہ صافیہ پر پہنچ کر انسان اس دقیقۂ معرفت کو پالیتا ہے جس کی تحصیل کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے ؔ در اصل نجات کی کنجی اور ہستی موہوم کا عقدہ کشا یہی درجہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ خالق حقیقی کو اپنی مخلوق ضعیف سے کس قدر قرب واقعہ ہے۔ اس درجہ تک پہنچنے کی خبر ہمیں اُسی نور نے دی ہے جس کا نام قرآن ہے وہ نور صاف عام طور پر بشارت دیتا ہے کہ الہام کا چشمہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی مشرق کا رہنے والا یا مغرب کا باشندہ دلی صفائی سے خدائے تعالیٰ کو ڈھونڈے گا۔ اور اُس سے پوری پوری صلح کر لیگا

بقیہ حاشیہ کے لحاظ سے ان کو ایک با ترتیب سلسلہ میں مرتب کریں تو بلاشبہ اُس سے ایک اُسی خط مستقیم ممتد محدود کی صورت نکل آئے گی جو اُوپر ثبت کیا گیا ہے۔ طرف الارتفاع کے اخیر نکتہ پر اُس استعداد کا انسان ہوگا جو اپنی استعداد انسانی میں سب نوع انسان سے بڑھ کر ہے۔ اور طرف انخفاض میں وہ ناقص الاستعداد رُوح ہوگی جو اپنے غایت درجہ کے نقصان کی وجہ سے حیوانات لایعقل کے

اور درمیان کے حجاب اُٹھائے گا تو ضرور اُسے پائیگا اور جب واقعی اور سچے اور کامل طور پر پائیگا تو ضرور خدا اس سے ہم کلام ہوگا۔ مگر ویدوں نے انسان کے اِس درجہ تک پہنچنے سے اِنکار کیا ہے اور صرف چار رشیوں تک جو ویدوں کے مصنّف ہیں (بقول آریہ سماج والوں کے) اس درجہ کو محدود رکھا ہے یہ ویدوں کی ایسی ہی غلطی ہے جیسے اور بڑی بڑی غلطیوں سے وُہ پُر ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ سب بنی آدم متحد الفطرت ہیں اور جو بات ایک آدمی کے لئے ممکن ہے وہ سب کے لئے ممکن ہے اور جو قُرب و معرفت ایک فرد بشر کے لئے جائز ہے وہ سب کے لئے جائز ہے کیونکہ وُہ سب اصل طینت میں ایک ہی جوہر سے ہیں ہاں کمالات میں کمی بیشی ہے مگر جنس کمالات میں سرے سے جواب تو نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ اُس میں تحصیل کمالاتِ انسانی کے ایک ذرہ بھی استعداد نہ ہو تو وُہ خود انسان ہی نہیں ہوسکتا۔ غرض تھوڑے بہت کا تو انسانی استعدادوں میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر انسان ہو کر یکلخت فقدان استعداد نہیں ہوسکتا۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ ہندوؤں کے ایشر کو ویدوں کے اُتارنے سے مقصد اور علّت غائی کیا ہے۔ اگر یہ مقصد ہے کہ تا لوگ ویدوں کو پڑھ کر اور ان کے ٹھیک ٹھیک پابند ہو کر اپنے کمال مطلوب تک پہنچ جائیں تو پھر اُس کمال تک پہنچنے کا راہ کیوں آپ ہی بند کرتا ہے۔ اگر ان رشیوں کا وجود جن پر وید نازل ہوئے تھے بطور نمونہ کے نہیں تھا کہ تا لوگ اُسی نمونہ

بقیہ حاشیہ قریب قریب ہے اور اگر سلسلہ جمادی کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں تو اِس قاعدہ کو اور بھی اُس سے تائید پہنچتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے چھوٹے سے چھوٹے جسم سے جو ایک ذرّہ ہے لیکر ایک بڑے سے بڑے جسم تک جو آفتاب ہے اپنی صفت خالقیّت کو تمام کیا ہے اور بلاشبہ خدائے تعالیٰ نے اُس جمادی سلسلہ میں آفتاب کو ایک ایسا عظیم الشان اور نافع اور ذی برکت وجود

کے موافق ویدوں پر چلنے سے اپنے وجودوں کو بنالیں تو ایسے رشیوں کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہ بات ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کتابیں اور خدائے تعالیٰ کے نبی اسی غرض اور مدعا سے آیا کرتے ہیں کہ تا وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نمونہ کی طرح ہو کر اُن کو یہ ترغیب و تحریک دیں کہ جو شخص اُن کے نقش قدم پر چلے اور اُن کے طریق میں محو ہو جائے وہ آخر اُنہیں کا روپ ہو جائے گا اور انہیں کے رنگ میں آجائے گا لیکن اگر ہندوؤں کے پرمیشر نے ایسا ارادہ ہی نہیں کیا کہ اُن چار رشیوں کے رنگ سے جو نمونہ کے طور پر بھیجے گئے تھے کوئی طالب حق رنگین ہو جائے تو پھر یہ کام اُن کے پرمیشر کا سراسر بیہودہ اور فضول ہوگا۔ اِس جگہ اس سوال کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر نے ویدوں کو تکمیل نفوس ناقصہ کے لئے بھیجا تھا تو ویدوں نے نازل ہو کر کس قدر خلقت کو کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے کیونکہ اس بارے میں ہندو لوگ آپ ہی قائل ہیں کہ کسی شخص کو ویدوں نے مرتبہ کمال تک نہیں پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ کیفیت و حقیقت کمال کی ہندوؤں کے پرمیشر کے نزدیک بھی وہی ہے جس کا نمونہ اُس نے ویدوں کے رشیوں میں قایم کیا تھا اور وہ یہی ہے کہ بزعم آریہ لوگوں کے اُن رشیوں کو الہام الٰہی سے سرافراز فرمایا گیا اب جب کہ کمال معرفت کی حقیقت یہ ٹھہری اور دوسری طرف اُن کے پرمیشر نے یہ بھی صاف صاف سُنا دیا کہ کوئی شخص ابدالآباد تک بجز چار رشیوں کے

بقیّہ حاشیہ پیدا کیا ہے کہ طرف ارتفاع میں اس کے برابر کوئی دوسرا ایسا وجود نہیں ہے سو اس سلسلہ کے ارتفاع اور انخفاض پر نظر ڈال کر جو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے روحانی سلسلہ جو اُسی ہاتھ سے نکلا ہے اور اُسی عادت اللہ سے ظہور پذیر ہوا ہے خود بلا تامل سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ بھی بلا تفاوت اسی طرح واقعہ ہے اور یہی ارتفاع اور انخفاض اس میں بھی موجود ہے

الہام نہیں پا سکتا تو یہ عجیب اوباشانہ کارروائی ہے بھلا اگر کوئی اُن چار رشیوں کی پیروی سے اُن کا رنگ و بو تے حاصل نہیں کر سکتا تو پھر ایک عقلمند ویدوں کے ماننے اور اُن پر عمل کرنے میں کیوں ناحق کی ٹکریں مارے یہ کس قسم کی رندانہ حرکت ہے جو ہندوؤں کے پرمیشر سے ظہور میں آئی کہ اول چار رشیوں کو نمونہ کے طور پر بھیجا تا لوگ اس نمونہ کے موافق چل کر ان رشیوں کے ہم رنگ ہو جائیں اور وہی نعمت حاصل کر لیں جو اُن کو دی گئی تھی اور پھر دوسری طرف یہ بھی سُنا دیا کہ یہ بات ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اُن رشیوں کے رنگ میں آکر الہام پانے کا لائق ٹھہر جاتے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر وید کمال مطلوب تک کسی کو نہیں پہنچا سکتے تو پھر اُن کا بھیجا جانا بالکل عبث اور بیہودہ ہوا اور بجز اس بد اثر کے کہ کروڑ ہا آدمیوں کو اُن کی پُر شرک تعلیم نے مُشرک بنا دیا اور کون سا نیک ثمرہ ہے جو اُن کے آنے سے مترتب ہوا اور وہ چار آدمی جن پر آریوں کے خیال میں وید نازل ہوتے وہ بھی درحقیقت ویدوں کے ممنون احسان نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بقول آریہ لوگوں کے کسی پہلے جنم کے اعمال کے باعث الہام پانے کے لائق ٹھہر گئے تھے۔

قولہٗ - رہا باقی دوسری صفات کا ذکر بیشک وہ جیو میں بیج کی طرح موجود ہیں جو بغیر خدائے تعالیٰ کی کاریگریوں کے (جس کا مرزا صاحب جوڑنا جاڑنا نام رکھتے ہیں)

بقیہ حاشیہ کیونکہ خدائے تعالیٰ کے کام یک رنگ اور یکساں ہیں اس لئے کہ وہ واحد ہے اور اپنے اصدار افعال میں وحدت کو دوست رکھتا ہے پریشانی اور اختلاف اُس کے کاموں میں راہ نہیں پا سکتا اور خود یہ کیا ہی پیارا اور موزون طریق معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کام باقاعدہ اور ایک ترتیب سے مرتب اور ایک سلک میں منسلک ہوں۔

بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اقول ۔ میں کہتا ہوں کہ جو خاصیتیں اور قوتیں باقرار ماسٹر صاحب روحوں میں ضرور موجود ہیں گو بزعم اُن کے ہیچ کی طرح ہی سہی مگر وہ موجود ہو کر معدوم کے برابر کیوں ہیں اس کی وجہ بھی تو کوئی بیان کی ہوتی کیا وہ قوتیں اور خاصیتیں روحوں میں بے فائدہ طور پر ہیں جن کے وجود سے پرمیشر کو جوڑنے جاڑنے کے وقت کچھ مدد نہیں ملی ظاہر ہے کہ پرمیشر کو اُن خاصیتوں اور عجیب قوتوں سے جوڑنے جاڑنے کے وقت بڑی بھاری مدد ملی جس نے پرمیشر کا نام رکھ لیا اور اُس کا پرمیشرپن ثابت کر دکھایا اور اگر وہ خاصیتیں روحوں میں نہ ہوتیں تو بتلاؤ کہ پرمیشر کر کیا سکتا تھا کون سی روحانی خاصیت اپنے گھر سے لاتا اور کیونکر ایک بے جان جسم کو ایک زندہ انسان بناکر دکھلاتا بھلا ننگی نہائی کیا اور نچوڑتی کیا۔ یہ تو رُوحوں کا اس پر سراسر احسان ہے جو بنے بنائے اور گھڑے گھڑائے مع تمام اپنی عجیب خاصیتوں اور قوتوں کے اُس کے ہاتھ آگئے قسمت اچھی تھی مفت کا نام ہوگیا پرمیشر بن بیٹھا ورنہ غور کرنے والی عقلوں پر ظاہر ہے کہ جوڑنا جاڑنا بغیر اُن عجیب خواص اور طاقتوں کے جو رُوحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں کچھ چیز نہیں ہیں بلکہ اگر وہ خواص رُوحوں اور مادوں میں پائے نہ جائیں تو ممکن ہی نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر سے جوڑنے جاڑنے کا کام بھی انجام پذیر ہو سکے مثلاً اگر جسموں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ایک

بقیہ حاشیہ اب جب کہ ہم نے ہر طرح سے ثبوت پاکر بلکہ بہ بداہت دیکھ کر خدا تعالیٰ کے اس قانون قدرت کو مان لیا کہ اُس کے تمام کام کیا رُوحانی اور کیا جسمانی پریشان اور مختلف طور پر نہیں ہیں جن میں یوں ہی گڑ بڑ پڑا ہو بلکہ ایک حکیمانہ ترتیب سے مرتب اور ایک ایسے باقاعدہ سلسلہ میں بندھے ہوتے ہیں جو ایک ادنیٰ درجہ سے شروع ہو کر انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے اور یہی طریق

اتصالی قُوّت نہ پائے جاتے جس کو قُوّت کشش اتصال کہتے ہیں تو ہندؤں کے پرمیشر کو ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ کم سے کم دو ذرّوں میں بھی پیوند کر کے دکھلا دے اسی طرح جو جوڑنے جاڑنے میں روحانی خواص نمایاں ہوتے ہیں اُن میں بھی ہندؤوں کے پرمیشر کی ہرگز مجال نہیں ہے کہ بغیر حمایت و مدد روحوں اور اُن کی عجیب خاصیتوں اور صفتوں کے جن کو ماسٹر صاحب ہیچ کی طرح خیال کرتے ہیں کوئی صنعت بناکر دکھلا سکے۔ یہ بات تو نہایت درجہ پر ظاہر ہے کہ ایسے پرمیشر کی جس نے نہ روحوں اور نہ اُن کے خواص کو پیدا کیا اور نہ ذرّات اجسام اور اُن کی خاصیتوں کو خلعتِ وجود بخشا صِرف جوڑنے جاڑنے میں کچھ بھی ہتک پھٹکری خرچ نہیں آتی بلکہ خواص پہلے ہی جدا جدا چیزوں میں کچھ پوشیدہ تھے وہ باہم روح اور جسم کے ملنے سے خود بخود نمایاں طور پر نظر آجاتے ہیں کیونکہ اُن میں پہلے ہی سے یہ خاصیت چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ باہم ملنے سے خواہ نخواہ ان کا ظہور ہو جاتا ہے جیسے دنیا کی لاکھوں چیزوں میں یہی خاصہ پایا جاتا ہے کہ اُن کے باہمی امتزاج اور اختلاط سے ایک عجیب قسم کا خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو الگ الگ ہونے کی حالت میں مخفی و محجوب ہوتا ہے۔ سو یہ بات ہرگز نہیں کہ جو شخص اُن دو چیزوں کو باہم ملاتا ہے وہ اپنے گھر سے ایک خاصہ لاکر اُن میں ڈال دیتا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے وہ دونوں چیزیں الگ الگ طور پر وہ خاصہ اپنے اندر رکھتی ہیں جو اُن کے اکٹھے ہو جانے

بقیہ حاشیہ وحدت اُسے محبوب بھی ہے تو اِس قانون قدرت کے ماننے سے ہمیں یہ بھی ماننا پڑا۔ کہ جیسے خدا تعالیٰ نے جمادی سلسلہ میں ایک ذرہ سے لیکر اُس وجود اعظم تک یعنی آفتاب تک نوبت پہنچائی ہے جو ظاہری کمالات کا جامع ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی جسم جمادی نہیں ایسا ہی روحانی آفتاب بھی کوئی ہوگا جس کا وجود خط مستقیم مثالی میں ارتفاع کے اخیر نقطہ پر واقع ہو اب

سے وہ ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً گھی اور شہد اور سہاگہ میں یہ خاصیت ہے کہ ان تینوں کے ملانے سے یہ خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کشتہ زر یا نقرہ وغیرہ کو جو بالکل خاکستر وخاک ہو گیا ہو اُس میں رکھ کر بوتہ میں آگ دی جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے یعنی اپنی اصلی صورت سونا چاندی یا جو کچھ ہو قبول کر لیتا ہے پس یہ خاصیت جو ان تینوں چیزوں کی ترکیب سے کشتہ کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسی خاصیت ہے کہ خواہ ہندؤں کا پربیشر ان تینوں چیزوں کو باہم ملا دے اور خواہ ایک دس برس کا بچہ اُن کو باہم مخلوط کرے دونوں کے ہاتھوں سے یہ خاصیت پیدا ہوگی یہ نہیں کہ ضرور پربیشر کے ہاتھ سے ہی پیدا ہو اور دوسرے کسی شخص کے ہاتھ سے پیدا نہ ہو سکے۔ رُوحوں میں بہت سے خواص اور عجیب طاقتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں جن کو قرآن شریف نے استیفا سے ذکر کیا ہے مثلاً اُن میں چند قوتیں اور استعدادیں یہ ہیں جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

(۱) علوم اور معارف کی طرف شائق ہونے کی ایک قوّت۔

(۲) علوم کو حاصل کرنے کی ایک قوت۔

بقیہ حاشیہ تفتیش اس بات کی کہ وہ انسان کامل جس کو روحانی آفتاب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے یہ ایسا کام نہیں ہے جس کا تصفیہ مجرد عقل سے ہو سکے کیونکہ بجز خدائے تعالیٰ کے یہ امتیاز کس کو حاصل ہے اور کون مجرد عقل سے ایسا کام کر سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کروڑہا اور بے شمار بندوں کو نظر کے سامنے رکھ کر اور اُن کی روحانی طاقتوں اور قوتوں کا موازنہ کر کے سب سے بڑے کو الگ کر کے دکھلا دے بلا شبہ عقلی طور پر کسی کو اس جگہ دم مارنے کی جگہ نہیں ہاں ایسے بلند اور عمیق دریافت کے لئے کتب الہامی ذریعہ ہیں جن میں خود

(۳) علوم حاصل کردہ کے محفوظ رکھنے کی ایک قوّت۔
(۴) محبت الٰہی کی ایک قوّت۔
(۵) لذتِ وصال الٰہی اٹھانے کی ایک قوّت۔
(۶) مکاشفات کی ایک قوّت۔
(۷) مؤثر اور متاثر ہونے کے یا یوں کہو کہ باہم عامل اور معمول ہونے کی ایک قوّت۔
(۸) تعلق اجسام قبول کرنے کی ایک قوّت۔
(۹) تخلق باخلاق اللہ کی ایک قوّت۔
(۱۰) مورد الہام الٰہی ہونے کی ایک قوّت۔
(۱۱) بسطی و قبضی حالت پیدا ہونے کی ایک قوّت۔
(۱۲) معارف غیر متناہیہ کے قبول کرنے کی ایک قوّت۔
(۱۳) رنگین برنگ تجلی الوہیت ہونے کی ایک قوّت۔
(۱۴) عقلی قوّت جس سے امتیاز حُسن و قبح اُن پر ظاہر ہوتا ہے۔
(۱۵) ابقائے اثر و قبول اثر کی ایک قوّت بمقابلہ اپنے اجسام متعلقہ کے۔

بقیہ حاشیہ خدائے تعالیٰ نے پیش از ظہور بلکہ ہزارہا برس پہلے اس انسان کامل کا پتہ و نشان بیان کر دیا ہے پس جس شخص کے دل کو خدائے تعالیٰ اپنی توفیق خاص سے اس طرف ہدایت دے گا کہ وہ الہام اور وحی پر ایمان لا دے اور اُن پیش گوئیوں پر غور کرے کہ بائبل میں درج ہیں تو اُسے ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ انسان کامل جو آفتاب روحانی ہے جس سے نقطہ ارتفاع کا پورا ہوا ہے اور جو دیوار نبوت کی آخری اینٹ ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اب بھی مکرر ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کامل

(۱۶) اقرار بوجود خالق حقیقی کی ایک قوّت۔

(۱۷) اجسام کے ساتھ اور اُن کے اشکال خاصہ کے ساتھ مل کر بعض نئے خواص کے ظاہر کرنے کی قوّت۔

(۱۸) ایک قوّت کشش باہمی جس کو مقناطیسی قوّت کہنا چاہئے۔

(۱۹) ابدی طور پر قائم رہنے کی ایک قوّت۔

(۲۰) جسم مفارق کی خاک سے ایک خاص تعلق رکھنے کی قوّت جو کشفی طور پر اربابِ کشف قبور پر ظاہر ہوتی ہے۔

ایسا ہی اور بھی بہت سی ایسی قوتیں ہیں جن کا مفصل بیان نہایت لطافت اور خوبی سے قرآن شریف میں مندرج ہے اور ہم کو اگر شرطی رسالہ کے لکھنے کا موقع ملا تو ہم اُن سب قوتوں اور روحانی خواص کو بحوالہ آیاتِ بیّنات قرآنی معقول اور مفصّل اور مدلّل طور پر اُسی رسالہ میں جو وید اور قرآن کے موازنہ کی غرض سے ہوگا درج کریں گے اب اس جگہ ہم مکرر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کا یہ بیان کہ یہ سب قوتیں رُوحوں میں بیج کی طرح موجود ہیں اور جب تک جسم کا رُوح کے ساتھ تعلق نہ ہو تب تک

بقیہ حاشیہ: خدائے تعالیٰ کی ذات کا نمونہ ہے۔ خدائے تعالیٰ دوسرا خدا ہرگز نہیں پیدا کرتا کہ یہ بات اُس کی صفت احدیّت کے مخالف ہے ہاں اپنی صفات کاملہ کا نمونہ پیدا کرتا ہے اور جس طرح ایک مصفّا اور وسیع شیشہ میں صاحب رویت کی تمام دکمال شکل منعکس ہو جاتی ہے ایسا ہی انسان کامل کے نمونہ میں الٰہی صفات عکسی طور پر آجاتے ہیں سو خدائے تعالیٰ کا اس طرح پر اپنی مثل قائم کرنا معترض کی تسلی کے لئے کافی ہے۔ اس جگہ واضح رہے کہ اس انتہائی کمال کے وجود باجود کو خدائے تعالیٰ کی کتابوں میں مظہر تام الوہیت قرار دیا گیا ہے اور

ان کا عدم و وجود برابر ہے اس بیان میں ماسٹر صاحب نے بڑا دھوکا کھایا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ روحوں اور جسموں کے ملنے کے بعد روحانی اور جسمانی خاصیتیں وجودِ انسان میں چمکتی ہیں وہ گویا اُن کے پرمیشر کی کاری گری سے ظہور پذیر ہوتے ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور نامعقول ہے جو موٹی سمجھ سے پیدا ہوا ہے بلکہ اصل بات تو وہی ہے جس کو ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ جو مخفی طور پر رُوحوں اور جسموں میں الگ الگ خواص پائے جاتے ہیں وُہی باہم ترکیب اور امتزاج سے نمایاں ہو جاتے ہیں اور حالت تعلق جسم و رُوح تک قایم رہتی ہیں۔ یہ بات فی الحقیقت سچ اور راست راست ہے جس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جو خواص بعد ترکیب اور تعلق ارواح و اجسام ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ سب خواص نہ مجرد اجسام سے کُھلے کُھلے طور پر مترتب ہو سکتے ہیں نہ مجرد ارواح سے بلکہ اُن کا ظہور و بروز کامل طور پر ارواح اور اجسام کے باہمی تعلق پر موقوف ہوتا ہے اور اِسی وجہ سے میں اس رسالہ میں اس سے پہلے تحریر کر آیا ہوں کہ ارواح کو اپنی سعادت تامہ تک پہنچنے کے لئے عالم آخرت میں کوئی ابدی جسم ملنا ضروری ہے تا اُس تعلق جسم کی وجہ سے وہ خواص کامل طور پہ ظاہر ہو جائیں کہ جو مجرد رُوحوں میں بدیں صفائی و کمال ظاہر

بقیہ حاشیہ چونکہ اس مطلب کو کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا موجب افادہ طالبین ہے اس لئے ہم کسی قدر اور تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اول ہم بیان کر چکے ہیں کہ صاحب انتہائی کمال کا جس کا وجود سلسلہ خط خالقیت میں انتہائی نقطہ ارتفاع پر واقعہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اُن کے مقابل پر وہ خبیث وجود جو انتہائی نقطہ انخفاض پہ واقعہ ہے اُسی کو ہم لوگ شیطان سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر شیطان کا وجود مشہود و محسوس نہیں لیکن اس سلسلہ خط خالقیت پر نظر ڈال کر اس قدر تو

ظاہر نہیں ہو سکتی مگر افسوس کہ اس ابدی تعلق جسم و روح کو وید نہیں مانتا اور صرف روح کو جس میں بقول ماسٹر صاحب بجز تعلق جسم کوئی روحی خاصہ نمایاں طور پر جلوہ پذیر نہیں ہو سکتا لذاتِ کاملہ نجات و وصالِ الٰہی کے اُٹھانے کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ حالانکہ ابھی بیچارہ ماسٹر صاحب اقرار کر چکا ہے کہ رُوحانی صفات بجز تعلق موجودہ جسم کے کسی قسم کی کمالیت ظاہر نہیں کر سکتیں اب وید کو کون سمجھا دے اور دیانند کی رُوح تک اس خبر کو کون پہنچا دے تا وہ ماسٹر صاحب سے سبق لے کر اپنے وید بھاش کی غلطیوں کو درست کر دیں۔

مَیں نے پہلے سے اسی رسالہ میں درج کر دیا ہے کہ جو جو صفات خداوند کریم جل شانہٗ نے ارواح میں رکھے ہیں یا جو جو خاصیتیں ذراتِ اجسام میں مودع کی ہیں وہ اگرچہ بجائے خود الگ الگ بھی ثابت و متحقق ہیں مگر اُن کا ظہور بیّن اس وقت ہوتا ہے اور ان کے فوائد اس وقت بطور اتم و اکمل کھلتے ہیں جس وقت جسم اور ارواح کا باہم تعلق ہوتا ہے اس کی مثال بھی اُسی پہلے موقع میں مَیں نے یہ دی تھی کہ جیسے تصویر کو آئینہ میں رکھنے میں تصویر کا رنگ و روپ زیادہ تر نظر آجاتا ہے یہ بات ہرگز نہیں ہے

بقیہ حاشیہ عقلی طور پر ضرور ماننا پڑتا ہے کہ جیسے سلسلہ ارتفاع کے انتہائی نقطہ میں ایک وجود خیر مجسّم ہے جو دنیا میں خیر کی طرف ہادی ہو کر آیا اُسی طرح اس کے تقابل پر ذوالعقول میں انتہائی نقطہ انخفاض میں ایک وجود شر انگیز بھی جو شر کی طرف جاذب ہو ضرور چاہیئے اسی وجہ سے ہر یک انسان کے دل میں باطنی طور پر بھی دونوں وجودوں کا اثر عام طور پر پایا جاتا ہے پاک وجود جو رُوح الحق اور نور بھی کہلاتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اس کا پاک اثر بجذباتِ قدسیہ و توجہات باطنیہ ہر ایک دل کو خیر اور نیکی کی طرف بلاتا ہے جس قدر کوئی اس سے محبّت اور مناسبت

کہ آئینہ تصویر میں کوئی نقش بڑھا کر دکھا دیتا ہے بلکہ نقوش تو وہی ہوتے ہیں جو ہیں ہاں البتہ آئینہ میں وہ سب نقوش صاف طور پر نظر آجاتے ہیں ایسا ہی جو خواص ارواح میں ہیں ان کا آئینہ جسم اور جسمی شکلیں ہیں اور جو خواص ذرات اجسام میں ہیں اُن کا آئینہ ترکیب جسمی اور وہ رُوحیں ہیں جو اُن کے ساتھ تعلق پکڑتی ہیں اور درحقیقت ان چیزوں کا باہم آئینہ کا کام دینا یہ بھی ایک فطرتی خاصہ ہے اور اگر خدا تعالیٰ ارواح اور ذرّات اور اجسام کا خالق نہیں تو اس کو اس خاصہ کے پیدا کرنے میں ذرا دخل نہیں کیونکہ خواص اشیاء کے تو خواہ نخواہ اپنے موقع پر ظہور میں آجاتے ہیں اور درحقیقت یہ خاصہ بھی اُنہیں خواص ارواح و اجسام میں سے ہے جن کو آریہ لوگ غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں۔ لیکن اب ماسٹر صاحب اپنے پرمیشر کی پردہ پوشی کے لئے اُس پر یہ احسان کرنا چاہتے ہیں کہ تا اس خاصہ کی پیدائش اس کی طرف منسوب کی جائے سو یہ کسی طرح منسوب نہیں ہوسکتی پنڈت دیانند صاحب اپنے وید بھاش اور ستیارتھ پرکاش میں صاف اقرار کرچکے ہیں۔ کہ نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی جو ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں وہ پیچھے سے کبھی نہیں ہوسکتا۔ سو اگر یہ خاصہ پہلے الگ الگ دو چیزوں میں مخفی طور پر موجود نہیں تھا تو پھر

بقیہ حاشیہ پیدا کرتا ہے اسی قدر وہ ایمانی قوت پاتا ہے اور نورانیت اس کے دل میں پھیلتی ہے یہاں تک کہ وہ اسی کے رنگ میں آجاتا ہے اور ظلّی طور پر اُن سب کمالات کو پالیتا ہے جو اس کو حاصل ہیں اور جو وجود شر انگیز ہے یعنی وجود شیطانی جس کا مقام ذوالعقول کے قسم میں انتہائی نقطۂ انخفاض میں واقع ہے اس کا اثر ہر یک دل کو جو اس سے کچھ نسبت رکھتا ہے شرک کی طرف کھینچتا ہے جس قدر کوئی اس سے مناسبت پیدا کرتا ہے اسی قدر بے ایمانی اور خباثت کے خیال اس کو سوجھتے ہیں یہاں تک کہ جو مناسبت تام ہوجاتی ہے وہ اسی کے رنگ و روپ میں آکر پورا پورا شیطان ہوجاتا ہے

بعد میں کہاں سے آگیا دُنیا میں صدہا صُورتیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اوّل دو چیزوں میں کوئی خاصیت چھپی ہوئی موجود ہوتی ہے اور پھر اُن دونوں چیزوں کے باہم ملا دینے سے وُہی خاصیت بڑی تیزی اور شوخی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ دو دواؤں کی ترکیب سے ایک نئی مزاج اور خاصہ کی دوا نکل آتی ہے مگر درحقیقت وہ مزاج اور خاصہ کچھ نیا نہیں ہوتا بلکہ اُن دونوں دواؤں میں الگ الگ طور پر مخفی ہوتا ہے ایسا ہی دو رنگوں کے ملانے سے ایک نیا رنگ نکل آتا ہے مگر وہ درحقیقت نیا نہیں ہوتا بلکہ اُن دونوں رنگوں میں اُس حالت علیحدگی میں چھپا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی دو مختلف مزہ کے طعام کو ملا کر تیسرا مزہ جو نیا دکھائی دیتا ہے نکل آتا ہے مگر وہ بھی درحقیقت نیا نہیں ہوتا۔ سو میں کہتا ہوں کہ اگر انہیں اجزاء متفرقہ و خواص متفرقہ کو ملا کر کوئی مشترک خاصہ پیدا کرنا جو حقیقت میں پہلے ہی مخفی تھا پرمیشر ہونے کی نشانی ہے تو پھر آریہ لوگ انگریزوں اور دوسرے یورپ کے صناع لوگوں کو کیوں سجدہ نہیں کرتے اور اُن کو اپنا ایشر کیوں نہیں سمجھتے کیا ان لوگوں کے کام ایسے پرمیشر کے مشابہ نہیں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی طرح خواص متفرقہ اشیاء عالم پر اطلاع پا کر صدہا صنعتیں

بقیہ حاشیہ اور ظلّی طور پر ان سب کمالات خباثت کو حاصل کر لیتا ہے جو اصل شیطان کو حاصل ہیں اسی طرح اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان اپنی اپنی مناسبت کی وجہ سے الگ الگ طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ اور وجود خیر مجسّم جس کا نفسی نقطہ انتہائی درجہ کمال ارتفاع پر واقع ہے یعنی حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس کا مقام معراج خارجی جو منتہائے مقام عروج (یعنی عرش ربّ العالمین ہے) بتلایا گیا ہے یہ درحقیقت اسی انتہائی درجہ کمال ارتفاع کی طرف اشارہ ہے جو اُس وجود باجود کو حاصل ہے گویا جو کچھ اس وجود خیر مجسّم کو عالم قضاء و قدر

نہیں نکالیں بلاشبہ نکالی ہیں اور اب تک ہر یک پیشہ اور کارخانہ کے متعلق ہزار ہا جدید صنعتیں نکالتے جاتے ہیں سو اگر مبدؤں کے پرمیشر کا بھی اتنا ہی کام ہے کہ علم خواص اشیاء حاصل کر کے طرح طرح کی صنعتیں بمنصۂ ظہور لاوے تو پھر ان لوگوں اور ایسے پرمیشر میں صرف کمی بیشی علم کا فرق ہوگا اگر ان لوگوں کو وہ اعلیٰ قسم کا علم معلوم ہو جائے تو یہ بھی ایک طور کے پرمیشر بن جائیں گے۔

قولہ۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ خود بخود ہونے والا کام پرمیشر کے کاموں سے بڑھ کر ہے تو اگر ایسا ہوا تو پرمیشر کی اس میں کون سی ہتک ہوئی۔

اقول۔ سچ ہے آپ کے پرمیشر کی عزّت بڑی پکی ہے کسی قسم کی ہتک سے دُور نہیں ہو سکتی۔ یہ ہمیں آج ہی معلوم ہوا کہ آپ کا پرمیشر اس قسم کی درویشانہ سیرت رکھتا ہے کہ اگرچہ کروڑ ہا چیزیں اُس کے کاموں اور صنعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہوں تب بھی اُس کو اپنی کسر شان کی کچھ پرواہ نہیں یہ خوب پرمیشر ہے اور آپ لوگوں کا وید بھی خوب اور وید ودیا اور اس کا گیان بھی جس پر اتنا ناز تھا خوب ہی نکلا ہزار ہا تھ کنواں کھودا آخر چشمۂ آب کی جگہ ایک مری ہوئی مینڈک نکلی اگر پرمیشر اسی حیثیت اور کرتوت کا مالک ہے تو پھر

بقیہ حاشیہ میں حاصل تھا وہ عالم شان میں مشہود و محسوس طور پر دکھایا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کریم کی شانِ رفیع کے بارہ میں فرماتا ہے ورفع بعضھم درجات[1] پس اس رفع درجات سے وہی انتہائی درجہ کا ارتفاع مراد ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور یہ وجود باجود جو خیر مجسّم ہے مقربین کے تین قسموں سے اعلیٰ و اکمل ہے جو الوہیّت کا مظہر اتم کہلاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قرب الٰہی کی تین قسمیں تین قسم کی تشبیہ پر موقوف ہیں جن کی

[1] البقرۃ : ۲۵۴

کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ خواہ نخواہ اس کے لئے تکلیفیں اُٹھاوے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہتک ایک ایسا لفظ ہے جس کا اثر اس کے دل پر ضرور ہوتا ہے جس کو کچھ شرم و غیرت بھی ہو سو اگر آپ کے پرمیشر میں کچھ شرم اور غیرت ہوتی تو اس سے زیادہ ہتک ہونے کی اور کیا بات تھی کہ جن کاموں کے کرنے پر وہ فخر کرتا ہے اور اپنے پرمیشر ہونے کی انہیں دلیل ٹھہراتا ہے یعنی جوڑنا جاڑنا ان کاموں کی نسبت دوسرے کام جو خود بخود بغیر دست اندازی پرمیشر کے تسلیم کئے گئے ہیں ایسے اعلیٰ درجہ کے نکلے کہ پرمیشر کے کاموں کو اُن سے کچھ بھی نسبت نہیں پس اس صورت میں اگر پرمیشر کی ہتک نہیں ہوتی تو کیا اس سے عزت ہو گئی اور اگر یہ باتیں پرمیشر کی کسر شان کا موجب نہیں ہیں تو کیا اس کی عظمت اور جلال ظاہر ہونے کا باعث ہے سوچنا چاہیئے کہ جس حالت میں تمام عجیب کام اور بے نظیر قدرتیں اور رنگا رنگ کے خواص خود بخود ہوئے تو کیا مجرّد جوڑنے جاڑنے سے ایک بڑا درجہ پرمیشر ہونے کا ایسا ضعیف اور کمزور کو مل سکتا ہے بلکہ اگر غور کرو اور کچھ خداداد عقل کو کام میں لاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جوڑنا جاڑنا درحقیقت ارواح اور اجسام کے پیدا کرنے کی فرع ہے یعنی جوڑنا جاڑنا بھی اسی قادر مُطلق کے ہاتھ سے

بقیہ حاشیہ تفصیل سے مراتب ثلاثہ قرب کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل قسم قُرب کے خادم اور مخدوم کی تشبیہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والذین اٰمنوا اشد حبًّا للّٰہ[1]۔ یعنی مومن جن کو دوسرے لفظوں میں بندہ فرمانبردار کہہ سکتے ہیں سب چیزوں سے زیادہ اپنے مولیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جیسے ایک نوکر با اخلاص و با صفا و باوفا بوجہ مشاہدہ احسانات متواترہ و انعامات متکاثرہ و کمالات ذاتیہ اپنے آقا کی اس قدر محبت و اخلاص و یکرنگی میں ترقی کر جاتا ہے جو بوجہ ذاتی محبت کے جو اُس کے دل میں

[1] البقرۃ : ۱۶۶

انجام پذیر ہوسکتا ہے جو عدم سے وجود بخشنے پر قادر ہو اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ایک ایسے کمزور اور نکمے کے ہاتھ سے جوڑنا جاڑنا ممکن ہے جس نے نہ کسی رُوح کو پیدا کیا اور نہ کسی مادہ کو اور نہ وہ صدہا خواص اور طاقتیں اور استعدادیں جو رُوحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں اُس کی پیدا کردہ ہیں تو پھر مجرد جوڑنا جاڑنا اس کو قابل تعریف بنا نہیں سکتا بلکہ یہ سب تعریفیں رُوحوں اور ذرّات اجسام کی طرف عائد ہوں گی۔ اور اس صورت میں پرمیشر پر لازم و واجب ہوگا کہ رُوحوں اور مادوں کا شکرگذار اور ثناخواں ہو جنہوں نے مفت میں اس کو نیک نامی دلائی۔ گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نانو۔

قولہ۔ پرمیشر کی اُس صورت میں ہتک ہوتی کہ جب اُس سے زیادہ تر کاریگر پیش کیا جاتا۔

اقول۔ لو صاحب اب تو آپ کے پرمیشر کی آپ ہی کے مُنہ سے ہتک ثابت ہوگئی کیونکہ آپ کے خیالی اور وہمی اور فرضی پرمیشر سے اور زیادہ کاریگر نکل آیا جس کے وجود کے

بقیہ حاشیہ پیدا ہوجاتی ہے اپنے آقا سے ہم طبیعت و ہم طریق ہوجاتا ہے اور اس کی مرادات کا ایسا ہی طالب اور خواہاں ہوتا ہے جیسے آقا خود اپنی مرادات کا خواہاں ہے اسی طرح بندہ وفادار کی حالت اپنے مولیٰ کریم کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ بھی اپنے خلوص اور صدق و صفا میں ترقی کرتا کرتا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنے وجود سے بکلی محو و فنا ہوکر اپنے مولیٰ کریم کے رنگ میں مل جاتا ہے۔

آنجا کہ محیطے نمک میریزد ٭ ہر بردہ کہ بود از میان برخیزد ٭ ایں نفس دنی کہ صد ہزارش دہن است
خاموش شود چو عشق شور انگیزد ٭ چوں رنگ خودی رود کسی را از عشق ٭ یارش ز کرم برنگ خویش آمیزد

سو ایسا خادم جو ہم رنگ اور ہم طبیعت مخدوم ہو رہا ہے طبعی طور پر اُن سب

سامنے آپ کے وہمی پرمیشر کا وجود حقیقت میں معدوم اور بے نشان ہے کیونکہ آپ کا پرمیشر تو بوجہ اپنی کمزوری اور ناطاقتی اور نامرادی اور لاچاری کے آریہ دیس میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اور انہیں لوگوں سے اپنے کلام کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور باہر قدم رکھنے سے ڈرتا تھا اور اپنے مُنہ سے قائل تھا کہ میں اپنی ذات سے کچھ نہیں کرسکتا دوسروں کے سہارے سے میرا کام چل رہا ہے سو آریہ لوگ اسی فرضی پرمیشر پر کہ دراصل ایک چور تھا نہ پرمیشر خوش ہو رہے تھے اتنے میں آفتاب صداقت اُن پر چمکا اور اُس سچے کامل خدا کا کلام جس سے آریہ لوگ ناواقف تھے یعنی قرآن شریف آریہ دیس میں جلوہ گر ہوا اور کروڑہا آریوں کو سچائی کی طرف کھینچ لایا سو اس طرح پر اس نے اپنے قادر اور کامل وجود سے ان کو اطلاع دے دی اور اپنی خدائی اُن پر ظاہر کردی اور اپنے قوی ہاتھ سے اپنا قادر مطلق ہونا ثابت کر دیا اور سب رُوحوں اور مادوں کی نسبت بیان کیا کہ یہ سب میرے ہی پیدا کردہ ہیں سو جن چیزوں کی نسبت آریہ لوگ اور اُن کا ناکارہ پرمیشر حیران ہو رہے تھے کہ یہ چیزیں کس نے پیدا کی ہیں پیدا کرنے والے نے اپنا کلام اُن تک پہنچا کر اور اپنے روشن نشان دکھلا کر

بقیہ حاشیہ باتوں سے متنفر ہو جاتا ہے جو اُس کے مخدوم کو بُری معلوم ہوتی ہیں وہ نافرمانی کو اس جہت سے نہیں چھوڑتا کہ اس پر سزا مترتب ہوگی اور تعمیل حکم اس وجہ سے نہیں کرتا کہ اس سے انعام ملے گا اور کوئی قول یا فعل اس کا اپنے اخلاقِ کاملہ کے تقاضا سے صادر نہیں ہوتا بلکہ محض اپنے مخدوم حقیقی کی اطاعت کی وجہ سے جو اُس کی سرشت میں رچ گئی ہے صادر ہوتا ہے اور بے اختیار اسی کی طرف اور اس کی مرضیات کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال کا پھیرنا نخواہ نخواہ واجب نہیں جانتا اور نہ طمانچہ کی جگہ طمانچہ مارنا اس کو لابدًا ضروری معلوم ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے یک رنگ دل سے فتویٰ پوچھتا ہے جو اُس وقت خاص میں

صاف بتلادیا کہ ان کا پیدا کنندہ مَیں ہی ہوں ۔ وہ کون ہے وہ وہی کامل اور قادر خُدا مُنزل الفرقان ہے جس نے اپنے بے مثل الہام اور بے نظیر کام کے ذریعہ سے اپنی خُدائی کو ثابت کردکھایا ہے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی جس کی تعریف میں قرآن شریف میں جو اس کا کلام ہے یہ پاک حمد درج ہے کہ وہ مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مستجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا اور مرجع ہے ہریک چیز کا اور واحد لاشریک ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور معبودیت میں سو سچا اور کامل خُدا یہی خدا ہے جس نے ہزاروں مقدس نبیوں کی رُوحوں میں اس تعلیم کا القا کیا۔ جس کا قول اور فعل دونوں برابر شہادت دے رہے ہیں کہ وہ ہر ایک قسم کی ناطاقتی اور نقصان اور ادھورپن سے پاک ہے غرض جس حالت میں ایک ذات کامل الصفات نے جس کے ماننے والے دنیا میں کروڑہا لوگ پائے جاتے ہیں اور جس کی برکات تعلیم اور آسمانی نشان تمام روئے زمین پر پھیل چکے ہیں اُس نے اپنے پاک اور مقدس صحیفوں میں صاف دعویٰ کردیا ہے کہ مَیں کامل اور قادر خُدا ہوں اور روحوں اور ذرّہ ذرّہ جسم کا مَیں ہی خالق ہوں تو کیا اس صورت میں آپ لوگ

بقیہ حاشیہ اُس کے محبوب حقیقی کی مرضی کیا ہے اور اس بات کے لئے کوئی معقول وجہ تلاش کرتا ہے کہ کس طریق کے اختیار کرنے میں زیادہ ترخیر ہے جو موجب خوشنودی حضرت باری جل شانہٗ ہے آیا عفو میں یا انتقام میں سو جو عمل موجودہ حالت کے لئے قرین الصواب ہو اُسی کو بروئے کار لاتا ہے اسی طرح اس کی بخشش اور عطا بھی سخاوت جبلّی کے تقاضا سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت کامل کی وجہ سے ہوتی ہے اور اُسی اطاعت کے جوش سے وقت موجودہ میں خوب سوچ لیتا ہے کہ کیا اس وقت اس طرز کی سخاوت یا ایسے شخص پر احسان و مروّت مقرون برضاء مولیٰ ہوسکتی ہے اور اگر نامناسب دیکھتا ہے تو ایک حبہ خرچ نہیں کرتا اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے

یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر پیش نہیں کیا گیا۔ جس نے خالق الارواح والاجسام ہونے کا دعویٰ کیا ہو سو اب اے ماسٹر صاحب آنکھ کھول کر دیکھیں کہ وہ زیادہ تر کاریگر پیش تو کیا گیا اور اسی کی طرف تو ہم آپ کو دعوت کر رہے ہیں کہ آؤ فرضی پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر اور اس سے زیادہ تر جاننے والا اپنے کامل نشانوں کے ساتھ جلوہ گر ہؤا ہے اُس زیادہ تر عزت و حکمت و قدرت والے پر ایمان لاؤ جس نے اپنی عام قادریت ظاہر کی ہے جن چیزوں کو آپ لاوارث اور غیر مخلوق سمجھتے تھے اُن کا وارث ظاہر ہو گیا ہے سو ادھورے اور وہمی پرمیشر کو چھوڑ دو اور سچے اور کامل اور پورے پورے قادر کی فرمانبرداری اختیار کرو جس کی سچائی اس کی قدرتوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ آپ لوگوں کا بھلا پرمیشر حقیقت میں پرمیشر نہیں ہے۔ اور جوڑنے جاڑنے کی بھی در اصل اس کو طاقت نہیں ہے بلکہ وہ کچھ بھی نہیں سچا پرمیشر وہی ہے جو تمام دُنیا کا مالک ہے کسی خاص مُلک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہر ایک مُلک کے ڈھونڈنے والے اس کو پاتے ہیں سو آؤ دلی صدق سے اس کی طرف رجوع کرو تا تم بھی اُن برکات سے حصہ یاب ہو جاؤ جن سے صادق لوگ

بقیہ حاشیہ ہرگز نہیں ڈرتا غرض احمقانہ تقلید سے وہ کوئی کام بھی نہیں کرتا بلکہ سچی اور کامل محبت کی وجہ سے اپنے آقا کا مزاجدان ہو جاتا ہے اور یکرنگی اور اتحاد کی روشنی جو اُس کے دل میں ہے وہ ہر ایک تازہ وقت میں تازہ طور پر اُس کو سمجھا دیتی ہے جو اس خاص وقت میں کیونکر اور کس طرز سے کوئی کام کرنا چاہیئے جو مخدوم حقیقی کے منشاء کے مطابق ہو اور چونکہ اس کو اپنے منعم حقیقی سے ایک تعلق ذاتی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اطاعت اور فرمانبرداری اُس کے سر پر کوئی آزار رساں بوجھ نہیں ہوتا بلکہ وہ فرمانبرداری اُس کے ایک امر طبعی کے حکم میں ہو جاتی ہے۔ جو بالطبع مرغوب اور بلا تصنّع و تکلّف اس سے صادر ہوتی

متمتع ہوتے ہیں۔
قولہ - خدائے تعالیٰ جو خود بخود ہونے والی چیز ہے خدا کے اپنے کاموں سے بہت بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک نہیں ہوتی۔
اقول - بجز اس کے کیا کہوں کہ۔ بریں عقل و دانش ہزار آفریں۔ ہماری طرف سے تو اعتراض یہ تھا کہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان اصل پیدائش اشیاء خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ جمیع اشیاء مادی و غیر مادی معہ تمام خواص و عجائبات اپنے کے خود بخود ہیں تو اس میں پرمیشر کی بڑی ہتک عزت ہے یعنی یہ امر اس کی بزرگی اور جلال اور حیثیت خدائی کے کسر شان کرتا ہے کہ جو چیزیں اس کے زیر حکم اور ماتحت ہیں وہ سب اپنے وجود اور اپنے جمیع خواص میں جو اعلیٰ درجہ کے عجائبات قدرت سے بھرے ہوئے ہیں خود بخود ہوں اور جو ادنیٰ درجہ کا کام ہے جو پہلے کام کے سہارے سے چلتا ہے فقط وہی کام پرمیشر کے ہاتھ سے نکلا ہو اس کا جواب ماسٹر صاحب یہ دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ جو خود بخود ہونیوالی چیز ہے

بقیہ حاشیہ رہتی ہے اور جیسے اللہ جل شانہٗ کو اپنی خوبی اور عظمت محبوب بالطبع ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنا اس کے لئے محبوب بالطبع ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مخدوم حقیقی کی ہر ایک عادت و سیرت اس کی نظر میں ایسی پیاری ہو جاتی ہے کہ جیسی خود اُس کو پیاری ہے۔ سو یہ مقام اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جن کے سینے محبت غیر سے بالکل منزّہ و صاف ہو جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کی رضامندی کو ڈھونڈنے کے لئے ہر ایک وقت جان قربان کرنے کو طیار رہتے ہیں۔ سینہ می باید تہی از غیر یار ٭ دل ہمی باید پُر از یاد نگار ٭ جاں ہمی باید براہِ او فدا ٭ سر ہمی باید بہ پائے او نثار ٭ ہیچ دانی چیست دین عاشقاں ٭ گویمت گر بشنوی عشاق وار ٭ از ہمہ عالم فرو بستن نظر ٭ لوحِ دل شستن ز غیر دستدار۔ قرب کے دوسرے قسم دلدادہ والد کی

خدا کے اپنے کاموں سے بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک عزت نہیں ہوتی۔ سو ایسا ہی دوسری خود بخود ہونے والی چیزوں سے اس کی کوئی ہتک عزت نہیں۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جواب کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق ہے۔ یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات اُس کے کاموں سے جو اُس کی مخلوقات ہے بڑھ کر نہ ہوتی تو مخلوق اپنے خالق سے اور مملوک اپنے مالک سے مساوی ہو جاتا تو اس طرح پر ضرور خدائے تعالیٰ کی ہتک عزت ہوتی کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے برابر ہو جانا اور مملوک کا اپنے مالک سے ہم درجہ ہونا صریح موجب ہتک عزت مالک ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے جیسا خدا پیدا نہیں کرتا کہ یہ اس کی عزت ابدی و جلال ازلی اور وحدت قدیم کے برخلاف ہے اب جب کہ یہ ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہتک عزت اس بات میں ہے کہ کوئی مخلوق و مملوک ہو کر اس کی ذات و صفات کے برابر ہو تو ظاہر ہے کہ جو امر اس کا نقیض ہے یعنی یہ کہ مخلوق اپنی ذات و صفات میں اپنے خالق سے کم ہو یہ امر موجب

بقیہ حاشیہ تشبیہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰباءکم او اشدّ ذکرًا۔[1] یعنی اپنے اللہ جلّ شانہٗ کو ایسے لی جوش محبّت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدّت واقع ہو جاتی ہے اور حُبّ جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفّا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اس کی جُز ہے تب جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادر زاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اسکی جز ہو جاتا ہے کہ کسی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے

[1] البقرۃ : ۲۰۱

ہرگز عزّت نہیں ہو سکتا کیونکہ اجتماع نقیضین محال و ممتنع ہے برخلاف اس کے جو چیزیں خُدا تعالیٰ کے ماتحت و زیرِ حکم ہیں اُن کو اُس کے ماتحت قبول کر کے پھر اس کی حدودِ قُدرت سے انہیں باہر رکھ لینا اور با وصف صدہا عجائب و غرائب خواص کے جو اُن چیزوں کے اندر بھرے ہوئے ہیں جو ایک ناکارہ کام جوڑنے جاڑنے سے ہزار ہا مراتب بہتر ہیں پھر بھی اُن چیزوں کو خدائے تعالیٰ کی پیدائش اور ان کے ہاتھ کی صنعت ہونے سے الگ کا الگ رہنے دینا اور پرمیشر کو صرف جوڑنے جاڑنے والا جو اُس کے پہلے کاموں سے قطع تعلق کی حالت میں ادنیٰ سا کام ہے خیال کرنا اگر ایسے خیال پراختلال سے بھی آپ کے پرمیشر کی عزّت دُور نہیں ہوتی تو یہ عزّت بھی عجیب عزّت ہے غرض یہ قیاس آپ کا بالکل قیاس مع الفارق ہے جو خدائے تعالیٰ کی ماتحت چیزوں کا اس کی ذات و صفات پر آپ کر رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس صاف صاف فرق کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہونگے اور دل میں پچھتائیں گے کہ ایسی فضول باتیں منہ سے کیوں نکالیں۔ بالآخر میں آپ کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ آپ

بقیہ حاشیہ ایک روحانی نسبت محسُوس ہوتی ہے ایسا ہی اس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حُلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اس کی رفتار اور کردار اور خُو اور بُو صفائی تام اس میں پائی جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس یہی حال اس میں ہوتا ہے اور اس درجہ اور قرب اوّل کے درجہ میں فرق یہ ہے کہ قرب اوّل کا درجہ جو خادم اور مخدوم سے تشبیہہ رکھتا ہے وُہ بھی اگرچہ اپنے کمال کے رُو سے اس درجہ ثانیہ سے نہایت مشابہ ہے لیکن یہ درجہ اپنی نہایت صفائی کی وجہ سے تعلق مادر زاد کے قائم مقام ہو گیا ہے اور جیسا باعتبار نفس انسانیت کے دو انسان مساوی ہوتے ہیں۔ لیکن بلحاظ شدت و ضعف خواص انسانی کے ظہور آثار میں متفاوت واقع ہوتی ہیں ایسا ہی

اس موقع کے پڑھنے کے وقت اس رسالہ کا وہ حاشیہ بھی پڑھ لیں کہ جو حاشیہ ملحقہ اس متن سے پہلے تحریر پاچکا ہے۔

قولہ - اس کے آگے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر سب رُوحیں غیر مخلوق اور خود بخود ہیں تو پھر خدا کسی رُوح سے بندگی کرانے کا مستحق نہیں رہے گا۔ کیونکہ سب رُوحیں اُسے کہہ سکتی ہیں کہ جب کہ تُو نے ہمیں پیدا ہی نہیں کیا اور نہ ہماری طاقتوں اور قوتوں اور استعدادوں کو تو نے بنایا تو پھر کس استحقاق سے ہم سے اپنی پرستش چاہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے پہلے قباحتوں کے جواب میں ثابت کر دیا ہے کہ بغیر پرمیشر کے جوڑنے جاڑنے کے تمام رُوحیں اور ان کی طاقتیں نہ ہونے کے برابر ہیں پس جس نے جوڑنے جاڑنے سے آرام اور سُکھ میں ترقی کرنے کا سامان بخشا کیا وہ شکرگزاری اور عبادت کے لائق نہیں۔

اقول - افسوس کہ ہرچند اس ادھورے اور نکمّے پرمیشر کی وکالت میں آپ نے جہاں تک

بقیہ حاشیہ ان دونوں درجوں میں تفاوت درمیان ہے غرض اس درجہ میں محبت کمال لطافت تک پہنچ جاتی ہے اور مناسبت اور مشابہت بال بال میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ اگرچہ ایک شخص کمال عشق کی حالت میں اپنے معشوق سے ہمرنگ ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص اپنے باپ سے جس سے وہ نکلا ہے مشابہت رکھتا ہے اس کی مشابہت اور ہی آب و تاب رکھتی ہے۔

تیسرے قسم کا قرب ایک ہی شخص کی صورت اور اس کے عکس سے مشابہت رکھنا ہے یعنی جیسے ایک شخص آئینہ صاف و وسیع میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو تمام شکل اس کی معہ اپنے تمام نقوش کے جو اُس میں موجود ہیں عکسی طور پر اُس آئینہ میں دکھائی دیتی ہے ایسا ہی اس قسم ثالث قرب میں تمام صفات الٰہیہ صاحب قرب کے

بن پڑا اندر باہر بہت کچھ کوشش کی مگر چونکہ اس کا ادھورا پن ایسا نہیں ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ سکے اس لئے بجز بار بار کی خجالت کے اور کچھ اس قیل وقال سے آپ کو حاصل نہیں ہوا۔ بھلا آپ ہی فرمائیں کہ آپ نے پہلی قباحتوں کے جواب میں کیا خاک ثابت کیا ہے۔ جس حالت میں آپ لوگ اپنے ہی منہ سے قائل ہیں کہ تمام رُوحیں خود بخود ہیں اور اُن کے تمام خواص بھی خود بخود۔ ان کی تمام قوتیں بھی خود بخود ایسا ہی پرکرتی بھی خود بخود جسم کا ہر ایک ذرہ بھی خود بخود اور ان کے تمام خواص اور قوتیں خود بخود۔ ان کا ازلی و ابدی ہونا بھی خود بخود۔ پرمیشر ہو یا نہ ہو وہ سب بذات خود قائم بذات خود واجب الوجود غرض سارا جہان اپنے دونوں ٹکڑوں کے ساتھ خود بخود ہے تو ان خواص اور قوتوں اور دائمی بقا میں جو رُوحوں کو خود بخود حاصل ہیں کونسی شکر گزاری کا پرمیشر مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ کیا ان چیزوں میں سے پرمیشر نے بھی اپنے گھر سے کچھ دیا ہے۔ اور اس کی گرہ سے بھی کچھ خرچ آیا ہے۔ رہا یہ بار بار کا رونا جو پرمیشر نے

بقیہ حاشیہ وجود میں بہ تمام تر صفائی منعکس ہو جاتی ہیں۔ اور یہ انعکاس ہر یک قسم کی تشبیہ سے جو پہلے اس سے بیان کیا گیا ہے۔ اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جیسے ایک شخص آئینہ صاف میں اپنا منہ دیکھ کر اُس شکل کو اپنی شکل کے مطابق پاتا ہے وہ مطابقت اور مشابہت اس کی شکل سے نہ کسی غیر کو کسی حیلہ یا تکلف سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کسی فرزند میں ایسی ہو بہو مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ مرتبہ کس کے لئے میسّر ہے اور کون اس کامل درجۂ قُرب سے موسوم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اُسی کو میسّر آتا ہے کہ جو الوہیّت و عبودیت کے دونوں قوسوں کے بیچ میں کامل طور پر ہو کر دونوں قوسوں سے ایسا شدید تعلق پکڑتا ہے کہ گویا ان دونوں کا

روحوں اور جسموں کو باہم جوڑا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا نالائق پرمیشر ہرگز جوڑنے پر بھی قادر نہیں ہو سکتا اگر رُوحوں کی حقیقت کا اُس کو پُورا پُورا علم ہوتا تو وہ بیشک اُن کو بنا سکتا کیونکہ ایک چیز کا پُورا پُورا علم ہونا اس کے بنانے کو مُستلزم ہے اور جب کہ وہ رُوحوں کے بنانے پر قادر نہیں تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اُس کو رُوحوں کے خواص اور باطنی قوتوں اور کیفیتوں کا پُورا پُورا علم بھی نہیں اور جبکہ علم کامل نہیں تو ایسے ادھورے اور ناقص علم سے وہ جوڑنے جاڑنے پر کیونکر قادر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ثبوت ہے تو پیش کرنا چاہیئے اور اگر بفرضِ محال یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ایسا ادھورا اور نکما پرمیشر ارواح اور اجسام کو جوڑ سکتا ہے تو البتہ ایک ناقص جیسی شکرگزاری کے لائق ٹھہریگا جس کا عدم وجود برابر ہے۔ مگر یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ ارواح جو بکلی آزاد اور غیر مخلوق اور قدیم ہونے میں اس کے ہمسر اور انادی ہونے میں اس کے ہم پہلو اور واجب الوجود ہونے میں اُس کے ہم رتبہ ہیں اس کو اپنا رب سمجھ لیں اور جو اپنے رب اور پیدا کنندہ کی پرستش اور عبادت کرنی چاہیئے اُس عالی شان عبادت کا اس کو مستحق ٹھہراویں سو یہی مطلب تھا جس کو ہم نے اعتراض میں لکھا اور آپ نے نہ اس کو غور کر کے سمجھا اور نہ اس کا کچھ جواب دیا۔

قولہ۔ سوائے اسکے خداوند کریم نہایت دیالو کرپالو ہے اس کی یہ ہدایت کہ پرستش کرنی چاہیئے انسان کی بہتری کے لئے ہے نہ کہ خود خدا کی اُس میں کوئی عزت بڑھتی ہے۔

بقیہ حاشیہ عین ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو بکلی درمیان سے اُٹھا کر آئینہ صاف کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ آئینہ ذوجہتین ہونے کی وجہ سے ایک جہت سے صورت الٰہیہ بطور ظلی حاصل کر لیتا ہے اور دوسری جہت سے وہ تمام فیض حسب استعداد وطبائع مختلفہ اپنے مقابلین کو پہنچاتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ اسنے

اقول - مَیں کہتا ہوں کہ گو بندگی و عبادت کرنے سے انسان کی اپنی ہی بہتری مقصود ہے۔ مگر پھر بھی خداتعالیٰ کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے اور جوش مارتی ہے کہ لوگ اُس کی سیدھی راہ پر قدم مار کر اور ناکردنی کاموں سے بچ کر اور اس کی پرستش و اطاعت میں محو ہوکر اپنی سعادت مطلوبہ کو پالیں اور اگر اس راہ پر چلنا نہ چاہیں تو پھر نہ اپنے لئے بلکہ انہیں کے لئے اس کا غضب بھڑکتا ہے اور طرح طرح کی تنبیہوں میں انہیں مُبتلا کرتا ہے اور جو لوگ پھر بھی نہ سمجھیں وہ بُعد اور حرماں کی آگ میں جلتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ کوئی شخص اس کو یہ کہہ سکے کہ تجھے میرے نفع یا نقصان کی کیا فکر پڑی ہے۔ اور کیوں بار بار ہم کو نصیحتیں کرتا ہے اور الہامی کتابیں بھیجتا ہے اور سزائیں دیتا ہے اگر ہم عبادت کریں گے تو اپنے لئے اور اگر نہیں کریں گے تو آپ نقصان اُٹھائیں گے۔ تجھے کیوں ناحق کا جوش و خروش ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کہے بھی بلکہ اگر سبؔ دنیا اور تمام آدم زاد متفق ہوکر اُس کی خدمت میں یہ گذارش کریں کہ ہم کو آپ اپنی نصیحتوں اور حکموں اور الہامی کتابوں سے معاف رکھیں ہم آپ کا بہشت یا یُوں کہو کہ مکتی خانہ لینا نہیں چاہتے ہم اسی دُنیا میں گذارہ کرلیں گے آپ مہربانی فرماکر اسی جگہ ہمیشہ کے لئے ہمیں رہنے دیں۔ آخرت کی ہم بڑی بڑی نعمتوں سے باز آئے آپ ہمارے اعمال میں ذرا دخل نہ دیا کریں اور جزا و سزا وغیرہ تجویزیں جو ہمارے واسطے آپ کرتے رہتے ہیں۔ ان سب سے آپ دست بردار رہیں

بقیہ حاشیہ فرمایا ہے ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی[1]۔ پھر نزدیک ہوا (یعنی اللہ تعالیٰ سے) پھر نیچے کی طرف اُترا (یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا) پس اسی جہت سے کہ وہ اُوپر کی طرف صعود کرکے انتہائی درجہ قرب تام کو پہنچا اور اس میں اور حق میں کوئی حجاب نہ رہا اور پھر نیچے کی طرف اُس نے نزول کیا اور اس میں اور خلق میں کوئی حجاب نہ رہا۔ یعنی چونکہ

[1] النجم: ۹-۱۰

ہمارے نفع یا نقصان سے آپ کچھ تعلق نہ رکھیں تو یہ عرض ان کی ہرگز قبول نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کے قبول کرانے کے لئے تمام عمر روتے پیٹتے رہیں پس اس سے صاف ثابت ہے کہ صرف یہی بات نہیں کہ بندہ اپنی حالت میں آزاد ہے اور اپنے لئے بندگی کرتا ہے اور پرمیشر کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ جلال اور عظمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ شرطِ بندگی بجا لاوے اور نیک راہوں کو اختیار کرے اور اس کی الوہیت بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ اس کے آگے عبودیت کے آثار ظاہر ہوں اور اس کی کاملیت ذاتی جوش سے یہ چاہتی ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں ہے اس کے آگے تذلل کرے یہی وجہ ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں اور اُن سب کو جو شرارتوں پر ضد کرتے ہیں انجام کار اس کا عذاب پکڑتا ہے ورنہ اس بات پر کوئی وجہ قابلِ اطمینان پیدا نہیں ہوتی کہ بغیر پائے جانے کے کسی ذاتی قوت کے جو سزا جزا دینے کے لئے اس کی ذات بابرکات ازل سے رکھتی ہو کیوں خواہ نخواہ وہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ نیکی کرنے والوں کو نیک پاداش اور بدی کرنے والوں کو بد پاداش پہنچاوے بلکہ اگر کوئی قوت ذاتی جو جزا سزا دینے کے لئے محرک ہو اس میں نہ پائی جاوے تو یہ چاہیئے تھا کہ خاموشی اختیار رکھتا اور جزا سزا کی چھیڑ چھاڑ سے بکلّی دست کش رہتا سو اگرچہ یہ بات تو صحیح ہے کہ انسان کے اعمال کا

بقیہ حاشیہ وہ اپنے صعود اور نزول میں اتم و اکمل ہوا اور کمالاتِ انتہائیہ تک پہنچ گیا اس لئے دو قوسوں کے بیچ میں یعنی وتر کی جگہ میں جو قطر دائرہ ہے اتم و اکمل طور پر اس کا مقام ہوا بلکہ وہ قوس الوہیت اور قوس عبودیت کی طرف اس سے بھی زیادہ تر جو خیال و گمان و قیاس میں نہیں آسکتا نزدیک ہوا مثلاً صورت ان دو قوسوں کی یہ ہے

اس شکل میں جو خط مرکز دائرہ کو قطع کرتا ہے یعنی جو قطر دائرہ ہے وہی قاب قوسین یعنی دونوں قوسوں کا وتر ہے۔

نفع نقصان اُسی کی طرف عاید ہوتا ہے خدائے تعالیٰ کی عظمت و سلطنت نہ اس سے کچھ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے مگر یہ بات بھی نہایت صحیح اور محکم صداقت ہے کہ ربوبیت کا تقاضا بندوں کو ان کی حیثیت بندگی پر قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو شخص ذرا تکبّر سے سراُونچا کرے تو اُس کا سر فی الفور کچلا جاتا ہے غرض خدائے تعالیٰ کی ذات میں اپنی عظمت اپنی خدائی اپنی کبریائی اپنا جلال اپنی بادشاہی ظاہر کرنے کا ایک تقاضا پایا جاتا ہے اور سزا و جزا اور مطالبہ اطاعت وعبودیت و پرستش اسی تقاضا کی فرع پڑا ہوا ہے اسی اظہار ربوبیت اور خدائی کی غرض سے یہ انواع اقسام کا عالم اس نے پیدا کر رکھا ہے ورنہ اگر اس کی ذات میں یہ جوش اظہار نہ پایا جاتا تو پھر وہ کیوں پیدا کرنے کی طرف ناحق متوجہ ہوتا اور کس نے اس کے سر پر بوجھ ڈالا تھا کہ ضرور یہ عالم پیدا کرے اور ارواح کو اجسام کے ساتھ تعلق دے کر اس مسافر خانہ کو جو دُنیا کے نام سے موسوم ہے اپنی عجائب قدرتوں کی جگہ بنا دے آخر اُس میں کوئی قوت اقتضائے تھی جو اس بنا ڈالنے کی محرک ہوئی۔ اسی کی طرف اس کے پاک کلام میں جو قرآن شریف ہے اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے کُل عالم کو اس غرض سے پیدا کیا کہ تا وہ اپنی خالقیت کی صفت سے شناخت کیا جائے اور پھر پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر رحم اور کرم کی بارشیں کیں تا وہ رحیمی اور کریمی کی صفت سے شناخت کیا جائے ایسا ہی اُس نے سزا اور جزا دی تا اُس کا

بقیہ حاشیہ جاننا چاہیئے کہ دونوں قسم وجود واجب اور ممکن کے ایک ایسے دائرہ کی طرح ہیں کہ جو خط گذرندہ بر مرکز سے دو قوسوں پر منقسم ہو۔ وہی خط جو قطر دائرہ ہے جس کو قرآن شریف میں قاب قوسین سے تعبیر کیا ہے اور عام بول چال علم ہندسہ میں اس کو وتر قوسین کہتے ہیں وہ ذات مفیض اور مستفیض میں بطور برزخ واقع ہے کہ جو اپنے اخص کمال میں جو انتہائی درجہ کمالات کا ہے نقطہ مرکز دائرہ سے

منتقم اور منعم ہونا شناخت کیا جائے اسی طرح وہ مرنے کے بعد بھی اُٹھائے گا تا اُس کا قادر ہونا شناخت کیا جائے غرض وہ اپنے سب عجیب کاموں سے یہی مدعا رکھتا ہے کہ تا وہ پہچانا جائے اور شناخت کیا جائے سو جب کہ دُنیا کے پیدا کرنے اور جزا سزا وغیرہ سے اصلی غرض معرفت الٰہی ہے جو لُبّ لباب پرستش و عبادت ہے تو اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ خود تقاضا فرماتا ہے کہ تا اس کی معرفت جس کی حقیقت کاملہ پرستش و عبادت کے ذریعے کھلتی ہے اُس کے بندوں سے حاصل ہوجائے جیسا کہ ایک خوبصورت اپنے کمال خوبصورتی کی وجہ سے اپنے حُسن کو ظاہر کرنا چاہتا ہے سو خدائے تعالیٰ جس پر حُسن حقیقی کے کمالات ختم ہیں وہ بھی اپنے ذاتی جوش سے چاہتا ہے کہ وہ کمالات لوگوں پر کھل جائیں پس اس تحقیق سے ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی عبادت جو مدار و ذریعہ شناخت ہے ضرور اپنے بندوں سے چاہتا ہے اور جو شخص اس کی اس خواہش کا مقابلہ کرے اور اس کی پرستش سے منکر اور منحرف ہو تو ایسے شخص کو نابود کرنے کے لئے اس کی کبریائی متوجہ ہوتی ہے اگر تم صفحۂ دنیا پر غور کر کے دیکھو اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اب تک سرکشوں اور بے ایمانوں سے کیا ہے اور جو کچھ وہ قدیم سے جفاکاروں اور ستمکاروں سے کرتا چلا آیا ہے اُس پر عمیق نگاہ سے نظر ڈالو تو تم پر نہایت صفائی سے کُھل جائے گا کہ بلاشبہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ بالضرور خدائے تعالیٰ اپنے ذاتی تقاضا سے نیکی سے دوستی اور بدی سے نفرت اور

بقیہ حاشیہ جو وتر قوس کا درمیانی نقطہ ہے مشابہت رکھتا ہے یہی نقطہ تمام کمالات انسان کامل کا دل ہے جو قوس الوہیت و عبودیت کی طرف بخطوط مساویہ نسبت رکھتا ہے اور یہی نقطہ ارفع نقاط اُن خطوط عمودیہ کا ہے جو محیط سے قطر دائرہ تک کھینچے جائیں۔ اگرچہ وتر قوسین اور بہت سے ایسے نقاط تالیف یافتہ ہیں جو درحقیقت کمالات روحانیہ صاحب وتر کے صور محسوسہ ہیں لیکن بجز ایک

عداوت رکھتا ہے اور یہی چاہتا ہے کہ لوگ بدی کو چھوڑ دیں اور نیکی کو اختیار کریں گو نیکی اور بدی کو جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ اس کے کارخانہ سلطنت میں کوئی مفید یا مضر دخل نہیں ہے لیکن ذاتی تقاضا اس کا یہی ہے اب ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ نے رُوحوں کو پیدا نہیں کیا تو وہ کسی رُوح سے اس مطالبہ کرنے کا مستحق نہیں ہے کہ وہ کمال درجہ کی پرستش جو اپنے پیدا کنندہ کے لئے چاہیے کیوں اُس سے صادر نہیں ہوتی۔

قولہ۔ اب رہی یہ بات کہ خداوند تعالیٰ اگر بنانے والا نہیں تو محیط بھی نہیں ہو سکتا یہ تو وہ شاید کہتا جو خدا کا بھی بنانے والا ہوتا کیونکہ خدا کی سب صفات اور طاقتیں اس سبب سے نہیں کہ وہ رُوحوں کے بنانے والا ہے بلکہ حقیقت میں وہ سب صفات اُس میں موجود ہیں۔

اقول۔ آج ہمیں ماسٹر صاحب کے کمالات علمی پر نظر ڈالنے سے بڑا ہی سرور حاصل ہوا ہمیں تعجب ہے کہ آریہ لوگ صاحب موصوف کو دیانند کا کیوں قائم مقام نہیں بناتے۔ ماسٹر صاحب کی نظر میں جو شخص یہ بات کہے کہ خدا تعالیٰ کا ہریک چیز پر محیط ہونا اُس کے خالق ہونے کو مستلزم ہے وہ اِس قول سے خدا کے بنانے والا بن جاتا ہے۔ اب

بقیہ حاشیہ نقطہ مرکز ہے اور جس قدر نقاط دتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء و رُسل و ارباب صدق و صفا بھی شریک ہیں اور نقطہ مرکز اُس کمال کی صورت ہے کہ جو صاحب وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ و ارفع و اخص و ممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہاں اتباع و پیروی سے ظلّی طور پر شریک ہو سکتا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ در اصل اسی نقطہ وسطی کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائق عالم کا

ماسٹر صاحب کے اس قول کو اسی جگہ بطور امانت رکھ کر اصل مطلب پر نظر ثانی کرنی چاہیئے کہ یہ بات نہایت بدیہی اور ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی چیز پر محیط ہے تو اس کا علم بھی اُس پر محیط ہوگا اور اس کی قدرتِ کاملہ بھی اس پر محیط ہوگی کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات اس کی صفات سے الگ نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ وہ محیط ہونے کے وقت اپنی صفات کو کسی طاق پر جُدا رکھ آتا ہے۔ اب جبکہ قدرتِ کاملہ اور علم کامل خدا تعالیٰ کا ہر یک چیز پر محیط ہوا تو یہی حقیقت خالقیت ہے کیونکہ ہم کئی مقام میں پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ علم کامل کو بشرط قدرت عمل مستلزم ہے اگر انسان کسی چیز کی نسبت علم کامل رکھتا ہو اور با ایں ہمہ ایسے اسباب بھی اسے میسّر ہوں جن سے اس کو قدرت و طاقتِ عمل پیدا ہو جائے تو اُس چیز کو وہ بنا سکتا ہے بلکہ ہزار ہا صنعتیں جو انسان بنا رہا ہے اور ابتدائی پیدائش سے بناتا چلا آیا ہے ان کے بنائے جانے کی ضروری شرطیں یہ دو ہی ہیں اور اگر کسی چیز کا علم کامل ہو اور پھر اُس پر تصرف کرنے کی قدرت کامل بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ چیز بنانے سے رہ جائے پس جب کہ انسان کا یہ حال ہے تو پرمیشر پر وہ نامعلوم پتھر کون سے پڑ گئے کہ ایک طرف تو اس کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر یک چیز کے بارے میں اس کا علم کامل ہے اور وہ اپنے علم کامل اور قدرت کامل کے ساتھ ہر یک چیز اور ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے اور ایک طرف اس کو خالق اور پیدا کنندہ ہونے سے صاف جواب دیا جاتا ہے

بقیہ حاشیہ منبع و اصل ہے اور درحقیقت اُسی ایک نقطہ سے خط وتر انبساط و امتداد پذیر ہوا ہے اور اسی نقطہ کی رُوحانیت تمام خط وتر میں ایک ہویّت ساریہ ہے جس کا فیض اقدس اس سارے خط کو تعیّن بخش ہو گیا ہے۔ عالم حس کو متصوفین اسماء اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا اوّل داعلیٰ مظہر جس سے وہ علیٰ وجہ التفصیل صدور پذیر ہوا ہے یہی نقطہ درمیانی ہے جس کو اصطلاحات

جب کہ یہ بات بدیہی ثبوت ہے کہ خالق ہونا محیط ہونے کی فرع ہے تو پھر اصل صفت کو جو محیط ہونا ہے ذات باری جل شانہٗ میں تسلیم کرکے اس کی فرع کے ماننے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بات اَجلٰی بدیہات ہے کہ اصل کے ثبوت کو فرع کا ثبوت لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص طلوع آفتاب کا اقرار کرکے پھر رات ہونے پر ضد کر رہا ہے وہ اپنی بات کو اپنے ہی قول سے ردّ کرتا ہے اسی طرح جب تم نے اپنے مُنہ سے مان لیا کہ خدائے تعالےٰ اپنی ذات اور علم کامل اور قدرتِ کامل سے ذرّہ ذرّہ عالم پر ایسا محیط ہے کہ ہریک چیز اُس کے احاطہ تام میں معہ اپنی تمام کُنہ اور کیفیّت کے مُستغرق ہے تو تمہیں اس کی یہ فرع بھی ماننی پڑے گی کہ وہ اُن چیزوں کا خالق بھی ہے کیونکہ علمِ تام کو عمل جو اُس کی فرع ہے لازم پڑا ہوا ہے اور جس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے پہلے اوّل اس چیز کا عِلم ضروری ہے کہ وہ چیز اس طور اور اس طریق سے بنانی چاہیئے اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی عمل پر قادر ہونے کے لئے یہی ایک طریق ہے کہ اُس عمل کے متعلق علم تام حاصل ہو جائے۔ سو اگر خدائے تعالےٰ اعیانِ موجودات کی حقیقت سے جیسا کہ چاہیئے واقف ہے تو بے شک وہ اُن کے بنانے پر بھی قادر ہے وجہ یہ کہ علمِ تام اسی عِلم کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وجود اشیاء کی اصل حقیقت کما حقہٗ منکشف ہو جائے اور کوئی جُز وجود کی غیر مکشوف نہ رہے۔ انسان کا علم ناقص ہے وہ اسی وجہ سے ناقص ہے

بقیہ حاشیہ اہل اللہ میں نفسی نقطہ احمد مجتبیٰ و محمد مصطفٰے نام رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی اصطلاحات میں عقل اوّل کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس نقطہ کو دوسرے ذری نقاط کی طرف وہی نسبت ہے جو اسمِ اعظم کو دوسرے اسماء الٰہیہ کی طرف نسبت واقعہ ہے۔ غرض سرچشمہ رموزِ غیبی و مفتاح کنوزِ لاریبی اور انسان کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے اور تمام اسرار مبدء و معاد کی علّت غائی اور ہریک زیر و

کہ کُنہ اشیاء تک نہیں پہنچتا بلکہ وہ کچھ تھوڑا ہی چل کر پھر آگے چلنے سے رہ جاتا ہے مثلاً انسان ایک حجری مومیائی کو دیکھکر اس قدر تو کہہ سکتا ہے کہ یہ مومیائی بخارات لطیفہ پتھر میں سے نکلی ہے اور پھر پتھر پر غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر بالو یعنی ریت کی دانہ دار اجزا سے وجود پذیر ہوا ہے اور پھر بالو کی نسبت رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ وہ خاک کے بعض تغیرات سے پیدا ہوتی ہے لیکن اگر اس کے بعد یہ آخری سوال کیا جائے کہ خاک کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس کے کُنہ دریافت کرنے کی کیا فلاسفی ہے تو اِس سوال کے حل کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور اپنے جہل اور عجز کا اقرار کرتا ہے ایسا ہی ہر یک چیز کے انتہائی سوال پر اس کو اپنی نادانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم لکھتے ہیں کہ اگر پرمیشر کا بھی یہی حال ہے کہ اُس کا علم بھی انسان کے علم کی طرح کسی حد پر آکر ٹھہر جاتا ہے تو اس حدِ مقررہ پر آکر اس کو اپنے جہل و نادانی و ناتوانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے تو بس پھر ہندوؤں کے پرمیشر کی ساری کیفیت معلوم ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ہندوؤں کا فرضی پرمیشر علاوہ اور نقصانوں کے جاہل اور عاجز بھی ہے۔ لیکن اگر اس کا علم غیر محدود اور غیر منقطع ہے اور اُس درجہ کاملہ کُنہ اشیاء تک پہنچا ہوا ہے جس درجہ پر کسی علم کا پہنچنا عال ہونیکو

بقیہ حاشیہ

بالا کی پیدائش کی لمیت یہی ہے جس کے تصور بالکنہ و تصور رکھنے سے تمام عقول و افہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر یک حیات خدائے تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر یک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر یک تعیّن اس کے تعیّن سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نقطہ محمدیہ جمیع مراتب اکوان اور خطائر امکان میں باذنہ تعالیٰ بحسب استعدادات مختلفہ و طبائع متفاوتہ مؤثر ہے اور چونکہ یہ نقطہ جمیع مراتب الٰہیّہ کا ظِلّی طور پر اور جمیع مراتب کونیہ کا منبع و اصلی طور پر جامع بلکہ انہیں دونوں کا مجموعہ ہے اسلئے یہ ہر یک مرتبہ کونیہ پر جو عقول و نفوس کلیہ و جزئیہ و مراتب طبعیہ

مُستلزم ہے تو خالقیت اُس کی خود ثابت ہے۔
پھر بعد اس کے ماسٹر صاحب اپنی ایک اور دانائی دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کہ پرمیشر نے دُنیا کا کُل جوڑنا جاڑنا کیا تو کیا وہ محیط نہ ہوا۔ اے ناظرین کیا تم اب بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ماسٹر صاحب کس قدر عالم و فاضل ہیں۔ اے صاحب اگر آپ کا پرمیشر معہ اپنے علم تام و قدرت کاملہ کے جس سے وہ کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتا۔ دُنیا کی چیزوں پر احاطہ تام رکھتا اور ان کی کُنہ تک اس کا علم پہنچا ہوا ہوتا اور اُن کے خواص کی کیفیت اور ان کی قوتوں کی اصل ماہیت انتہائی درجہ پر اس کو معلوم ہوتی تو اُس کی قدرت پر یہ پتھر کیوں پڑتے کہ صرف جوڑنے جاڑنے تک محدود رہتی۔ کیا انتہائی درجہ کا علم انتہائی درجہ کے عمل کو نہیں چاہتا؟ کیا دُنیا میں کبھی کسی نے دیکھا یا سُنا کہ جس درجہ پر علم ہو عمل اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اب واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کے اقوالِ فاسدہ کا خاتمہ بد اسی قول پر ہو گیا ہے جس کو ابھی ہم رد کر چکے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ما نصرنا واخزیٰ اعداءنا و ظہر الحق وھم کارھون۔

مختصر تقریر بطور خلاصہ مُباحثہ

ناظرین اس رسالہ کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ ماسٹر مرلیدھر صاحب کا اعتراض شق القمر

بقیہ حاشیہ الیٰ آخر تنزّلات وجود سے مُراد ہے اجمالی طور پر احاطہ رکھتا ہے۔ ایسا ہی ظِلّ الوہیت ہونے کی وجہ سے مرتبہ الٰہیہ سے اِس کو ایسی مشابہت ہے جیسے آئینہ کے عکس کو اپنے اصل سے ہوتی ہے اور امہاتِ صفاتِ الٰہیہ یعنی حیوٰۃ علم ارادہ قدرت سمع بصر کلام مع اپنے جمیع فروع کے اتم و اکمل طور پر اس میں انعکاس پذیر ہیں۔ اس نقطہ مرکز کو جو برزخ بین اللہ و بین الخلق ہے یعنی نفسی نقطہ حضرت سیدنا محمد مُصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو مجرد کلمۃ اللہ کے مفہوم تک محدود نہیں

پر کس قدر فضول اور دور از حق ہے کیونکہ اوّل تو یہ اعتراض اگر فرضی طور پر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ اس آیت قرآنی کے دوسرے طور پر معنے ہیں تو ایسا قرار دینے سے کوئی بد اثر اسلام پر نہیں پہنچ سکتا اگر کچھ اثر ہوگا تو صرف یہی کہ ہزارہا معجزات میں سے ایک معجزہ بہ پایۂ ثبوت نہ پہنچ سکا لیکن جس حالت میں صدہا شواہد قاطعہ حقیّت اسلام پر موجود ہیں اور خود قرآن شریف اپنی ذات میں مجموعہ براہین و دلائل ہے تو پھر اگر عدم ثبوت شق القمر فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے حرج یا نقصان کیا ہوا۔ کیا اُن قرآنی معجزات کا کوئی کتاب جو الہامی کہلاتی ہے مقابلہ کر سکتی ہے جن سے ذاتی اعجاز قرآن شریف کا ثابت ہوتا ہے اور اس کے رُوحانی خواص بپایۂ ثبوت پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف توحید کے کامل اور پُر زور بیان میں۔ اپنے اصول کو معقول اور مدلّل طور پر ثابت کرنے میں۔ اخلاق فاضلہ کے تمام جزئیات کے لکھنے میں۔ اخلاق ذمیمہ کے معالجات لطیفہ میں۔ وصول الی اللہ کے تمام طریقوں کی توضیح میں۔ نجات کی سچی فلاسفی ظاہر کرنے میں۔ صفات کاملہ الٰہیہ کے اکمل و اتم ذکر میں۔ مبدء و معاد کے پُر حکمت بیان میں رُوح کی خاصیتوں اور قوتوں اور طاقتوں اور استعدادوں کے بیان میں حکمت بالغہ الٰہیہ کے تمام وسائل پر احاطہ کرنے میں۔ تمام اقسام

بقیہ حاشیہ کر سکتے جیسا کہ مسیح کو اس نام سے محدود کیا گیا ہے کیونکہ یہ نقطہ محمدیہ ظلّی طور پر مستجمع جمیع مراتب الوہیت ہے اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں حضرت مسیح کو ابن سے تشبیہ دی گئی ہے بباعث اُس نقصان کے جو اُن میں باقی رہ گیا ہے کیونکہ حقیقت عیسویہ مظہر اتم صفات الوہیّت نہیں ہے بلکہ اس کی شاخوں سے ایک شاخ ہے برخلاف حقیقت محمدیہ کے کہ وہ جمیع صفات الٰہیہ کا اتم اکمل مظہر ہے جس کا ثبوت عقلی و نقلی طور پر کمال درجہ پر پہنچ گیا ہے سو اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں ظلّی طور پر خدائے قادر و ذوالجلال سے آنحضرتؐ کو آسمانی کتابوں میں تشبیہ دی گئی ہے جو

کی صداقتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تمام مذاہب باطلہ کو عقلی طور پر رد کرنے میں بحقوق عباد اللہ
کے قائم کرنے میں تاثیرات و تنویرات روحانیہ میں اور پھر با ایں ہمہ فصیح اور بلیغ اور رنگین
عبارت میں اس کمال کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ ہر یک حصہ اس کے بیان کا ان بیانات
میں سے درحقیقت معجزہ عظیمہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی آریہ کر سکتا ہے نہ کوئی عیسائی
اور نہ کوئی یہودی اور نہ کوئی اور شخص جو کسی مذہب کا پابند ہے۔ اس جگہ بید سراسر
بے ثمر ہے اور توریت و انجیل سراسر بے اثر۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں
کیا جو قرآن شریف نے کیا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ
الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا[1] یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر سب جن و انس اس بات پر متفق ہو جائیں کہ
قرآن کی کوئی نظیر پیش کرنی چاہیئے تو ممکن نہیں کہ کر سکیں اگرچہ بعض بعضوں

بقیہ حاشیہ ان کے لئے بجائے آپ ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا اضافی طور پر
ناقص ہونا اور قرآنی تعلیم کا سب الہامی تعلیموں سے اکمل و اتم ہونا وہ بھی درحقیقت
اسی بناء پر ہے کیونکہ ناقص پر ناقص فیضان ہوتا ہے اور اکمل پر اکمل۔

اور جو تشبیہات قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ظلی طور پر خداوند
قادر مطلق سے دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہی آیت ہے۔ جو اللہ تعالےٰ فرماتا
ہے ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی[2]۔ یعنی وہ (حضرت
سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ترقیات کاملہ قرب کی وجہ سے دو قوسوں میں
بطور وتر کے واقع ہے بلکہ اس سے نزدیک تر۔ اب ظاہر ہے کہ وتر کی طرف اعلیٰ
میں قوس الوہیت ہے سو جب کہ نفس پاک محمدی اپنے شدت قرب اور نہایت درجہ کی
صفائی کی وجہ سے وتر کی حد سے آگے بڑھا اور دریائے الوہیت سے نزدیک تر ہوا تو اس

[1] بنی اسرائیل: ۸۹ [2] النجم: ۹-۱۰

کی مدد بھی کریں۔ اور جو کچھ قرآن شریف کے ذاتی معجزات اس جگہ ہم نے تحریر کئے ہیں، اگر کسی آریہ وغیرہ کو اپنے دل میں کچھ گھمنڈ یا سر میں کچھ غرور ہو اور خیال ہو کہ یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ وید یا اُس کی کوئی اور کتاب جس کو وہ الہامی سمجھتا ہے اُس کا مقابلہ کر سکتی ہے تو اُسے اختیار ہے کہ آزما کر دیکھ لے۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی مخالف ممتاز اور ذی علم لوگوں میں سے ان معجزات قرآنیہ میں سے کسی معجزہ کا انکاری ہو اور اپنی کتاب الہامی میں زور مقابلہ خیال کرتا ہو تو ہم حسب فرمائش اُس کے کوئی قسم اقسام معجزات ذاتیہ قرآن شریف میں سے تحریر کر کے کوئی مستقل رسالہ شائع کر دینگے پھر اگر اس کی الہامی کتاب قرآن شریف کا مقابلہ کر سکے تو اُسے حق پہنچتا ہے کہ تمام معجزات قرآنی سے منکر ہو جائے اور جو شرط قرار دی جائے ہم سے پوری کر لے ورنہ صرف عناد اور کور باطنی

بقیہ حاشیہ ناپیدا کنار دریا میں جا پڑا اور الوہیت کے بحر اعظم میں ذرہ بشریت گم ہو گیا۔ اور یہ بڑھنا مستحدث اور جدید طور پر نہیں بلکہ وہ ازل سے بڑھا ہوا تھا اور ظلّی اور استعارہ طور پر اس بات کے لائق تھا کہ آسمانی صحیفے اور الہامی تحریریں اس کو مظہر اتم الوہیت قرار دیں اور آئینہ حق نما اس کو ٹھہرا دیں پھر دوسری آیت قرآن شریف کی جس میں بیہا تشبیہ نہایت اصفٰی و اعلٰی طور پر دی گئی ہے یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ[1] یعنی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ واضح ہو کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا کرتے تھے اور مردوں کے لئے یہی طریق بیعت کا ہے سو اس جگہ اللہ تعالےٰ نے بطریق مجاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو اپنی ذات اقدس ہی قرار دے دیا

[1] الفتح : ۱۱

کی وجہ سے معجزہ شق القمر سے انکار کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جس سے اسلام کے ایک بال کو بھی ضرر پہنچ سکے جب معجزات موجودہ قرآنیہ کا مخالفین سے رد نہیں ہو سکتا تو موجود کو چھوڑ کر ان معجزات کی بحث چھیڑنا جو اب آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں سراسر بے راہی ہے۔ ماسوا اس کے جس قدر ہم نے مقدمہ میں قانون قدرت کی تحقیقات میں لکھا ہے اُس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ شق قمر کا استبعاد عقلی درحقیقت ایسا نہیں ہے جیسا کہ نادان نیم حکیم خیال کرتے ہیں ابھی تک کسی عقل نے خواص قمری و شمسی پر احاطہ نہیں کیا اور نہ یہ ثابت کیا کہ خدا تعالیٰ ان چیزوں کو بنا کر بکلّی بے تعلق ہو گیا ہے اور اب یہ چیزیں اُس سے باغی ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ محو اور اثبات کے ابدی طور پر کھلے ہیں اور اپنی بے انتہا اور ناپیدا کنار قدرتوں سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم علم سے عدم

بقیہ حاشیہ اور اُن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ یہ کلمہ مقام جمع میں ہے جو بوجہ نہایت قُرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے اور اسی مرتبہ جمع کی طرف جو محبّتِ تامہ دوطرفہ پر موقوف ہے اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى[1]۔ تُو نے نہیں چلایا خدا نے ہی چلایا جب کہ تُو نے چلایا ایسا ہی یہ اشارہ اس دوسری آیت میں پایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا[2]۔ یعنے ان کو کہدے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا (یعنی ارتکاب کبائر کیا) تم خدا کی رحمت سے نومید مت ہو وہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا۔ اب ظاہر ہے کہ بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تو بندے نہیں ہیں بلکہ سب نبی وغیرہ خدا تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولیٰ کریم سے قرب اتم یعنی تیسرے درجہ کا

[1] الانفال: ۱۸ [2] الزمر: ۵۴

شے لازم نہیں آتا جس حالت میں کرۂ ارض میں خاصیت زلازل و انشقاق و اتصال پائی جاتی ہے چنانچہ بعض گذشتہ زمانوں میں صدہا میل تک زمین منشق ہو کر تہ و بالا ہو گئی ہے اور اب بھی ایسے حوادث ظہور میں آتے رہتے ہیں اور ان حوادث سے اس کی گردش میں کچھ بھی فرق نہیں آتا تو پھر حوادث قمری پر کیوں تعجب کیا جائے کیا ممکن نہیں کہ اُس میں حکیم مطلق نے انشقاق و اتصال کی دونوں خاصیتیں رکھی ہوں جن کا ظہور اوقات مقررہ سے وابستہ ہو اور ازلی ارادہ سے وہی وقت ظہور مقرر ہو جب کہ ایک نبی سے ایسا ہی معجزہ مانگا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کی قوتِ قدسیہ کے اثر سے دیکھنے والوں کو کشفی آنکھیں عطا کی گئی ہوں اور جو انشقاق قُربِ قیامت میں پیش آنیوالا ہے اُس کی صورت اُنکی آنکھوں کے سامنے لائی گئی ہو کیونکہ یہ بات محقق ہے کہ مقربین کی کشفی قوتیں اپنی شدت حدت کی وجہ

بقیہ حاشیہ قُربِ حاصل تھا سو یہ سخن بھی مقام جمع سے سرزد ہوا اور مقام جمع قاب قوسین کا مقام ہے جس کی تفاصیل کتب تصوّف میں موجود ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے مقام جمع کے لحاظ سے کئی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے رکھ دیئے ہیں جو خاص اُس کی صفتیں ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمّد رکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نہایت تعریف کیا گیا سو یہ غایت درجہ کی تعریف حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کی شان کے لائق ہے مگر ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ایسا ہی قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور جو دنیا کو روشن کرتا ہے۔ اور رحمت جس نے عالم کو زوال سے بچایا ہوا ہے آیا ہے اور رؤف اور رحیم جو خدا تعالیٰ کے نام ہیں ان ناموں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پکارے گئے ہیں اور کئی مقام قرآن شریف میں اشارات و تصریحات سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مظہر اتم الوہیت ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام اور ان کا ظہور خدا کا ظہور اور اُن کا

سے دوسروں پر بھی اثر ڈال دیتے ہیں اس کے نمونے ارباب مکاشفات کے قصوں میں بہت پائے جاتے ہیں بعض اکابر نے اپنے وجود کو ایک وقت اور ایک آن میں مختلف ملکوں اور مکانوں میں دکھلا دیا ہے باذن اللہ تعالیٰ اور اس جگہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حال کی فلسفی تحقیقاتیں شہادت دے رہی ہیں کہ شق قمر نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ مخفی طور پر یہ انشقاق و اتصال ہمیشہ شمس و قمر میں جاری ہے کیونکہ اس زمانہ کی فلاسفی اپنی مستحکم رائے ظاہر کرتی ہے کہ شمس و قمر میں ایسی ہی آبادی حیوانات و نباتات وغیرہ ہے جیسی زمین پر ہے اور یہ امر انشقاق و اتصال قمری کو ثابت کرنے والا ہے کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جس کرہ میں حیوانات و نباتات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں وہ اسی کرہ کا مادہ لیکر جسم پکڑتے ہیں یہ نہیں کہ کسی دوسرے کرہ سے گاڑیوں اور چھکڑوں پر وہ مادہ جاتا ہے اب جبکہ یہ ماننا پڑا کہ کرۂ قمری میں جس قدر حیوانات اپنے حرکت ارادے سے چلنے والے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا جسمی مادہ وہی ہے جو کسی وقت جرم قمر سے اتصال رکھتا تھا تو اس سے یہ بھی ماننا پڑا کہ جرم قمر کو ہمیشہ انشقاق لازم ہے اور پھر ان حیوانات کے مرجانے سے انشقاق کے بعد اتصال بھی لازم پڑا ہوا ہے تو اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اصل صورت انشقاق و اتصال کی ہر وقت قمر میں بلکہ شمس میں بھی موجود ہے اں ایک

بقیہ حاشیہ آنا خدا کا آنا ہے چنانچہ قرآن شریف میں اِس بارے میں ایک یہ آیت بھی ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا[1] حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل نے بھاگنا ہی تھا۔ حق سے مراد اس جگہ اللہ جل شانہٗ اور قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور باطل سے مراد شیطان اور شیطان کا گروہ اور شیطانی تعلیمیں ہیں۔ سو دیکھو اپنے نام میں خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر شامل کر لیا اور آنحضرتؐ کا ظہور فرمانا خدا تعالیٰ

[1] بنی اسرائیل: ۸۲

بزرگ نمونہ اس انشقاق و اتصال کا وہ واقعہ شق قمر ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے سو جب کہ خورد نمونہ کو فلسفی لوگ خود مانتے ہیں تو بزرگ سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے اصل بات تو فلسفیوں کے طریق پر بھی ثابت ہے کہ قمر اور شمس کی جرم میں انشقاق اور اتصال دونوں ہوتے رہتے ہیں اسی بنا پر تو ان دونوں کرّہ میں حیوانات کی آبادی تسلیم کی گئی ہے تو پھر یہ کیسا جاہلانہ سیاپا ہے کہ پرمیشر شق قمر پر قادر نہیں۔ علاوہ اس کے ہم نے تاریخی طور پر مضبوط ثبوت دے دیا ہے کہ ضرور شق القمر وقوع میں آیا۔ یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ اگر قرآن شریف میں یہ معجزہ خلافِ واقع لکھا جاتا اور خلافِ واقع اس کی اشاعت ہوتی تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ مخالفین جن کی نسبت گواہ رویت ہونے کا الزام لگایا گیا چپ رہتے۔ ہم نے اس بحث میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کتاب مہابھارت جس کی تالیف بیاس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ ایک زمانہ میں شق قمر ضرور ہوا تھا۔ اب ناظرین اپنی عقل و انصاف سے سوچ لیں کہ کیا یہ ثبوت جو ہم نے دیئے ہیں کچھ کم ہیں کیا تاریخی واقعات کے ثابت کرنے والے اس سے بڑھ کر ثبوت دیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے آریوں کے اصول و عقاید پر اعتراض کیا ہے وہ بھی ناظرین کے آگے ہے۔ وید کی یہ تعلیم کہ خدائے تعالیٰ روحوں اور مواد کا خالق نہیں

بقیہ حاشیہ کا ظہور فرمانا ہوا ایسا جلالی ظہور جس سے شیطان معہ اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ہو گئیں اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست آئی۔ اسی جامعیت تامہ کی وجہ سے سورۃ آل عمران جزو تیسری میں مفصل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالیت شان ختم الرسل پر جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایمان لاؤ اور اُن کی اِس عظمت اور جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد

اور اُس کی طرح ہریک چیز خود بخود اور قدیم اور واجب ہے اور ہمیشہ کے لئے کسی کو نجات نہیں اس کے سب مفاسد ہم نے اس رسالہ میں بیان کر دیئے ہیں اور اس کی رد کے دلائل اپنے ہاتھ سے لکھ دیئے ہیں اور ہم ہریک پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ نہایت بُری تعلیم ہے کہ جو انسان کو اپنے خالق سے اصلی پیوند ہے اس کو بھی دور کرنا چاہتی ہے چہ جائیکہ اُس کو دوسرے پیوند کی خوشخبری دے۔ ایسا ہی یہ لوگ وید کے بعد دُنیا کے انتہا تک الہامات الٰہیہ کے مُنکر ہیں یہ کس قدر مفسدانہ خیال ہے۔ نبی کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا وہ اپنے ظہور سے نقطہ آخری ترقیاتِ انسانیہ کا ظاہر کرے اور اپنے وجود سے دو طرفہ نمونہ صدق عبودیت اور فضل ربوبیت قائم کر کے سالکین ومجاہدین کی کمر ہمت مضبوط کرے اور اُن کو اسی انتہائی کمال تک اپنے تعلق سے پہنچانا چاہے جس پر عنایت ایزدی نے اُس کو قائم کیا ہے لیکن یہ لوگ الہام کو جو کمالیّت کی حقیقی علامت ہے ویدوں تک محدود رکھتے ہیں اور اگر کوئی آریہ ہمارے اس تمام رسالہ کو پڑھ کر پھر بھی اپنی ضد کو چھوڑنا نہ چاہے اور اپنے کفریات سے باز نہ آوے تو ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر اُس کو مباہلہ کی طرف

بقیہ حاشیہ کرو۔ اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی و رسول گذرے ہیں وہ سب کی سب عظمت و جلالیّت آنحضرت اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرتے آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں یہ بات کہہ کر کہ خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُن پر چمکا صاف جتلا دیا کہ جلالیّت الٰہی کا ظہور فاران پر آکر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور آفتاب صداقت کی پوری پوری شعاعیں فاران پر ہی آکر ظہور پذیر ہوئیں اور وہی توریت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ فاران مکہ معظمہ کا پہاڑ ہے جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جدّ امجد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سکونت پذیر ہوئے

بلاتے ہیں۔ مذہب کی جڑھ خداشناسی اور معرفت نعماءِ الٰہی ہے اور اس کی شاخیں اعمالِ صالحہ اور اس کے پھول اخلاقِ فاضلہ ہیں اور اس کا پھل برکات روحانیہ اور نہایت لطیف محبت ہے جو ربّ اور اس کے بندہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس پھل سے متمتع ہونا روحانی تقدس و پاکیزگی کا مثمر ہے۔

ترکِ خوبی مے کناند خوبتر عشق راداماں بود عشق دگر شیر با شیرے نماید زورِ تن
می تواں آہن باآہن کوفتن گر غریقِ اندر بحارِ ہستِ تن رو بدریائے درآ وغوطہ زن

کمالیتِ محبت کمالیتِ معرفت سے پیدا ہوتی ہے اور عشقِ الٰہی بقدرِ معرفت جوش مارتا ہے اور جب محبت ذاتیہ پیدا ہو جاتی ہے تو وہی دن نئی پیدائش کا پہلا دن ہوتا ہے اور وہی ساعت نئے عالم کی پہلی ساعت ہوتی ہے لیکن وید خداشناسی کے بارے میں نہایت درجہ کا ناقص اور رہزن ہے اور نعماءِ الٰہی کے بیان کرنے میں بغایت درجہ قاصر ہے کیونکہ وہ خداتعالیٰ کے اصل رحم اور فضل سے بکلّی منکر ہے اور بجز ثمرۂ اعمال

بقیہ حاشیہ اور یہی بات جغرافیہ کے نقشوں سے بپایۂ ثبوت پہنچتی ہے اور ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ مکّہ معظمہ میں سے بجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی رسول نہیں اٹھا سو دیکھو حضرت موسیٰ سے کیسی صاف صاف شہادت دی گئی ہے کہ وہ آفتاب صداقت جو فاران کے پہاڑ سے ظہور پذیر ہوگا اُسکی شعاعیں سب سے زیادہ تیز ہیں اور سلسلہ ترقیاتِ نورِ صداقت اُسکی ذات جامع برکات پر ختم ہے۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت وعظمت کا اقرار کر کے زبور پینتالیس میں یوں بیان کیا ہے (۲) تو حُسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے تیرے لبوں میں نعمت بتائی گئی ہے اس لئے خدا نے

اُس کی کسی نعمت ورحمت کا قائل نہیں یہاں تک کہ چاند اور سورج اور زمین وغیرہ اجزاء ضروریہ اوّلیہ عالم کی وید کے رُو سے خداتعالیٰ کی ذاتی اور اصلی رحمت نہیں بلکہ یہ بھی کسی آریہ کے نیک عمل کی وجہ سے ہریک نئی دنیا میں خواہ نخواہ پرمیشر کو پیدا کرنی پڑتی ہیں غرض وید کے رُو سے پرمیشر میں اپنی ذاتی رحمت کا نام ونشان نہیں جو کچھ آسمان وزمین میں نظر آتا ہے وہ آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے پیدا ہوگیا مگر پرمیشر کی اس میں بڑی بھاری غلطی یہ ہے کہ وہ زمین اور چاند وسورج وغیرہ کو پیدا تو کرے صرف آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے اور پھر دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اُس ہندوؤں کے حق خاص میں شریک کردے کیسا ظلم ہے؟ ایسا ہی وید نے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے بیان سے فراغت کر رکھی ہے آریہ لوگوں کے تہی دست رہنے کی یہی وجہ ہے کہ عبودیت اور پرستش کے

بقیہ حاشیہ تجھ کو ابد تک مبارک کیا۔ (۳) اے پہلوان تو جاہ وجلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ (۴) امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار ہو کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا۔ (۵) بادشاہ کے دلوں میں تیرے تیر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں۔ (۶) اے خُدا تیرا تخت ابدالآباد ہے (یہ فقرہ اسی مقام جمع سے ہے جو قرآن شریف میں کئی مقام میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے) تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے (۷) تو نے صدق سے دوستی اور شر سے دشمنی کی اسی لئے خُدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے مُعطّر کیا۔ بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والی عورتوں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت یسعیا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت و عظمت ومظہر تام الوہیت ہونے کے بارے میں اپنے صحیفہ کے باب بیالیس[۴۲] میں بطور

پاک طریقے اور تزکیہ نفس کی خالص تدبیریں وید میں ہرگز نہیں ہیں پرستش کی جڑھ تلاوت کلام الٰہی ہے کیونکہ محبوب کا کلام اگر پڑھا جائے یا سُنا جائے تو ضرور سچّے محبت کے لئے محبت انگیز ہوتا ہے اور شورش عشق پیدا کرتا ہے۔ مگر آریہ لوگ اس سے کوسوں دُور ہیں۔ اگر وید کو پڑھیں تو انہیں اس کی حقیقت بھی معلوم ہو۔ اب تو اُن کی پرستش یہی ہے کہ وہ ناحق گھی وغیرہ چیزوں کو ہوم کے خیال سے آگ پر برباد کرتے ہیں اگر یہ چیزیں کسی کو کھانے کو دے دیں تب بھی کچھ بات ہو۔ برکاتِ روحانیہ ومحبت دو طرفہ کا تو کیا ذکر کریں اس نعمت سے متمتع ہوتا تو وید کے رشیوں کی نسبت بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کون تھے کیا نام تھا کس شہر میں رہا کرتے تھے اور کس عمر میں الہام پایا تھا اور اُنکے ملہم ہونے کے کیا کیا ثبوت ہیں۔ یہ جو سُنا جاتا ہے کہ ان کا نام اگنی و وایو یعنے

بقیہ حاشیہ

پیشگوئی وحی پا کر یوں بیان کیا ہے۔ دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ مَیں نے اپنی رُوح اس پر رکھی وُہ قوموں پر راستی ظاہر کرے گا۔ وہ نہ گھٹے گا اور نہ تھکے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ بیابان اور اس کی بستیاں کیدار (یعنی عرب) کے آباد دیہات (جس سے مکّہ معظمہ وغیرہ مراد ہیں) اپنی آواز بلند کریں۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا (خداوند سے مراد ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ وہ مظہر اتم الوہیّت اور درجہ سوم قرب پر ہیں جیسا کہ کئی دفعہ ہم بیان کر چکے ہیں) وہ اپنے تئیں اپنے دشمنوں پر قوی دکھلائے گا۔ قدیم سے میں خاموش رہا ہوں اور ستایا اور آپ کو روکے گیا پر اب مَیں اس عورت کی طرح جو درد زِہ میں ہو چلّاؤں گا مَیں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا۔ اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وَے نہیں جانتے لے جاؤں گا۔

آگ وہوا وغیرہ تھا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جیسا کہ منشی اندرمن صاحب مرادآبادی بھی اپنے رسالہ آریو پرکاش میں اس کے قائل ہیں۔ ہنڈؤں کو آگ وغیرہ اپنے دیوتاؤں سے بہت پیار رہا ہے اور رگوید کی پہلی شرتی اگنی سے ہی شروع ہوتی ہے سو جن چیزوں سے وہ پیار کرتے تھے انہیں چیزوں پر ویدوں کا نازل ہونا تھاپ دیا ورنہ ویدوں میں تو کہیں نہیں لکھا کہ حقیقت میں ایسے چار آدمی کسی ابتدائی زمانہ میں گذرے ہیں اور انہیں پر وید نازل ہوئے ہیں اور اگر لکھا ہے تو پھر آریوں پر واجب ہے کہ ویدوں کے رُو سے ان کا ملہم ہونا اور اُن کا سوانح عمری کسی رسالہ میں چھپوا دیں۔ آریوں کا یہ اعتقادی مسئلہ ہے کہ ابتدائے دُنیا میں نہ صرف ایک دو آدمی بلکہ کروڑہا آدمی مختلف ملکوں میں ہنڈکوں کی طرح زمین کے بخار سے پیدا ہوگئے تھے اُن میں سے آریہ دیس کے چار رشی ملہم اور باقی سب مخلوقات الہام سے بدنصیب اور اُن ملہموں کے حوالے کر دی گئی تھی۔ اس

بقیہ حاشیہ ایسا ہی یوحنا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے بطور پیشگوئی گواہی دی جو انجیل متی باب سوم میں اس طرح پر درج ہے (۱۱) میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسما دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے کہ میں اُس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں رُوح قدس اور آگ سے بپتسما دے گا۔ اس پیشگوئی میں محض نادانی کی راہ سے عیسائی لوگ خصومت کرتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے مگر یہ دعویٰ سراسر باطل وبے بنیاد ہے اوّل تو حضرت مسیح حضرت یوحنا کے ہمعصر تھے نہ کہ بعد میں آنیوالے یا بعد میں ابنیت کا لقب پانے والے۔ ماسوا اس کے ہریک شخص آزما سکتا ہے کہ دائمی طور پر سچے طالبوں کو رُوح قدس اور آتش محبت سے بپتسما دینے والا آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہے یعنی جناب سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جس کے جلال تام کا حضرت مسیح اپنی پیش گوئیوں

صورت میں ضرور لازم آتا ہے کہ اپنے مُلہموں کی تمیز و شناخت کے لئے پرمیشر نے اُن رشیوں کو کوئی ایسے نشان دیئے ہوں جن سے دوسرے لوگ جو اُسی زمانہ میں پیدا ہوئے تھے ان کو شناخت کر سکیں اور اگر ایسے نشان دیئے تھے تو وید میں سے ثابت کرنی چاہیئے اور یقیناً سمجھنا چاہیئے کہ یہ بھی نری لاف ہے کہ وید کے رشی تمام ممالک کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے اگر ایسا ہوتا تو وید میں ضرور یہ لکھا ہوتا کہ کبھی وہ رشی اپنی چار دیوار آریہ دیس سے نکل کر کسی دور دراز مُلک میں وعظ کرنے کے لئے گئے تھے وید میں امریکہ کا کہاں ذکر ہے افریقہ کا نشان کہاں پایا جاتا ہے یوروپ کے مختلف ملکوں اور حصّوں سے وید کو کب خبر ہے بلکہ ایشیائی مُلکوں کی اطلاع سے بھی وید غافل ہے اور اس کے پڑھنے سے جابجا صاف معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر کی ہمگی تمامی جائیداد ہندوستان یعنی

بقیہ حاشیہ میں آپ اقرار کرتے ہیں۔ اور اسی رُوح کے بپتسما کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اشارہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[1] یعنی خدائے تعالیٰ مومنوں کو رُوح قدس سے تائید کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً[2] یعنی یہ خدا کا بپتسما ہے اور کون سا بپتسما اس سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو قوم رُوح القدس سے کسی وقت تائید دی گئی ہے وُہ اب بھی دی جاتی ہے کیونکہ اب بھی وہی خدا ہے جو پہلے تھا اور قوم بھی وُہی ہے جو پہلے تھی سو اگر حضرات عیسائیوں کو اس بات میں کچھ شک ہو کہ اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت مسیح نہیں ہیں تو نہایت صاف اور سہل طریق فیصلہ کرنے کا یہ ہے کہ چالیس دن تک کوئی ایسے پادری صاحب جو اپنی قوم میں نہایت بزرگ اور رُوح قدس کا بپتسما

[1] المجادلۃ: ۲۳ [2] البقرۃ: ۱۳۹

آریہ دیس ہی ہے بھلا اگر ہم ان تمام باتوں میں سچے نہیں ہیں تو ویدوں کے رُو سے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ کسی وید کے رشیوں نے آریہ دیس سے باہر قدم رکھ کر اور ویدوں کو اپنی بغل میں لے کر غیر ممالک کا بھی سفر کیا تھا یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی پنڈت دیانند بھی ثابت نہ کر سکا اب عجیب طور پر وید کے پرمیشر کا ظلم ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وید صاف اقراری ہے کہ دنیا کی ابتدا میں متفرق طور پر متفرق ممالک میں نوع انسان زمین سے پیدا ہو گئے تھے اور ان سب کی اصلاح کے لئے وید آئے تھے اور پھر دوسری طرف یہ عجیب وید کچھ ثبوت ہاتھ میں نہیں پکڑاتا کہ کب اور کس وقت ویدوں کے رشی دوسرے ملکوں میں سمجھانے کے لئے گئے تھے یا اپنے خط بھیجے تھے یا پیغام پہنچانے سے شرط تبلیغ پوری کی تھی یا وید میں وصیّت کر گئے تھے کہ فلاں فلاں ملک اور بھی ہیں اُن میں

بقیہ حاشیہ پانے کے لائق خیال کئے جاتے ہیں اور ان کی بزرگواری اور خدا رسیدہ ہونے پر اکثر عیسائیوں کو اتفاق ہو وہ اس امر کی آزمائش و مقابلہ کے لئے کہ رُوح قدس کی تائیدات سے کونسی قوم عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے فیضیاب ہے کم سے کم چالیس دن تک اس عاجز کی رفاقت اور مصاحبت اختیار کریں پھر اگر کسی کرشمہ رُوح القدس کے دکھلانے میں وہ غالب آجائیں تو ہم اقرار کر لیں گے کہ یہ پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے اور نہ صرف اقرار بلکہ اُس کو چند اخباروں میں چھپوا بھی دیں گے لیکن اگر ہم غالب آگئے تو پادری صاحب کو بھی ایسا ہی اقرار کرنا پڑے گا اور چند اخباروں میں چھپوا بھی دینا ہوگا کہ وہ پیشگوئی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نکلی مسیح کو اُس سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ اس تصفیہ کے لئے ہماری صحبت میں بھی رہنا کچھ ضروری نہیں۔ یہ عاجز عنقریب اس رسالہ کے بعد رسالہ سراج منیر کو انشاء اللہ القدیر چھپوانے والا ہے

جاؤ اور وید کی تعلیم کو اُن مُلکوں میں پھیلاؤ سو جب کہ ثابت ہے کہ ویدوں نے دُوسرے مُلکوں سے کبھی کچھ غرض نہیں رکھی سو اس سے آریوں کی زبان درازی کا اندازہ کر لینا چاہیئے کہ وہ وید کے چار نامعلوم رشیوں کے مقابل خدائے تعالیٰ کے ہزارہا پاک نبیوں کو جو مختلف ممالک میں ہوئے ہیں جن کی روشنی زمین پر آفتاب کی شعاع کی طرح پھیل گئی مکّار

بقیہ حاشیہ وہ سب مضمون رُوح القدس کی تائید سے ہی ہم پہنچا ہے سو اب کوئی ایسا عیسائی جو قوم میں بزرگ وار اور واقعی نیک بخت ہو اس کا مقابلہ کر کے دکھاوے ورنہ کون دانا ہے جو بلا امتحان ان کی رُوح القدس کے بپتسما کا قائل ہوگا۔

چوں گمانے کنم اینجا مدد رُوح قدس ؛ کہ مرا در دل شاں دیو نظر می آید ؛ ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں ؛ کہ بہر عصر مسیحائی دگر مے آید ؛

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ شانِ جلیل و عظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مظہر اتم الوہیت ہے جیسے تمام نبی ابتدا سے بیان کرتے آئے ہیں ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے اُس شانِ عالی کا اقرار کیا ہے یہ اقرار جا بجا انجیلوں میں موجود ہے بلکہ اسی اقرار کے ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام اقرار کرتے ہیں کہ میری تعلیم ناقص ہے کیونکہ ہنوز لوگوں کو کامل تعلیم کی برداشت نہیں مگر وہ رُوح راستی جو نقصان سے خالی ہے (یعنی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کا قرآن شریف میں بھی نام حق آیا ہے) وہ کامل تعلیم لائے گا اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا۔ انجیل برنباس میں تو صریح نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو محمدؐ ہے درج ہے اور اس کے ٹالنے کے لئے یہ ناکارہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب برنباس میں درج کر دیا ہوگا یا خود کتاب تالیف کر دی ہو گی گویا مسلمان لوگ کسی رات کو

اور فریبی اور ٹھگ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اِن میں سے کوئی بھلا مانس یہ خیال نہیں کرتا کہ اوّل تو حکمت اور رحمت عامّہ خدائے تعالیٰ سے یہ بہت بعید ہے کہ قدیم سے اور ازل سے ابد تک ایک خاص اور محدود جگہ سے بے وجہ تعلق پیدا کر کے ہزارہا ممالک وسیعہ کو اپنے الہام اور کلام سے اور براہ راست فیض یاب ہونے سے ہمیشہ کیلئے محروم رکھے ماسوا اس کے

بقیہ حاشیہ

اتفاق کر کے مسیحی کتب خانوں میں جا گھسے اور اپنی طرف سے برنباس کی انجیلوں میں جابجا محمدؐ نبی نام درج کر دیا۔ یا خود یونانی یا عبرانی زبانوں میں اپنی طرف سے انجیل برنباس بنا کر اور کئی ہزار نسخے اس کے لکھ کر پوشیدہ طور پر جبکہ عیسائی سوتے تھے وہ کتابیں ان کے کتب خانوں میں رکھ آئے لیکن ایک انگریز فاضل عیسائی جس نے کچھ تھوڑا عرصہ ہوا قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اُس نے اپنے دیباچہ میں اُس تقریب کے بیان میں کہ انجیل برنباس میں پیش گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موجود ہے یہ قصہ تحریر کیا ہے کہ برنباس کی انجیل پوپ پنجم کے کتب خانہ میں تھی اور ایک راہب جو اُس پوپ کا دوست تھا اور مدت سے اس انجیل کی تلاش میں تھا۔ وہ پوپ کی الماری میں جبکہ پوپ سویا ہوا تھا اس انجیل کو پا کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ میری وہ مراد ہے جو مدّت کے بعد پوری ہوئی اور اس انجیل کو اپنے دوست پوپ کی اجازت سے لے گیا اور نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلا کھلا انجیل میں لکھا ہوا دیکھ کر مسلمان ہو گیا پس اس فاضل انگریز[1] کی اس تحریر سے جو ہمارے پاس موجود ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہ کتاب پوپوں کے کتب خانوں میں چاروں انجیلوں میں شامل کر کے عزت کے ساتھ رکھی جاتی تھی تبھی تو ایسے ایسے بزرگ اور فاضل راہب اس انجیل کو پڑھ کر مسلمان

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ۲۸۸

انتخاب (۶) نسخہ متعلقہ صفحہ ۲۷ سطر ۱۵ ❀ چشمہ آریہ ❀

اس انگریز کا نام جارج سیل صاحب ہے جو اکابر علماء عیسائیوں سے ہے ان کا ترجمہ قرآنِ شریف جو اُن کی طرف سے شائع ہو کر مطبع لنڈن فریڈرک وارن اینڈ کمپنی میں چھپا ہے اس کے پہلے دیباچہ میں مؤلف موصوف نے یہ عجیب تذکرہ کہ ایک بزرگ راہب انجیل برنباس پڑھ کر اور اس میں پیشگوئی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کھلے کھلے طور پر پاکر مسلمان ہوگیا تھا اس طور سے (جو نیچے لکھا جاتا ہے) بیان کیا ہے۔

فرامیرینُو جو ایک عیسائی مانک یعنی ایک بزرگ راہب تھا وہ بیان کرتا ہے کہ اتفاقیہ مجھ کو ایک تحریر آبرلنس صاحب کی (جو ایک فاضل مسیحیوں میں سے ہیں) منجملہ اس کی اور تحریروں کے جن میں وہ پولوس کے برخلاف ہے نظر سے گذری اس تحریر میں آبرلنس صاحب (جو پولوس عیسائی کے مخالف ہیں) اپنے بیان کی صداقت کی بابت انجیل برنباس کا حوالہ دیتے ہیں۔ تب میں اس بات کا نہایت شائق ہوا کہ انجیل برنباس کو میں بھی دیکھوں۔ اور اتفاقاً تقریب یہ نکل آئی کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے پوپ سِنجم کا مجھ سے اتحاد دوستانہ کرا دیا۔ ایک روز جبکہ پوپ موصوف کے کتب خانہ میں ہم دونوں اکٹھے تھے اور پوپ صاحب سو گئے تھے میں نے دل بہلانے کو ان کی کتابوں کا ملاحظہ کرنا شروع کیا سو سب سے پہلے جس کتاب پر میرا ہاتھ پڑا وہ وہی انجیل برنباس تھی جس کا میں متلاشی تھا۔ اس کے مل جانے سے مجھے نہایت درجہ کی خوشی پہنچی اور میں نے یہ نہ چاہا کہ ایسی نعمت کو آستین کے نیچے چھپا رکھوں۔ تب میں پوپ صاحب کے جاگنے پر اُن سے رُخصت ہو کر وہ آسمانی خزانہ اپنے ساتھ لے گیا جس کے پڑھنے سے مجھے دینِ اسلام نصیب ہوا۔ دیکھو صفحہ دہم سطر چہارم ترجمہ قرآن شریف جارج سیل صاحب۔

پھر صفحہ ۵۸ سطر ۲۴- اسی ترجمہ میں جارج سیل صاحب اپنے عیسائی تعصّب کے جوش سے بے دلیل اور مہمل رائے لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برنباس میں لفظ پیری قلیط (جس کا ترجمہ محمدؐ ہے) مسلمانوں نے داخل کر دیا ہوگا مگر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اصلی جعل مسلمانوں کا نہیں۔ یعنی مسلمانوں نے اُس میں صرف اسی قدر جعل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیش گوئی بتصریح نام اُس میں لکھدی ہے اور جعل یہ اس لئے ٹھیرا کہ یہ پیشگوئی صریح صریح اُس میں موجود ہے جس کا ماننا حضرات عیسائیوں کو کسی طرح سے منظور ہی نہیں اور لطف یہ کہ آپ ہی اقراری ہیں کہ اس پیش گوئی کو پڑھ کر بڑے بڑے نیک بخت اور فاضل راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں فتدبّر۔ منہ

یہ کس قدر سکھّا شاہی ظلم ہے کہ اُس عجیب العقل پرمیشر نے تمام ہدایتوں کو وید میں محدود رکھ کر اور اپنے کلام اور الہام کو وید پر ختم کر کے پھر منہ کھول کر اُن رشیوں کو یہ ہدایت نہ دی کہ دُنیا میں میرے اور بندے بھی ہیں جن میں کوئی اور نبی میری طرف سے پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خاص تم چاروں سے ہی ہمیشہ کے لئے میرا یارانہ ہے۔ سو تم اُن ملکوں میں

بقیہ حاشیہ ہوتے تھے۔ پادری صاحبوں نے مدت تک اپنی کتابوں میں جو ہندوستان میں اکثر اُردو میں تالیف کیں اس انجیل کا کسی کتاب میں تذکرہ نہیں کیا اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جن کو یہ معلوم ہوگا کہ عیسائیوں کے پاس ان چار انجیلوں کے علاوہ پانچویں انجیل بھی ہے جس کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضل اور خدا ترس راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں لیکن اب پادری صاحبوں نے اس قدر اپنے منہ سے اقرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ محمدؐ صاحب کا نام ہماری انجیل برنباس میں لکھا ہوا تو ضرور ہے مگر خیال کیا جاتا ہے کہ کسی مسلمان نے لکھ دیا ہوگا چنانچہ پادری ٹھاکر داس نے بھی اپنی اظہار عیسوی کے صفحہ ۳۳۲ میں کسی قدر عبارت انجیل برنباس کی جس میں نام آں حضرت صلی اللہ یعنے محمدؐ رسول اللہ ایک پیش گوئی حضرت مسیح میں لکھا ہوا ہے نقل کر کے آخر میں یہی ناکارہ اور فضول عذر پیش کر دیا ہے کہ یہ یا تو کسی عیسائی کا اور یا کسی مسلمان کا جعل ہے لیکن اب تک عیسائی لوگ مسلمانوں کے ان سوالات کے مدیون ہیں کہ وہ جعل کس مسلمان نے کیا اور کب کیا اور کس کس کے روبرو کیا۔ اور کیوں وہ جعلی کتابیں پوپوں کے متبرک کتب خانوں میں الہامی کتابوں کے ساتھ بعزت تمام تر رکھی گئیں اور کیوں بڑے بڑے راہب اور فاضل پادری ان کتابوں کو پڑھ کر اور فی الحقیقت

بھی جاؤ اور وید کو ساتھ لے جاؤ سو نہ تو اُس پرمیشر نے اپنے رشیوں کو یہ ہدایت دی اور نہ دوسرے ملکوں پر کبھی مستقل طور پر رحمت کی۔ ہزاروں اور لاکھوں اُن میں مکّار اور فریبی تو آئے مگر صادق منجانب اللہ ملہم ہو کر ایک بھی نہ آیا۔ کیا یہ ایسا خیال ہے کہ کسی راستباز کا نورِ قلب اس کو قبول کر سکتا ہے؟ کیا خدائے تعالیٰ جو رب العالمین ہے اُسکی یہی

بقیہ حاشیہ

سچ سمجھ کر دین اسلام قبول کرتے رہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

ایک بڑی پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی جو انجیل متی باب ۲۱ میں لکھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت تامہ اور مظہر تام الوہیّت ہونے میں اُن لوگوں کے لئے بڑا قوی ثبوت ہے جو ذرہ آنکھیں کھول کر اس پیشگوئی کو پڑھیں کیونکہ اس پیشگوئی میں جو آیت ۳۳ سے شروع ہوتی ہے اُن تینوں قسموں کے قرب کی خوب ہی تصریح کی گئی ہے جن کا ثابت کرنا اس حاشیہ کا اصلی مدعا ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان نبیوں کو جو شریعت موسوی کی حمایت کے لئے ان سے پہلے آئے تمثیلی طور پر قُرب کے درجہ میں بطور نوکروں کے بیان کیا ہے جو پہلا درجہ ہے۔ اور پھر اپنے لئے قرب کے دوئم درجہ کا اشارہ کر کے بیٹے کے لفظ سے اپنے اُس مقام قرب کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور پھر تیسرا درجہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت ہے وہ شخص قرار دیا جو بیٹے کے مارے جانے کے بعد آئیگا جو باغ کا مالک اور نوکروں کا آقا اور اس بیٹے کا باپ مجازی طور پر ہے*

***حاشیہ در حاشیہ**

بعض آثار میں آیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح علیہ السلام عالم آخرت میں زوجہ مطہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی یہ قول غالباً اسی مناسبت بیٹے اور باپ سے پیدا ہوا ہے کہ جب عالم تمثیل میں حضرت مسیح آنحضرتؐ کے بطور بیٹے کے ٹھہرے تو اُن کی والدہ بطور زوجہ کے ہوئی۔ منہ

سیرت وصفت ہونی چاہیئے؟ دیکھو اس کے مقابل پر کیا ہی سچا اور پُر صداقت و انصاف قول ہے جو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ[1] یعنی کوئی مُلک آباد نہیں جس میں پیغمبر اور مصلح نہیں گذرا۔ اور نیز فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[2] یعنی عادت اللہ قدیم سے یہی جاری ہے کہ جب زمین مرجاتی

بقیہ حاشیہ

یہ بات نہایت صاف طور پر ظاہر ہے کہ جس طرح نوکروں کے آنے اور بیٹے کے آنے سے مراد وہ نبی تھے۔ جو وقتاً فوقتاً آتے گئے اسی طرح اس تمثیل میں مالک باغ کے آنے سے بھی مراد ایک بڑا نبی ہے جو نوکروں اور بیٹے سے بڑھ کر ہے جس پر تیسرا درجہ قرب کا ختم ہوتا ہے وہ کون ہے؟ وہی نبی ہے جس کا اسی انجیل متی میں فارقلیط کے لفظ سے وعدہ دیا گیا ہے اور جس کا صاف اور صریح نام محمد رسول اللہ انجیل برنباس میں موجود ہے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسیح جیسا ایک نبی قُرب کے تینوں درجوں کے بیان کرنے میں صرف دو ٹکڑے اُس میں سے بیان کر کے رہ جائے اور تیسرے ٹکڑہ کے مصداق کی طرف کچھ بھی اشارہ نہ کرے۔ بے شک ہر ایک عاقل اس پیشگوئی پر غور کر کے یقین کامل سمجھ لے گا کہ یہ تینوں تمثیلیں تینوں قسم کے نبیوں کی طرف اشارات ہیں اور خود تین قسم کا قرب ایک ایسی ضروری اور فشاں دار صداقت ہے کہ بجز اُس خاص شخص کے جس کی عقل کو طوفان تعصب بکلی تحت الثرا میں لے گیا ہو ہر یک فرقہ اور قوم کا آدمی معارف یقینیہ سے سمجھتا ہے۔

اور یہ بات کہ کیونکر اور کس طرح معلوم ہوا کہ انسان کامل جو سب کاملین سے اکمل اور مظہر اتم مراتب الوہیت اور حقیقی طور پر درجہ سوم قُرب سے ممتاز ہے وہ درحقیقت تمام بنی آدم میں سے ایک ہی ہے جو حضرت سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ

[1] فاطر: ۲۵ [2] حدید: ۱۸

ہے تو اُسے نئے سرے زندہ کرتا ہے یہ نہیں کہ ایک ہی بارش پر ہمیشہ کے لئے کفایت کرے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے جو الہامات تازہ بتازہ کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا لیکن وید کے رُو سے تو کروڑہا برس ہوئے کہ وہ بند ہو گیا اور اب اس کے پُرانے کاغذات پنڈتوں کے چرکیں اور پُر آلائش بستوں میں دبے پڑے ہیں

بقیہ حاشیہ علیہ وسلم ہیں اور باقی سب رُسل وغیر رُسل اس سے مراتب میں کم ہیں ہاں بعض طبایع ظلّی طور پر حسب اندازہ دائرہ استعداد اپنے کے اس کمال کو پاتے ہیں۔ مگر حقیقی و اتم و اکمل و اشد و اجلیٰ و اصفیٰ و ارفع و اعلیٰ طور پر کمال مرتبہ ثالثہ اُسی کو حاصل ہے اس سوال کے جواب میں ہم پہلے بھی کسی قدر تحریر کر آئے ہیں۔ کہ وجدان صحیح اور دلائل معقولہ اس بات کو چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو واحد لا شریک ہے اور وحدت کو دوست رکھتا ہے وہ مصدر وحدت ہو یعنی اُس کا طرز پیدائش متفرق اور پریشان طور پر نہ ہو بلکہ اس نے مخلوقات کے تمام افراد کو ایک احسن انتظام وحدت سے ظہور پذیر کیا ہو اور اسی پر ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی شہادت دے رہا ہے جب ہم چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے لے کر انسان تک نظر پہنچاتے ہیں یا ہم ایک ایسے آدمی سے جس کی علمی و عملی قوتیں نہایت ہی ضعیف یا پُر ظلمت ہیں ایک اعلیٰ درجہ کی فطرت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو تمام سلسلہ مخلوقات کا ہمیں یوں نظر آتا ہے کہ گویا وہ ایک خط مستقیم عمودی ہے جس کی ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے سو ہمیں اس خط پر نظر ڈالنے سے بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ یہ سلسلہ مخلوقات ادنیٰ مخلوق سے لیکر ایک اعلیٰ مخلوق تک پہنچتا ہے اور ایسی عمدہ ترتیب سے یہ سلسلہ اُوپر کو چڑھتا جاتا ہے کہ بعض حیوان درمیان میں ایسے آگئے ہیں کہ اُن پر نظر ڈالنے سے معلوم

جن کو کچھ تو نفسانی تحریفوں کے کیڑے نے کھا لیا اور کچھ وہ پہلے ہی سے بودی اور سوراخدار اور فطرتی عفونتوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔

اب ہم اپنی پہلی کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ وید برکات روحانیہ اور محبت الٰہیہ تک پہنچانے سے قاصر اور عاجز ہے اور کیونکر قاصر و عاجز نہ ہو وہ وسائل جن سے یہ نعمتیں حاصل

بقیہ حاشیہ ہوتا ہے کہ گویا وہ انسان اور حیوان میں برزخ ہیں۔ مثلاً بندر۔

اور یہ دقیقہ کہ تمام کامل انسانوں میں سے ایک ہی اکمل و اتم انسان پر اختتام سلسلہ کائنات ہوتا ہے یہ ایک ایسے دائرہ کے کھینچنے سے جو دو قوسوں پر مشتمل ہو سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وجود واجب و ممکن جس تناسب سے روحانی طور پر واقع ہے اگر اس امر معقول کو ایک صورت محسوسہ میں دکھلایا جائے تو ایک ایسے دائرہ کی شکل آئے گی جس کا انقسام دو قوسوں پر

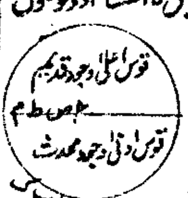

ہوگا جن میں سے ایک قوس اعلیٰ اور دوسرا قوس ادنیٰ ہوگا اس طرح پر قوس اعلیٰ تقسیم و انقسام سے بکلی منزہ اور درک عقل و فہم و قیاس و گمان سے بالاتر ہے لیکن قوس ادنیٰ جو موجودات ممکن الوجود کا قوس ہے وہ باعتبار شدت و ضعف و زیادت و نقصان مراتب متفاوتہ و مختلفہ پر مشتمل ہے کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ انسانی ترقیات کا سارا سلسلہ وتر کے کسی ایک ہی نقطہ پر ختم نہیں ہو سکتا وجہ یہ کہ جس نقطہ فطرتیہ سے کوئی نفس اوپر کو ترقی کرنا شروع کرے گا اس کی سیدھی رفتار اسی نقطہ انتہائی تک ہوگی جو اس کی جبلت اور استعداد کے پیش رو پڑا ہوا ہے۔ اب فرض کرو کہ مثلاً نقاط ج د ب ک جو استعدادات مختلفہ انسانیہ کے فطرتی نقطے ہیں نقاط ح ص ط م تک جو ان کے پیش رو نقاط پڑے ہیں جن کی طرف

ہوتی ہیں یعنی طریقہ حقّہ خداشناسی و معرفت نعماء الٰہی و بجا آوری اعمال صالحہ و تحصیل اخلاق مرضیہ و تزکیہ نفس عن رذائل نفسیہ ان سب معارف کے صحیح اور حق طور پر بیان کرنے سے وید بکلّی محروم ہے۔ کیا کوئی آریہ صفحہ زمین پر ہے کہ ہمارے مقابل پر ان اُمور میں وید کا قرآن شریف سے مقابلہ کرکے دکھلاوے؟ اگر کوئی زندہ ہو تو ہمیں اطلاع دے

بقیہ حاشیہ

وہ بخط مستقیم قدم بڑھا سکتے ہیں۔ ترقی کریں تو یہ خطوط مستقیمہ ترقی کی اپنی عمودی حالت میں وتر کے اُن اُن نقاط کو جا ملیں گے جو ٹھیک ٹھیک اُن کے محاذات میں پڑے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سفلی قوس میں ایک نقطہ ایسا بھی ضرور ہے کہ جو ٹھیک ٹھیک نقطہ مرکز کے محاذ ہے اب فرض کرو کہ وہ نقطہ جؔ ہے جو مرکز عؔ کے محاذ ہے اسی طرح نقطہ دؔ کا خط صؔ اور نقطہ یؔ کا خط طؔ اور نقطہ کؔ کا خط مؔ کا محاذ ہے جب کہ یہ امر بہ بداہت ظاہر ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ ثبوت ہندسہ سے باستعانت اُنیسویں شکل مقالہ اول اقلیدس و سینتالیسویں شکل مقالہ مذکورہ بپایہ صداقت پہنچ سکتا ہے کہ اگر کسی طرف محیط کے کئی نقاط فرض کرکے قطر دائرہ تک خطوط مستقیمہ عمودی حالت میں کھینچے جائیں تو سب سے بڑا وہ خط مستقیم ہوگا جو نقطہ مرکز تک پہنچے گا ؛ اور یہ امر

حاشیہ در حاشیہ

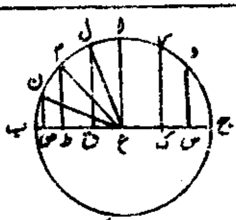

فرض کرو کہ دائرہ اؔ بؔ سؔ جؔ کے قوس بؔ جؔ لؔ میں نقاط دؔ و سؔ و اؔ و لؔ و مؔ و نؔ سے خطوط مستقیم دؔ سؔ اور ہؔ کؔ و اؔ عؔ و لؔ قؔ و مؔ طؔ و نؔ صؔ و جؔ بؔ قطر کے نقاط سؔ و کؔ و عؔ و قؔ و طؔ و صؔ تک عمودی حالت میں کھینچے ہوئے ہیں اور اُن میں اؔ عؔ وہ خط مستقیم ہے جو کہ مرکز عؔ تک کہ نقطہ اؔ کا

اور جس امر میں امور دینیہ میں سے چاہے اطلاع دے تو ہم ایک رسالہ بالتزام آیات بیّنات و دلائل عقلیہ قرآنی تالیف کرکے اس غرض سے شائع کردینگے کہ تا اسی التزام سے وید کے معارف اور اس کی فلاسفی دکھلائی جائے۔ اور اس تکلیف کشی کے عوض میں ایسے ویدخوان کے لئے ہم کسی قدر انعام بھی کسی ثالث کے پاس جمع کرا دیں گے جو غالب ہونے کی

بقیہ حاشیہ اس بات کو ثابت کرنے والا ہے کہ نقطہ مرکز تمام نقاط وتر قوسین کی نسبت جو ترقیات انسانیہ کے انتہائی نشان ہیں ارفع و اعلیٰ ہے پس اس سے بالضرورت ماننا پڑتا ہے کہ جس قدر مختلف استعدادیں قوس بشریت میں داخل ہیں اُن میں سے صرف ایک ہی ایسی استعداد ہے جو سب استعدادات کی نسبت بلند تر و کامل تر ہے۔

اور ثبوت اس بات کا جو صاحب اُس استعداد کامل کا اصلی و حقیقی طور پر جناب سیّدنا و مولانا حضرت محمّد مُصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ہیں اُن پیش گوئیوں سے ہو سکتا ہے جن میں سے بعض کو ہم نے اسی حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔ اور نیز ایک عمدہ ثبوت اس بات کا قرآن شریف سے بھی مل سکتا ہے کیونکہ کمالیت وحی حسب کمالیت مورد وحی ہوا کرتی ہے جس قدر کسی مورد وحی کی استعداد بلند ہوتی ہے۔ جو ہر فطرت مُصفّا ہوتا ہے۔ جذبات محبّت نمایاں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ محاذی کھنچا ہوا ہے اب ہم ثابت کریں گے کہ ان خطوط میں سب سے بڑا وہ ع ہوگا جو مرکز تک کھنچا ہوا ہے۔ ملاؤ ع ل و ع م د ع ق بموجب فرض کے زاویہ ق قائمہ ہے تو بحکم ۲۳ ش م ۱) زاویہ ل ع ق حادہ ہوا اس لئے بحکم ۱۹ ش م ۱) کے ضلع ل ع بڑا ہوا ضلع ل ق سے اور بموجب شرح

حالت میں اُس کو ملے گا۔ شرط یہی ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھ سکتا ہو تا ہمارے وقت کو ناحق ضائع نہ کرے۔

جاننا چاہیئے کہ جو شخص حق سے اپنے تئیں آپ دُور لے جاوے اس کو ملعون کہتے ہیں اور جو حق کے حاصل کرنے میں اپنے نفس کی آپ مدد کرے اُس کو مقرون کہتے ہیں۔ اب

بقیہ حاشیہ ہوتے ہیں اور حرکت شوقیہ میں تیزی اور گرمی ہوتی ہے اور وفا اور صدق میں قیام اور استحکام ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی وحی میں کمال ہوتا ہے اب ہماری طرف سے یہ دعویٰ ہے جس کو ہم بمقابل ہریک فریق کے ثابت کرنے کو طیار ہیں کہ وحی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف اور برکات اور علوم میں ہریک وحی سے اقویٰ و اعلیٰ ہے اور اس کے اثبات میں کسی قدر ہم کتاب براہین میں لکھ بھی چکے ہیں اور اکثر حصہ اس کتاب کا جو انشاء اللہ رسالہ سراج منیر کے بعد چھپنا شروع ہوگا انہیں ثبوتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب براہین میں جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے نہایت معقول اور مُدلّل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ فی الحقیقت قرآن شریف اپنے معارف اور حکمتوں اور پُر برکت تاثیر دل اور بلاغتوں میں اس حد تک پہنچا ہوا ہے جس تک پہنچنے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں اور جس کا مقابلہ کوئی بشر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوسری کتاب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ کے زاویہ ق و طٓ برابر ایک قائمہ ہے۔ اس لئے (بحکم ۴۷ ش م ۱) مربع ع ل برابر ہوا مربع لٓ ق اور ق ع کے اور مربع ع مٓ کا برابر ہے مربع ع ط اور طٓ م کے۔

چونکہ (بحکم ۱۵ احدم ۱) خط مستقیم ع ل برابر ہے ع م کے اس لئے مربع

ہمارے مقابل پر متمرّدن یا ملعون بنتا آریوں کے ہاتھ میں ہے اگر کوئی باتمیز آریہ جو ویدوں کی حقیقت سے خبر رکھتا ہو موازنہ و مقابلہ وید و قرآن کی نیّت سے تین ماہ کے عرصہ تک میدان میں آگیا اور ہماری طرف سے جو رسالہ بحوالہ آیات و دلائل قرآنی تالیف ہو وید کی شرتیوں کے رُو سے اُس نے ردّ کر کے دکھلا دیا تو اُس نے وید اور وید کے پیروؤں

بقیہ حاشیہ کر سکتی ہے اور حقیقی اور کامل معجزہ اپنے نبی کریم کی رسالت ثابت کرنے کے لئے یہی بڑا بھاری معجزہ اہل اسلام کے ہاتھ میں ہمیشہ کے لئے قیامت تک ہے جواب بھی ایسا ہی تازہ بتازہ موجود ہے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھا اور اب بھی مخالفوں کو ایسا ہی لاجواب اور رسوا کر رہا ہے جیسے وہ پہلے کرتا تھا اب اس تمام تقریر کا مدعا و خلاصہ یہ ہے کہ عند العقل قُربِ الٰہی کے مراتب تین قسم پر منقسم ہیں اور تیسرا مرتبہ قُرب کا جو مظہر اتم الوہیّت اور آئینۂ خدا نما ہے حضرت سیّدنا و مولانا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلّم ہے جس کی شعاعیں ہزارہا دلوں کو منور کر رہی ہیں۔ اور بے شمار سینوں کو اندرونی ظلمتوں سے پاک کر کے نورِ قدیم تک پہنچا رہی ہیں وللہ در القائل۔

محمدِ عربی بادشاہِ ہر دو سرا کرے ہے رُوحِ قدس جس کے دَر کی دربانی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ ع ق اور ق ل کا برابر ہوا مربع ع ط اور ط م کے اور ظاہر ہے کہ خط ع ق چھوٹا ہے ع ط سے اس لئے مربع ل ق بڑا ہوا مربع م ط سے پس خط مستقیم ل ق بڑا ہوا خط مستقیم م ط سے۔ اسی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ م ط بڑا ہے ن ص سے علیٰ ہذا ثابت ہو سکتا ہے

کی عزّت رکھ لی اور مقرون کے معزّز خطاب سے ملقب ہوگیا لیکن اگر اِس عرصہ میں کسی ویدوان نے تحریک نہ کی تو وہ خطاب جو مقرون کے مقابل پر ہے سب نے اپنے لئے قبول کرلیا۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آویں تو آخر الحیل مباہلہ ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارت کر آئے ہیں۔ مباہلہ کے لئے وید خوان ہونا ضروری نہیں ہاں باتمیز اور ایک باعزّت اور نامور آریہ ضرور چاہیئے جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑ سکے سو سب سے پہلے لالہ مرلیدہر صاحب اور پھر لالہ جیونداس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور اور پھر منشی اندرمن صاحب مرادآبادی اور پھر کوئی اور دوسرے صاحب آریوں میں سے جو معزز اور ذی علم تسلیم کئے گئے ہوں مخاطب کئے جاتے ہیں کہ اگر وہ وید کی اُن تعلیموں کو جن کو کسی قدر ہم اس رسالہ میں تحریر کرچکے ہیں۔ فی الحقیقت صحیح اور سچے سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل جو قرآن شریف کے اُصول و تعلیمیں اسی رسالہ

بقیہ حاشیہ اُسے خدا تو نہیں کہ سکوں پہ کہتا ہوں کہ اس کے مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآن شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کرلیا۔ اللّٰھمّ صلّ علٰی سیّدنا ومولانا محمدٍ واٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ الحمدُللّٰہِ الّذی ھدٰی قلبنا لحُبّہٖ و لحب رسولہٖ و جمیع عبادہ المُقرّبین۔

تا بردلم نظر شد از مہر ماہِ مارا ؛ کردست سیم خالص قلبِ سیاہ مارا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ کہ آگ بڑا ہے ساگ سے اور ساگ بڑا ہے وتس سے ۔ پس ثابت ہوا کہ آگ جو مرکز تک کھینچا ہے سب خطوط سے بڑا ہے یہی ہمارا دعویٰ تھا فقط۔ منہ

میں بیان کی گئی ہیں اُن کو باطل اور دروغ خیال کرتے ہیں تو اس بارہ میں ہم سے مباہلہ کر لیں اور کوئی مقام مباہلہ کا برضامندی فریقین قرار پاکر ہم دونوں فریق تاریخ مقرّرہ پر اس جگہ حاضر ہوجائیں اور ہر یک فریق مجمع عام میں اُٹھکر اس مضمون مباہلہ کی نسبت جو اس رسالہ کے خاتمہ میں بطور نمونہ اقرار فریقین قلم جلی سے لکھا گیا ہے تین مرتبہ قسم کھا کر تصدیق کریں کہ ہم فی الحقیقت اس کو سچ سمجھتے ہیں اور اگر ہمارا بیان راستی پر نہیں تو ہم پر اسی دُنیا میں وبال اور عذاب نازل ہو۔ غرض جو جو عبارتیں ہر دو کاغذ مباہلہ میں مندرج ہیں۔ جو جانبین کے اعتقاد ہیں بحالت دروغ گوئی عذاب مترتب ہونے کے شرط پر اُن کی تصدیق کرنی چاہیئے اور پھر فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لئے ایک برس کی مہلت ہوگی پھر اگر برس گزرنے کے بعد مؤلّفِ رسالہ ہذا پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز قابل تاوان پانسو روپیہ ٹھہرے گا جس کو برضامندی فریقین خزانہ سرکاری میں یا جس جگہ باسانی وُہ روپیہ مخالف کو مل سکے داخل کردیا جائے گا اور درحالت غلبہ خود بخود اُس روپیہ کے وصول کرنے کا فریق مخالف مستحق ہوگا اور اگر ہم غالب آئے تو کچھ بھی شرط نہیں کرتے کیونکہ شرط کے عوض میں وُہی دُعا کے آثار کا ظاہر ہونا کافی ہے۔ اب ہم ذیل میں مضمون ہر دو کاغذ مباہلہ کو لکھ کر رسالہ ہذا کو ختم کرتے ہیں و باللّٰہ التوفیق۔

بقیہ حاشیہ

لطفِ عمیم دلبر ہر دم مرا بخواند ❊ ہر چند می زنند ایں اغیار راہِ مارا
درکوئے دلستانم چوں خاک کو شب و روز ❊ دیگر نشاں چہ باشد اقبال و جاہِ مارا

منہ

نمونۂ مضمون مباہلہ از جناب مؤلف رسالہ ہٰذا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

بعد حمد و صلوٰۃ میں عبداللّٰہ الاحد الصمد احمد ولد میرزا غلام مُرتضٰے صاحب مرحوم (جو مؤلف کتاب براہین احمدیہ ہوں) حضرت خداوند کریم جلّ شانہ و عزّ اسمہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے اکثر حصّہ اپنی عمر عزیز کا تحقیق دین میں خرچ کر کے ثابت کر لیا ہے کہ دُنیا میں سچّا اور منجانب اللّٰہ مذہب دین اسلام ہے اور حضرت سیّدنا و مولٰینا مُحمّد مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے رسُول اور افضل الرُّسل ہیں اور قرآن شریف اللّٰہ جلّ شانہٗ کا پاک و کامل کلام ہے جو تمام پاک صداقتوں اور سچائیوں پر مُشتمل ہے اور جو کچھ اُس کلامِ مقدّس میں

ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجوبِ ذاتی اور قدامت ہستی اور قدرت کاملہ اور اپنے دوسرے جمیع صفات میں واحد لاشریک ہے اور سب مخلوقات کا خالق اور رب ارواح اور اجسام کا پیداکنندہ ہے اور صادق اور وفادار ایمانداروں کو ہمیشہ کے لئے نجات دے گا اور وُہ رحمان اور رحیم اور توبہ قبول کرنے والا ہے ایسا ہی دوسری صفات الٰہیہ و دیگر تعلیمات جو قرآن شریف میں لکھی ہیں یہ سب صحیح اور درست ہیں اور میں دلی یقین سے ان سب امور کو سچ جانتا ہوں اور دل وجان سے ان پر یقین رکھتا ہوں اور اگرچہ اُن کی سچائی پر صدہا عقلی دلائل جو قطعی اور یقینی ہیں اللہ جلّ شانہٗ نے مجھ کو عطا کی ہیں لیکن ایک اور فضل اس کا مجھ پر یہ بھی ہوا ہے جو اس نے براہ راست مجھ کو اپنے کلام اور الہام سے مُشرّف کر کے دوہرا ثبوت ان سچائیوں کا مجھ کو دے دیا ہے اب میری یہ حالت ہے کہ جیسے ایک شیشہ عطر خالص سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میرا دل اس یقین سے بھرا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن شریف تمام برکات دینیہ کا

مجموعہ ہے اور فی الحقیقت خدائےتعالیٰ سب موجودات کا موجِد اور تمام ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ اور ہر قسم کی خیر اور نیکی اور فیض کا مبدء ہے اور اُس کا پاک رسُول محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم سچّا و صادق و کامل نبی ہے جس کی پَیروی پر فلاحِ آخرت موقوف ہے لیکن میرا فلاں مخالف (اس جگہ اُس مخالف کا نام جو مباہلہ کے لئے بالمقابل آئیگا لکھا جائے گا) جو اس وقت میرے مقابلہ کے لئے حاضر ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نعوذ باللہ جناب سیّدنا محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم سچّے نبی نہیں ہیں اور جعلسازی سے قرآن شریف کو بنا لیا ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ خدائےتعالیٰ ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ نہیں اور کسی پرستار اور سچے ایماندار کو نجاتِ ابدی کبھی نہیں ملے گی اور جو کچھ ویدوں میں بھرا ہُوا ہے وہ حقیقت میں سب سچ ہے اور اس کے برخلاف جو قرآن شریف میں ہے وہ سب جھُوٹ ہے سواے خدائے قادر مطلق تو ہم دونوں فریقوں میں سچّا فیصلہ کر اور ہم دونوں میں سے جو شخص اپنے بیانات میں اور اپنے عقائد میں جھوٹا ہے۔ اور بصیرت کی راہ سے نہیں بلکہ تعصّب اور ضِد کی راہ سے ایسی باتیں

مُنہ پر لاتا ہے جن پر یقین کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل اُس کے ہاتھ میں نہیں اور نہ اُس کا دل نورِ یقین سے بھرا ہوا ہے بلکہ سراسر ضد اور طرفداری اور ناخداترسی سے ایسی باتیں بناتا ہے جن پر اُس کا دل قائم نہیں اُس پر تو اے قادر کبیر ایک سال تک کوئی اپنا عذاب نازل کر اور اس کی پردہ دری کر کے جو شخص حق پر ہے اُس کی مدد فرما اور لعنت سے بھرے ہوئے دُکھ کی مار ایسے شخص کو پہنچا کہ جو دانستہ سچّائی سے دُور اور راستی کا دشمن اور راستباز کا مخالف ہے کیونکہ سب قدرت اور انصاف اور عدالت تیرے ہی ہاتھ میں ہے آمین یارب العٰلمین۔ فقط۔

نمونہ مضمون مباہلہ ازطرف آریہ صاحب فریق مخالف

مَیں فلاں ابنِ فلاں قسم کھا کر اور حلف اُٹھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے اوّل سے آخر تک رسالہ سُرمہ چشم آریہ کو پڑھ لیا اور اُس کے دلائل کو بخوبی سمجھ لیا میرے دل پر اُن دلیلوں نے کچھ اثر نہیں کیا اور نہ مَیں اُنکو سچ سمجھتا ہوں اور مَیں اپنے پرمیشر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ ویدوں میں لکھا ہے مَیں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ میرے رُوح اور

جیو کا کوئی ربّ یعنے پیدا کنندہ نہیں ایسا ہی میرا جسمی مادّہ بھی پَیدا کرنے والے سے بکلّی بے نیاز ہے۔ مَیں پرمیشر کی طرح خود بخود ہوں اور واجب الوجود اور قدیم اور انادی ہوں۔ میری روح اور میرا جسمی مادہ کسی دوسرے کے سہارے سے نہیں بلکہ قدیم سے یہ دونوں ٹکڑے میرے وجُود کے قائم بالذّات ہیں۔ ایسا ہی وؔید کی اس تعلیم پر بھی میرا کامل یقین ہے کہ مُکتی یعنے نجات ہمیشہ کے لئے کسی کو نہیں مل سکتی اور ہمیشہ عزّت کے بعد ذِلّت کا دورہ لگا ہوا ہے۔ مَیں وؔید کی ان سب تعلیموں کو دلی یقین سے مانتا ہوں کہ پرمیشر ایک ذرّہ کے پَیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور نہ بغیر عمل کسی عامل کے ایک ذرّہ کسی پر رحمت کرسکتا ہے اور نہ بغیر ہزاروں جونوں میں ڈالنے کے ایک ذرّہ گناہ توبہ یا استغفار یا سچی پرستش اور محبّت سے بخش سکتا ہے اور مَیں وؔید کے رُو سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ چاروں وؔید ضرور ایشر کا کلام ہے جو ہمیشہ اور قدیم سے ہر نئی دُنیا میں ہمارے ہی آریہ دیس میں چار رشیوں پر جو اگنی اور وایو وغیرہ ہیں اُترتا رہا ہے کبھی اُس سے باہر نہیں اُترا اور نہ کبھی ہماری زبان سنسکرت کے سوا

کسی دُوسری زبان میں آیا اور ہمارے دیس سے باہر جو ہزاروں پیغمبر آئے ہیں اور کئی کتابیں لائے ہیں مَیں دلی یقین سے اُن سب کو جعلساز اور اُن کی کتابوں کو جعلی تحریریں خیال کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اُن غیر ملکوں میں سب جھوٹے آتے رہے کبھی ایک مُلہم بھی سچّا نہیں آیا اور یہ سچائی ہمارے آریہ دیس سے ہی خاص رہی اور اسی سے پرمیشر کا دائمی تعلق اور پیوند رہا ہے اور ہمیشہ آئندہ بھی اُسی سے رہے گا ایسا ہی مَیں قرآن اور اس کے اُصولوں اور تعلیموں کو جو وید کے اصولوں اور تعلیموں سے برخلاف ہے جھوٹ اور جعل جانتا ہوں لیکن میرا فریق مخالف جو مؤلف رسالہ سرمہ چشم آریہ ہے وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور اس کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے اور وید اور اُس کے ان اصولوں اور دوسری تعلیموں کو جو قرآن کے مخالف ہیں سراسر غلط اور جھوٹ خیال کرتا ہے سو اب اے ابشر تو ہم دونوں فریقوں میں سچّا فیصلہ کر اور جس فریق کے اُصول اور اعتقاد جھوٹے اور ناپاک ہیں جن کو وہ کسی ناپاک کتاب کی رُو سے مانتا ہے اُس کو ذلیل اور رُسوا کر اور ہم دونوں

میں سے وہ شخص جو تیری نظر میں کاذب اور دروغ گو ہے اور اُس کے عقاید اور اُصول تیری توہین اور ہتک عزّت کا موجب ہیں اور دانستہ اُن کا پابند ہو رہا ہے اس کو اے ایشر ایسے دُکھ کی مار پہنچا اور ایسی لعنت سے بھری ہوئی اس کی رسوائی کر کہ ایک سال کے عرصہ تک وہ لعنت کا اثر جو عذاب مولم ہے ظاہر ظاہر اس کو پہنچ جائے اے ایشر تو ایسا ہی کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزّت نہیں پا سکتا۔ آمین فقط۔

تمّت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اِشتہار صداقت انوار

بغرض دعوتِ مقابلہ چہل روزہ

گرچہ ہر کس زرہ لاف بیانی دارد   صادق آنست کہ از صدق نشانی دارد

ہمارے اشتہارات گذشتہ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو معزز آریہ صاحب یا پادری صاحب یا کوئی اور صاحب مخالف اسلام ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب ایک سال تک قادیان میں ہمارے پاس آکر ٹھہرے تو درصورت نہ دیکھنے کسی آسمانی نشان کے چوبیس ۲۴۰۰ سو روپیہ انعام پانے کا مستحق ہوگا۔ سو ہر چند ہم نے تمام ہندوستان و پنجاب کے پادری صاحبان و آریہ صاحبان کی خدمت میں اسی مضمون کے خط رجسٹری کرا کر بھیجے مگر کوئی صاحب قادیان میں تشریف نہ لائے۔ بلکہ منشی اندرمن صاحب کے لئے تو مبلغ چوبیس ۲۴۰۰ سو روپیہ نقد لاہور میں بھیجا گیا تو وہ کنارہ کرکے فرید کوٹ کی طرف چلے گئے ہاں ایک صاحب پنڈت لیکھرام نام پشاوری قادیان میں ضرور آئے تھے اور ان کو بار بار کہا گیا کہ اپنی حیثیت کے موافق بلکہ اُس تنخواہ سے دو چند جو پشاور میں نوکری کی حالت میں پاتے تھے ہم سے بحساب ماہواری لینا کرکے ایک سال تک ٹھہرو اور اخیر پر یہ بھی کہا گیا کہ اگر ایک سال تک منظور نہیں تو چالیس دن تک ہی ٹھہرو تو انہوں نے ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو منظور نہیں کیا اور خلاف واقعہ سراسر دروغ بیفروغ اشتہارات چھپوائے سو انکے لئے تو رسالہ سرمہ چشم آریہ میں دوبارہ یہی چالیس دن تک اس جگہ رہنے کا پیغام تحریر کیا گیا ہے ناظرین اس کو پڑھ لیں لیکن یہ اشتہار اتمام حجت کی غرض سے بمقابل منشی جیوندا س صاحب جو سب آریوں

کی نسبت شریف اور سلیم الطبع معلوم ہوتے ہیں اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر ہوشیار پور جو وہ بھی
میری دانست میں آریوں میں سے غنیمت ہیں اور منشی اندرمن صاحب مرادآبادی جو گویا دوسرا
مصرعہ سورستی صاحب کا ہیں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رئیس
امرتسر جو حضرات عیسائیوں میں سے شریف اور سلیم المزاج آدمی ہیں اور پادری عماد الدین لاہز صاحب
امرتسری اور پادری ٹھاکرداس صاحب مؤلف کتاب اظہار عیسوی شائع کیا جاتا ہے
کہ اب ہم بجائے ایک سال کے صرف چالیس روز اس شرط سے مقرر کرتے ہیں کہ جو صاحب آزمائش
و مقابلہ کرنا چاہیں وہ برابر چالیس دن تک ہمارے پاس قادیان میں یا جس جگہ اپنی مرضی سے ہمیں
رہنے کا اتفاق ہو رہیں اور برابر حاضر رہیں پس اس عرصہ میں اگر ہم کوئی امر پیشگوئی جو خارق عادت ہو
پیش نہ کریں یا پیش تو کریں مگر بوقت ظہور وہ جھوٹا نکلے یا وہ جھوٹا تو نہ ہو مگر اُسی طرح صاحب ممتحن
اس کا مقابلہ کر کے دکھلا دیں تو مبلغ پانسو روپیہ نقد بحالت مغلوب ہونے کے اسی وقت بلاتوقف اُنکو
دیا جائیگا لیکن اگر وہ پیشگوئی وغیرہ بہ پایۂ صداقت پہنچ گئی تو صاحب مقابل کو بشرف اسلام مشرف
ہونا پڑیگا - اور یہ بات نہایت ضروری قابل یادداشت ہے کہ پیشگوئیوں میں صرف زبانی طور پر
نکتہ چینی کرنا یا اپنی طرف سے شرائط لگانا ناجائز اور غیر مسلّم ہوگا بلکہ سیدھا راہ شناخت
پیشگوئی کا یہی قرار دیا جائیگا کہ اگر وہ پیشگوئی صاحب مقابل کی رائے میں کچھ ضعف یا شک رکھتی
ہے یا اُنکی نظر میں قیافہ وغیرہ سے مشابہ ہے تو اسی عرصہ چالیس روز میں وہ بھی ایسی پیشگوئی ایسے
ہی ثبوت سے ظاہر کر کے دکھلاویں اور اگر مقابلہ سے عاجز رہیں تو پھر حجت اُن پر تمام ہوگی اور بحالت
سچے نکلنے پیشگوئی کے بہرحال اُنہیں مسلمان ہونا پڑیگا اور یہ تحریریں پہلے سے جانبین میں تحریر
ہو کر انعقاد پا جائینگی چنانچہ اس رسالہ کے شائع ہونے کے وقت سے یعنے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء سے
ٹھیک تین ماہ کی مہلت صاحبان موصوف کو دیجاتی ہے اگر اس عرصہ میں اُنکی طرف سے اس مقابلہ
کے لئے کوئی منصفانہ تحریک نہ ہوئی تو یہ سمجھا جائیگا کہ وہ گریز کر گئے - والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ -

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

اِشتہارِ مفید الاخیار

جاگو جاگو آریو نیند نہ کرو پیارو

چونکہ آجکل اکثر ہندوؤں اور آریوں کی یہ عادت ہو رہی ہے کہ وہ کچھ کچھ کتابیں عیسائیوں کی جو اسلام کی نکتہ چینی میں لکھی گئی ہیں دیکھکر اور اُن پر پُورا پُورا اطمینان کرکے اپنے دِلوں میں خیال کر لیتے ہیں کہ حقیقت میں یہ اعتراضات درست اور واقعی ہیں۔ اِسلئے قرین مصلحت سمجھکر اِس عام اشتہار کے ذریعہ سے اطلاع دیجاتی ہے کہ اوّل تو عیسائیوں کی کتابوں پر اعتماد کر لینا اور براہِ راست کسی فاضل اہلِ اسلام سے اپنی عقدہ کشائی نہ کرانا اور اپنے اوہامِ فاسدہ کا محققین اسلام سے علاج طلب نہ کرنا اور خائنین عناد پیشہ کو امین سمجھ بیٹھنا سراسر بے راہی ہے جس سے طالب حق کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ دانشمند لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ جو پادری صاحبان پنجاب اور ہندوستان میں آکر اپنے مذہب کی تائید میں دن رات ہزار ہا منصوبے باندھ رہے ہیں یہ ان کے ایمانی جوش کا تقاضا نہیں بلکہ انواع اقسام کے اغراض نفسانی اِن کو ایسے کاموں پر آمادہ کرتے ہیں اگر وہ انتظام مذہبی جس کے باعث سے یہ لوگ ہزار ہا روپیہ تنخواہیں پاتے ہیں درمیان سے اُٹھا یا جاوے تو

پھر دیکھنا چاہیئے کہ اِنکا جوش وخروش کہاں ہے۔ ماسوا اسکے ان لوگوں کی ذاتی علمیّت اور دماغی روشنی بھی بہت کم ہوتی ہے اور یورپ کے مُلکوں میں جو واقعی دانا اور فلاسفر اور دقیق النظر ہیں وُہ پادری کہلانے سے کراہت اور عار رکھتے ہیں اور اُن کو اِن کے بیہودہ خیالات پر اعتقاد بھی نہیں بلکہ یورپ کے عالی دماغ حکما کی نگاہوں میں پادری کا لفظ ایسا خفیف اور دُور از فضیلت سمجھا جاتا ہے کہ گویا اُس لفظ سے یہ مفہوم لازم پڑا ہوا ہے کہ جب کسی کو پادری کرکے پکارا جاوے تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی گذر جاتا ہے کہ یہ شخص اعلیٰ درجہ کی علمی تحصیلوں اور لیاقتوں اور باریک خیالات سے بے نصیب ہے۔ اور جس قدر ان پادری صاحبان نے اہلِ اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات کرکے اور بار بار ٹھوکریں کھا کر اپنے خیالات میں پلٹے کھائے ہیں اور طرح طرح کی ندامتیں اُٹھا کر پھر اپنے اقوال سے رجوع کیا ہے۔ یہ بات اُس شخص کو بخوبی معلوم ہوگی کہ جو اُنکے اور فضلاء اسلام کے باہمی مباحثات کی کتابوں پر ایک محیط نظر ڈالے۔ اِنکے اعتراضات تین قسم سے باہر نہیں۔ یا تو ایسے ہیں کہ جو سراسر افترا اور بہتان ہے جن کی اصلیت کسی جگہ پائی نہیں جاتی اور یا ایسے ہیں کہ فی الحقیقۃ وُہ باتیں ثابت تو ہیں لیکن محلِ اعتراض نہیں محض سادہ لوحی اور کور باطنی اور قلّتِ تدبّر کی وجہ سے ان کو جائے اعتراض سمجھ لیا ہے اور یا بعض ایسے امور ہیں کہ کسی قدر تو سچ ہیں جو ایک ذرہ جائے اعتراضات نہیں ہو سکتے۔ اور باقی سب بہتان اور افترا ہیں جو اُنکے ساتھ ملائے گئے ہیں۔ اب افسوس تو یہ ہے کہ آریوں نے اپنے گھر کی عقل کو بالکل استعفا دیکر اُنکی ان تمام دُور از صداقت کارروائیوں کو سچ مچ صحیح اور درست سمجھ لیا ہے اور بعض آریہ ایسے بھی ہیں کہ وُہ قرآن شریف کا ترجمہ کسی جگہ سے ادھورا سا دیکھکر یا کوئی قصّہ

بے سروپا کسی جاہل یا مخالف سے سُنکر جھٹ پٹ اسکو بناء اعتراض قرار دے دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں خدائے تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اس کی عقل بھی بباعث تعصب اور عناد کی زہروں کے نہایت ضعیف اور مُردہ کی طرح ہوجاتی ہے اور جو بات عین حکمت اور معرفت کی ہو وہ اسکی نظر سقیم میں سراسر عیب دکھائی دیتی ہے سو اسی خیال سے یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس قدر اصول اور تعلیمیں قرآن شریف کی ہیں وہ سراسر حکمت اور معرفت اور سچائی سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بات اُن میں ایک ذرہ مواخذہ کے لائق نہیں اور چونکہ ہر ایک مذہب کے اصولوں اور تعلیموں میں صدہا جزئیات ہوتی ہیں اور اُن سب کی کیفیت کا معرض بحث میں لانا ایک بڑی مہلت کو چاہتا ہے اسلئے ہم اس بارہ میں قرآن شریف کے اصولوں کے منکرین کو ایک نیک صلاح دیتے ہیں کہ اگر انکو اصول اور تعلیمات قرآنی پر اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اول بطور خود خوب سوچ کر دو تین ایسے بڑے سے بڑے اعتراض بحوالہ آیات قرآنی پیش کریں جو انکی دانست میں سب اعتراضات سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جو ایک پہاڑ کو ذرہ سے نسبت ہوتی ہے یعنی انکے سب اعتراضوں سے انکی نظر میں اقویٰ و اشد اور انتہائی درجہ کے ہوں جن پر انکی نکتہ چینی کی پُرزور نگاہیں ختم ہوگئی ہوں اور نہایت شدت سے دَوڑ دَوڑ کر انہیں پر جا ٹھہری ہوں سو ایسے دو یا تین اعتراض بطور نمونہ پیش کر کے حقیقت حال کو آزمالینا چاہیئے کہ اس سے تمام اعتراضات کا بآسانی فیصلہ ہوجائیگا۔ کیونکہ اگر بڑے اعتراض بعد تحقیق ناچیز نکلے تو پھر چھوٹے اعتراض ساتھ ہی نابود ہوجائینگے اور اگر ہم ان کا کافی و شافی جواب دینے سے قاصر رہے اور کم سے کم یہ ثابت نہ کر دکھایا کہ جن اصولوں اور تعلیموں کو فریق مخالف نے بمقابلہ ان اصولوں اور تعلیموں کے اختیار کر رکھا ہے وہ انکے مقابل پر نہایت درجہ رذیل اور ناقص اور دُور از صداقت خیالات ہیں۔ تو ایسی حالت میں فریق مخالف کو درحالت مغلوب ہونیکے فی اعتراض پچاس روپیہ بطور تاوان دیا جائیگا۔

لیکن اگر فریق مخالف انجام کار جھوٹا نکلا اور وہ تمام خوبیاں جو ہم اپنے اُن اُصولوں یا تعلیموں میں ثابت کرکے دکھلادیں بمقابل ان کے وُہ اپنے اُصولوں میں ثابت نہ کرسکا۔ تو پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ اُسے بلاتوقّف مسلمان ہونا پڑے گا اور اسلام لانے کے لئے اوّل حلف اُٹھاکر اسی عہد کا اقرار کرنا ہوگا اور پھر بعد میں ہم اس کے اعتراضات کا جواب ایک رسالہ مُستقلّہ میں شائع کرا دینگے۔ اور جو اس کے بالمقابل اصولوں پر ہماری طرف سے حملہ ہوگا اس حملہ کی مدافعت میں اُس پر لازم ہوگا کہ وہ بھی ایک مستقل رسالہ شائع کرے اور پھر دونوں رسالوں کے چھپنے کے بعد کسی ثالث کی رائے پر یا خود فریق مخالف کے حلف اٹھانے پر فیصلہ ہوگا جس طرح وہ راضی ہوجائے لیکن شرط یہ ہے کہ فریق مخالف نامی علماء میں سے ہو اور اپنے مذہب کی کتاب میں مادہ علمی بھی رکھتا ہو اور بمقابل ہمارے حوالہ اور بیان کے اپنا بیان بھی بحوالہ اپنی کتاب کے تحریر کرسکتا ہو۔ تا ناحق ہمارے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ اور اگر اب بھی کوئی نامُنصِف ہمارے اس صاف صاف منصفانہ طریق سے گریز اور کنارہ کرجائے اور بدگوئی اور دُشنام دہی اور توہین اسلام سے بھی باز نہ آوے تو اُس سے صاف ظاہر ہوگا کہ وہ کسی حالت میں اس لعنت کے طوق کو اپنے گلے سے اُتارنا نہیں چاہتا کہ جو خدائے تعالٰے کی عدالت اور انصاف نے جھوٹوں اور بے ایمانوں اور بدزبانوں اور بخیلوں اور متعصّبوں کے گردن کا ہار کر رکھا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

بالآخر واضح رہے کہ اس اشتہار کے جواب میں ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء سے تین ماہ تک کسی پنڈت یا پادری جواب دہندہ کا انتظار کیا جائیگا اور اگر اس عرصہ میں علماء آریہ وغیرہ خاموش رہے تو انہیں کی خاموشی اُن پر حجّت ہوگی ؎

المشتہر

خاکسار غلام احمد مؤلف رسالہ سُرمہ چشم آریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اشتہار محکّ اخیار و اشرار

ہم نے اُلفت میں تری بار اُٹھایا کیا کیا تجھ کو دکھلا کے فلک نے ہی دکھایا کیا کیا

ہر ایک مومن اور پاک باطن اپنے ذاتی تجربہ سے اس بات کا گواہ ہے کہ جو لوگ صدقِ دل سے اپنے مولیٰ کریم جلّ شانہٗ سے کامل وفاداری اختیار کرتے ہیں وہ اپنے ایمان اور صبر کے اندازہ پر مصیبتوں میں ڈالے جاتے ہیں اور سخت سخت آزمائشوں میں مُبتلا ہوتے ہیں ان کو بدباطن لوگوں سے بہت کچھ رنجدہ باتیں سُننی پڑتی ہیں اور انواع اقسام کی مصائب و شدائد کو اٹھانا پڑتا ہے اور نااہل لوگ طرح طرح کے منصوبے اور رنگا رنگ کے بُہتان ان کے حق میں باندھتے ہیں اور اُنکے نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں یہی عادت اللہ ان لوگوں سے جاری ہے جن پر اسکی نظرِ عنایت ہے غرض جو اسکی نگاہ میں راستباز اور صادق ہیں وُہ ہمیشہ جاہلوں کی زبان اور ہاتھ سے تکلیفیں اُٹھاتے چلے آئے ہیں سو چونکہ سنّت اللہ قدیم سے یہی ہے اسلئے اگر ہم بھی خویش و بیگانہ سے کچھ آزار اُٹھائیں تو ہمیں شکر بجالانا چاہیئے اور خوش ہونا چاہیئے کہ ہم اُس محبوب حقیقی کی نظر میں اس لائق تو ٹھہرے کہ اُسکی راہ میں دُکھ دیئے جائیں اور ستائے جائیں سو اس طرح پر دُکھ اٹھانا تو ہماری عین سعادت ہے، لیکن جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ بعض دشمنانِ دین اپنی افترا پردازی سے صرف ہماری ایذا رسانی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ بے تمیز اور بے خبر لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں تو اس صورت میں ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ حتی الوسع اُن ناواقف لوگوں کو فتنہ سے بچاویں ؛

سو واضح ہو کہ بعض مخالف ناخدا ترس جنکے دلوں کو زنگِ تعصّب و بخل نے سیاہ کر رکھا ہے ہمارے اشتہار مطبوعہ ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہودیوں کی طرح محرف و مبدل کر کے اور کچھ کے کچھ معنے بنا کر

سادہ لوح لوگوں کو سناتے ہیں اور نیز اپنی طرف سے اشتہارات شائع کرتے ہیں تا دھوکا دیکر انکے ذہن نشین کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیشگوئی تھی اُس کا وقت گذر گیا اور وُہ غلط نکلی۔ ہم اِسکے جواب میں صرف لعنت اللہ علی الکاذبین کہنا کافی سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہم افسوس بھی کرتے ہیں کہ ان بے عزّتوں اور دیوثوں کو بباعث سخت درجہ کے کینہ اور بُخل اور تعصب کے اب کسی کی لعنت ملامت کا بھی کچھ خوف اور اندیشہ نہیں رہا اور جو شرم اور حیا اور خدا ترسی لازمہ انسانیت ہے وہ سب نیک خصلتیں ایسی اِنکی سرشت سے اُٹھ گئی ہیں کہ گویا خدائے تعالےٰ نے اِن میں وُہ پیدا ہی نہیں کیں اور جیسے ایک بیمار اپنی صحت یابی سے نا اُمید ہو کر اور صرف چند روز زندگی سمجھ کر سب پرہیزیں توڑ دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کھا پی لیتا ہے اسی طرح انھوں نے بھی اپنی مرض کینہ اور تعصب اور دشمنی کو ایک آزار لا علاج خیال کر کے دل کھول کر بد پرہیزیاں اور بے راہیاں شروع کی ہیں جن کا انجام بخیر نہیں تعصّب اور کینہ کے سخت جنوں نے کیسی اُنکی عقل ماردی ہے نہیں دیکھتے کہ اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف صاف تولدِ فرزند موعود کے لئے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے اور اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں کسی برس یا مہینے کا ذکر نہیں اور نہ اسمیں یہ ذکر ہے کہ جو نو ۹ برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وُہ منسوخ ہو گئی ہے ہاں اس اشتہار میں ایک یہ فقرہ ذوالوجوہ درج ہے کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ مگر کیا اسی قدر فقرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ مُدت حمل سے ایام باقیماندہ حمل موجودہ مراد ہیں کوئی اور مدت مراد نہیں اگر اس فقرہ کے سر پر اس کا لفظ ہوتا تو بھی اعتراض کرنے کیلئے کچھ گنجائش نکل سکتی مگر جب الہامی عبارت کے سر پر اِس کا لفظ (جو مخصّص وقت ہو سکتا ہے) وارد نہیں تو پھر خواہ نخواہ اس فقرہ سے وُہ معنی نکالنا جو اُس صورت میں نکالے جاتے جو اِس کا لفظ فقرہ مذکور کے سر پر ہوتا۔ اگر بے ایمانی اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے دانشمند آدمی جسکی عقل اور فہم میں کچھ آفت نہیں اور جس کے دل پر کسی تعصّب یا شرارت کا حجاب نہیں وہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی ذوالوجوہ فقرہ کے معنی کرنے کے وقت وہ سب احتمالات مدنظر رکھنے چاہیئے جو اس فقرہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ سو فقرہ مذکورہ بالا یعنی یہ کہ مُدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ایک ذوالوجوہ فقرہ ہے جسکی ٹھیک ٹھیک وہی تشریح ہے جو میر عباس علیشاہ

صاحب لدھانوی نے اپنے اشتہار آٹھ جون ۱۸۸۶ء میں کی ہے یعنے یہ کہ مدت موعودہ حمل سے (جو نو برس ہے) یا مدت معہودہ حمل سے (جو طبیبوں کے نزدیک اڑھائی برس یا کچھ زیادہ ہے) تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر حمل موجودہ میں حصر رکھنا مخصوص ہوتا تو عبارت یوں چاہیئے تھی کہ اس باقیماندہ ایام حمل سے ہرگز تجاوز نہیں کرے گا اور اسی وجہ سے ہم نے اس اشتہار میں اشارہ بھی کر دیا تھا کہ وہ فقرہ مذکورہ بالا حمل موجودہ سے مخصوص نہیں ہے مگر جو دل کے اندھے ہیں وہ آنکھوں کے اندھے بھی ہو جاتے ہیں۔

بالآخر ہم یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے ابکی دفعہ لڑکا عطا نہیں کیا کیونکہ اگر وہ ابکی دفعہ ہی پیدا ہوتا تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑ سکتا جو پہلے سے ہی یہ کہتے تھے کہ قواعد طبی کے رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم آدمی بتلا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہوگا اور پنڈت لیکھرام پشاوری اور بعض دیگر مخالف اس عاجز پر یہی الزام رکھتے تھے کہ انکو فن طبابت میں مہارت ہے انہوں نے طب کے ذریعہ سے معلوم کر لیا ہوگا کہ لڑکا پیدا ہونے والا ہے اسیطرح ایک صاحب محمد رمضان نام نے پنجابی اخبار ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء میں چھپوایا کہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دینا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ جس نے ارسطو کا ورکس دیکھا ہوگا حاملہ عورت کا قارورہ دیکھکر لڑکا یا لڑکی پیدا ہونا ٹھیک ٹھیک بتلا سکتا ہے اور بعض مخالف مسلمان یہ بھی کہتے تھے کہ اصل میں ڈیڑھ ماہ سے یعنی پیشگوئی بیان کرنے سے پہلے لڑکا پیدا ہو چکا ہے جسکو فریب کے طور پر چھپا رکھا ہے اور اسکو عنقریب مشہور کیا جائیگا کہ پیدا ہو گیا۔ سو اچھا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تولد فرزند مسعود موعود کو دوسرے وقت پر ڈال دیا ورنہ اگر ابکی دفعہ ہی پیدا ہو جاتا تو ان معترضات مذکورہ بالا کا کون فیصلہ کرتا۔ لیکن اب تولد فرزند موصوف کی بشارت غیب محض ہے نہ کوئی حمل موجود ہے تا ارسطو کے ورکس یا جالینوس کے قواعد حمل دانی بالمعارضہ پیش ہو سکیں اور نہ اب کوئی بچہ چھپا ہوا ہے تا وہ مدت کے بعد نکالا جائے بلکہ نو برس کے عرصہ تک تو خود اپنے زندہ رہنے کا ہی حال معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ اس عرصہ تک کسی قسم کی اولاد خواہ نخواہ پیدا ہو گی چہ جائیکہ لڑکا پیدا ہونے پر کسی اٹکل سے قطع اور یقین کیا جائے آخر پر ہم یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اخبار مذکورہ بالا میں منشی محمد رمضان صاحب نے تہذیب سے گفتگو نہیں کی بلکہ دینی مخالفوں کی طرح جا بجا مشہور افترا پردازوں سے

اِس عاجز کو نسبت دی ہے اور ایک جگہ پر جہاں اِس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اُس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئینگی اور اُن سے اولاد پیدا ہوگی اس پیشگوئی پر منشی صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کئی قسم کا ہوتا ہے نیکوں کو نیک باتوں کا اور زانیوں کو عورتوں کا۔ ہم اسجگہ کچھ لکھنا نہیں چاہتے ناظرین منشی صاحب کی تہذیب کا آپ اندازہ کرلیں۔ پھر ایک اور صاحب ملازم دفتر انگزیمنر صاحب ریلوے لاہور کے جو اپنا نام نبی بخش ظاہر کرتے ہیں اپنے خط مرسلہ ۱۳ جون ۱۸۸۶ء میں اس عاجز کو لکھتے ہیں کہ تمہاری پیشگوئی جھوٹی نکلی اور دُختر پیدا ہوئی اور تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغگو آدمی ہو۔ ہم انکے جواب میں بجز اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اے خدائے قادر مطلق یہ لوگ اندھے ہیں۔ اِن کو آنکھیں بخش یہ نادان ہیں اِنکو سمجھ عطا کر یہ شرارتوں سے بھرے ہوئے ہیں اِنکو نیکی کی توفیق دے۔ بھلا کوئی اس بزرگ سے پوچھے کہ وہ فقرہ یا لفظ کہاں ہے جو کسی اشتہار میں اس عاجز کے قلم سے نکلا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ لڑکا اِسی حمل میں پیدا ہوگا اس میں ہرگز تخلف نہیں کرے گا۔ اگر میں نے کسی جگہ ایسا لکھا ہے تو میاں نبی بخش صاحب پر واجب ہے کہ اُسکو کسی اخبار میں چھپا دیں اس عاجز کے اشتہارات پر اگر کوئی منصف آنکھ کھولکر نظر ڈالے تو اسے معلوم ہوگا کہ اُنمیں کوئی بھی ایسی پیشگوئی درج نہیں جس میں ایک ذرہ غلطی کی بھی گرفت ہو سکے بلکہ وہ سب سچی ہیں اور عنقریب اپنے وقت پر ظہور پکڑ کر مخالفین کی ذلت اور رسوائی کا موجب ہونگی۔ دیکھو ہم نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں جو یہ پیشگوئی اجمالی طور پر لکھی تھی کہ ایک امیر نووارد پنجابی الاصل کو کچھ ابتلا درپیش ہے کیسی وہ سچی نکلی ہم نے صدہا ہندؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں بتلا دیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کی پنجاب میں آنیکی خبر مشہور ہو رہی ہے لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہیگا بلکہ اس سفر میں اُسکی عزت و آسائش یا جان کا خطرہ ہے اور یہ پیشگوئی ایسے وقت میں لکھی گئی اور عام طور پر بتلائی گئی تھی یعنی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو جبکہ اس ابتلا کا کوئی اثر و نشان ظاہر نہ تھا بالآخر اسکو مطابق اِسی پیشگوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سبکی اور خجالت اُٹھانی پڑی اور اپنے مدعا سے محروم رہا سو دیکھو اس پیشگوئی کی صداقت کیسی کھل گئی اسی طرح سے اپنے وقت پر سب پیشگوئیوں کی سچائی ظاہر ہوگی اور دشمن روسیاہ نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ رسوا ہونگے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا فعل ہے جو ابھی تک نہیں اندھا کر رکھا ہے انکے دلوں کو سخت کر دیا اور بجائے ..... دل میں درد اور خیر خواہی کا طوفان مچا دیا سو اس مشکل کے حل کیلئے اسی کی جناب میں تضرع کرتے ہیں۔ اے خداوند رہ ایں تیرہ درونان بنما یا مرد درِ دیگر ہیچ خداوند نہ راہ۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

المشتھر خاکسار غلام احمد مؤلف براہین احمدیہ از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

مطبوعہ ریاض ہند امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَفْضَلِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اشتہار

کتاب براہین احمدیہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کو ہر یک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط **اسلام** ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذاہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ ان پر چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت و دولت الٰہی مل سکتی ہے بلکہ ان کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے (۱) **اول** تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان و شوکت و قدر و منزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلی کے لئے عدالت میں رجسٹری بھی کرا لے۔ (۲) **دوم** ان آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کے لئے از بس ضروری ہیں۔ اس امر دوم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچائی دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے تین قسم کے نشان ثابت کر کے دکھلائے ہیں۔ اول وہ نشان کہ جو **آنحضرت** صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجناب کی دعا اور توجہ اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے جن کو مؤلف یعنی خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص و ممتاز کر کے درج کتاب کیا ہے۔ دوم وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور بے مثل طور پر پائے جاتے ہیں جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر یک عام و خاص پر کھول دیا ہے اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا۔ سوم وہ نشان کہ جو کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسول برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتے ہیں جن کے اثبات میں اس بندۂ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ کہ جو خود اس خادم دین سے صادر ہوئے ہیں اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) بشہادت رویت گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ **مجدد** وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات **مسیح** بن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے اور اس کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات و سعادت و برکت اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد و حرمان ہے یہ سب ثبوت کتاب **براہین احمدیہ** کے پڑھنے سے کہ جو منجملہ تین سو جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری پوری تسلی و تشفی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ولا فخر والسلام علٰی من اتبع الھدٰی۔ اور اگر اس **اشتہار** کے بعد بھی کوئی شخص سچا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے اور دلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے جس کا خدا تعالیٰ کے روبرو اس کو جواب دینا پڑے گا۔ بالآخر اس اشتہار کو اس دعا پر ختم کیا جاتا ہے کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے کامل و مقدس کلام **قرآن شریف** پر ایمان لاویں اور اس کے حکموں پر چلیں تا ان تمام برکتوں اور سعادتوں اور حقیقی خوشحالیوں سے متمتع ہو جاویں کہ جو سچے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہیں اور اس جاودانی نجات اور حیات سے بہرہ ور ہوں کہ جو نہ صرف عقبیٰ میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ سچے راستباز اسی دنیا میں اس کو پاتے ہیں بالخصوص قوم **انگریز** جنہوں نے ابھی تک اس آفتاب صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی اور جن کی شائستہ اور مہذب اور با رحم **گورنمنٹ** نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم ان کے دنیا و دین کے لئے دلی جوش سے بہبودی و سلامتی چاہیں تا ان کے گورے و سپید منہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی و منور ہوں۔ فنسئل اللہ تعالٰی خیرھم فی الدنیا والاٰخرۃ اللّٰھم اھدھم وایدھم بروح منک واجعل لھم حظاً کثیراً فی دینک واجذبھم بحولک وقوتک لیؤمنوا بکتابک ورسولک ویدخلوا فی دین اللہ افواجاً۔ اٰمین ثم اٰمین والحمد للہ رب العالمین۔

المشتہر

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب

(بیس ہزار اشتہار چھاپے گئے)

نوٹ

اصل کتاب میں اس صفحہ پر اشتہار مندرجہ کا انگریزی ترجمہ ہے
جو علیحدہ ورق پر چھاپ دیا گیا ہے ۔

TRANSLATION OF THE VERNACULAR NOTICE ON REVERSE

Being inspired and commanded by God, I have undertaken the compilation of a book named "Barahin-i-Ahmadia," with the object of reforming and reviewing the religion, and have offered a reward of Rs. 10,000 to any one who would prove the arguments brought forward therein to be false. My object in this Book is to show that only true and the only revealed religion by means of which one might know God to be free from blemish, and obtain a strong conviction as to the perfection of His attributes is the religion of Islam, in which the blessings of truth shine forth like sun, and the impress of veracity is as vividly bright as the day-light. All other religions are so palpably and manifestly false that neither their principles can stand the test of reasoning nor their followers experience least spiritual edification. On the contrary those religions so obscure the mind divest of discernment that signs of future misery among the followers become apparent even in this world.

That the Muhammadan religion is the only true religion has been shown in this book in two ways : (1st), By means of 300 very strong and sound arguments based on mental reasoning (their congency and sublimity being inferred from the fact that a reward of Rs. 10,000 has been offered by me to any one refuting them, and from my further readiness to have this offer registered for the satisfaction of any one who might ask for it): (2) From these Divine signs which are essential for the complete and satisfactory proof of a true religion. With a view to establish that Muhammadan religion is the only true religion in the world, I have adduced under this latter head 3 kinds of evidences : (1) The miracles performed by the Prophet during his life time either by deeds or words which were witnessed by people of other persuasions and are inserted in this book in a chronological order (based on the best kind of evidences): (2), The marks which are insaparably adherent in the Al-Quran itself, and are perpetual and are everlasting. the nature of which has been fully expounded for facility of comprehension (3), The signs which by way of inheritances devolve on any believer in the Book of God and the follower of the true Prophet. As an illustration of this, I, the humble creature of God, by His help have clearly evinced myself to be possessed of such virtues by the achieving of many unusual and supernatural deeds by foretelling future events and secrets, and by obtaining from God the objects of my prayers to all of which many persons of different persuasions like the Aryas, & c., have been eye-witness (A full description of these will be found in the said book).

I am also inspired that I am the Reformer of my time, and that as regards spiritual excellence, my virtues beara very close similarity and strict analogy to those of Jesus Christ, in the same way as the distinguished chief of Prophets were assigned

a higher rank than that of other Prophets. I also by virtue of being a follower of the August Person (the benefactor of mankind, the best of the messengers of God) am favoured with a higher rank than, that assigned to many of the Saints and Holy Personages preceding me. To follow my footsteps will be a blessing and the means of salvation whereas any antogonism to me will result in estrangement and disappointment. All these evidences will be found by perusal of the book which will consist of nearly 4800 pages of which about 592 pages have been published. I am always ready to satisfy and convince any seeker of truth. *"All this is a Grace of God He gives it to whom-soever. He likes and there is no bragging in this."* "Peace be to all the followers of righteousness!"

If after the publication of this notice any one does not take the trouble of becoming earnest enquirer after the truth and does not come forward with an unbiassed mind to seek it then my challenging (discussion) with him ends here and he shall be answerable to God.

Now I conclude this notice with the following prayer: Oh Gracious God! guide the pliable hearts of all the nations, so that they may have faith on Thy chosen Prophet (Muhammad) and on Thy holy Al-Quran, and that they may follow the commandments contained therein, so that they may thus be benefitted by the peace and the true happiness which are specially enjoyed by the true Muslims in both the worlds, and may obtain absolution and eternal life which is not only procurable in the next world, but is also enjoyed by the truthful and honest people even in this world. Expecially the English nation who have not as yet availed themselves of the sunshine of truth, and whose civilized, prudent and merciful empire has, by obliging us by kindness and friendly treatment, exceedingly encouraged us to try our utmost for their numerous acts of welfare, so that their fair faces amy shine with heavenly effulgence in the next We beseech God for their well being in this world and the next. Oh God! guide them and help them with Thy grace, and instil in their minds the love for Thy religion, and attract them with Thy power, so that they may have faith on Thy Book and Prophet, and embrace Thy religion in groups Amen! Amen!"

"Praise be to God the supporter of creation!"

(Sd) MIRZA GHULAM AHMAD
Chief of Qadian, District Gurdaspur, Punjab, India.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اشتہار انعامی پانسو روپیہ

درباره کتاب لاجواب کحل الجواہر سرمہ چشم آریہ جو آریوں کے وید اور اُنکے عقائد اور اصول کو باطل اور دور از صدق ثابت کرتی ہے۔

سرمہ چشم آریہ پر دُرد ز گوہرست * بیں ز سرِ جستجو سال ازیں ظاہرست*

۱۳۰۳

یہ کتاب یعنے سرمہ چشم آریہ بتقریب مباحثہ لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر ہوشیارپور جو عقائد باطلہ وید کی بکلّی بیخ کنی کرتی ہے اس دعویٰ اور یقین سے لکھی گئی ہے کہ کوئی آریہ اس کتاب کا ردّ نہیں کرسکتا کیونکہ سچ کے مقابل پر جھوٹ کی کچھ پیش نہیں جاتی اور اگر کوئی آریہ صاحب اُن تمام وید کے اصولوں اور اعتقادوں کو جو اس کتاب میں ردّ کئے گئے ہیں سچ سمجھتا ہے اور اب بھی وید اور اُسکے ایسے اصولوں کو ایشر کرت ہی خیال کرتا ہے تو اُسکو اسی ایشر کی قسم ہے کہ اِس کتاب کا ردّ لکھکر دکھلاوے اور پانسو روپیہ انعام پاوے۔ یہ پانسو روپیہ بعد تصدیق کسی ثالث کے جو کوئی پادری یا برہمو صاحب ہونگے دیا جائیگا اور ہمیں یہاں تک منظور ہے کہ اگر منشی جیونداس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور جو اس گرد و نواح کے آریہ صاحبوں کی نسبت سلیم الطبع اور معزز اور شریف آدمی ہیں بعد ردّ چھپ جانے اور عام طور پر شائع ہوجانے کے مجمع عام علماء مسلمانوں اور آریوں اور معزز عیسائیوں وغیرہ میں معہ اپنے عزیز فرزندوں کے حاضر ہوں اور پھر اُٹھ کر قسم کھالیں کہ ہاں میرے دل نے بیقین کامل قبول کرلیا ہے کہ سب اعتراضات رسالہ سرمہ چشم آریہ جن کو مَیں نے اوّل سے آخر تک بغور دیکھ لیا ہے۔

* حاشیہ * یہ شعر نتائج طبع مولوی محمد یوسف صاحب سنوری سے ہے جزاہم اللہ خیراً۔ منہ *

اور خوب توجہ کرکے سمجھ لیا ہے*۔ اس تحریر سے ردّ ہو گئے ہیں۔ اور اگر میں دلی اطمینان اور پوری سچائی سے یہ بات نہیں کہتا تو اس کا ضرر اور وبال اسی دنیا میں مجھ پر اور میری اسی اولاد پر جو اس وقت حاضر ہے پڑے۔ تو بعد ایسی قسم کھا لینے کے صرف منشی صاحب موصوف کی شہادت سے پانسو روپیہ نقد ردّ کنندہ کو اسی مجمع میں بطور انعام دیا جائیگا۔ اور اگر منشی صاحب موصوف عرصہ ایک سال تک ایسے قسم کے بد اثر سے محفوظ رہے تو آریوں کے لئے بلاشبہ یہ حجت ہوگی کہ صاحب موصوف نے اپنی دلی صداقت سے اپنے علم اور فہم کے مطابق قسم کھائی تھی۔ والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی۔

المشتھر

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع

گورداسپور پنجاب

*حاشیہ: اس جگہ منشی جیونداس صاحب پر لازم ہوگا کہ سب اعتراضات مندرجہ رسالہ سرمہ چشم آریہ حاضرین کو صحیح صحیح طور پر سنا بھی دیں۔

منہ